يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل (سراپا معجزہ)
یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں

ذکرِ جمیل

تالیف

مجددِ مسلکِ اہلسنت
حضرت خطیبِ پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ○ پاکستان

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَللّٰہُ جَمِیۡلٌ یُّحِبُّ الۡجَمَالَ...... نے اپنی ذات وصفات کے مظہر کامل، حضور اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو برہان بنا کر بھیجا۔ میرے آقا و مولیٰ، تاج دار مدینہ سے میرے معبود حقیقی میرے رب کریم کے جلوے ظاہر ہوئے۔ حسن الوہیت کے اس مظہر کامل کے سرتاپا ظاہری حسن و جمال کا بیان بھی روح کی تسکین اور قلب کی طمانینت کا باعث ہے۔ اس ذات بابرکات کے ذکرِ جمیل سے خود میرے رب جلیل کا کلام، قرآن کریم، اول تا آخر آسودۂ اوراق ہے۔ یہ ذکر میرے معبود کو محبوب ہے۔ صدیاں گزر گئیں، جسے بھی اس محبوب کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے نسبت محبت ہوئی، اس نے اسی ذکر جمیل کو شعار بنایا اور یہ بھی واقعہ ہے، جس نے جمال مصطفیٰ سے جس قدر آگہی پائی اور اسے تحریر و تقریر کا جزو بنایا وہ خود بھی اس ذکر سے وابستہ ہو گیا، بے شمار نام اس حوالے سے ہمارے لیے محبوب و محترم ہوئے۔

میرے ابا جان قبلہ، حضرت مجدّدِ مسلکِ اہلِ سنت، عاشقِ رسول، محبِ صحابہ و آلِ بتول، خطیبِ اعظم الحاج مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ و رضی اللہ عنہ نے نعت خوانی سے عشق رسول کے اظہار کی ابتدا کی تھی۔ یہ سلسلہ قیام پاکستان سے پہلے کھیم کرن کے شہر سے انہوں نے شروع کر دیا تھا۔ اللہ کریم نے انہیں جو خصوصیات عطا کی تھیں، ہر ایک میں وہ درجۂ کمال پر تھے، آواز کو دیکھیے کہ انداز کو، لب ولہجہ تراشیدہ اور سوز و گداز سے ایسا لبریز کہ سینے میں جا گزیں ہو جائے۔ یہ جذب دروں کا اعجاز تھا اور اصل میں تو یہ کرم الٰہی اور فیض نگاہ تھا...... پنجابی زبان میں سراپائے رسول کے ذکر پر مشتمل کلام (سی حرفی، دوہے وغیرہ) وہ پڑھا کرتے اور بارگاہ رسالت میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا منظوم ہدیہ سلام بھی پڑھتے، انہیں یہ سعادت ملی کہ انہوں نے متداول علوم دین کی تحصیل و تکمیل کر لی، اب اشعار ان پر خوب آشکار بھی ہوئے۔ انہوں نے آیات قرآنی اور

احادیث مبارکہ کے مفاہیم و مطالب کی ترجمانی کرتے ہوئے اس ذکر جمیل سے صرف تقریروں ہی کو نہیں، تحریروں کو بھی سجایا اور یادگار بنایا، ان کی تقریر ہو کہ تحریر، ایسی مؤثر، ایسی دل نشیں، ایسی مدلل اور مکمل کہ اپنے مخاطب کو یوں جانیے، کسی جلوے سے سرشار کر دیتے تھے۔ وہ خطیب بے مثال تھے تو ادیب بھی باکمال تھے۔

''ذکر جمیل'' ان کی اولین تصانیف میں نمایاں اور شاہ کار ہے، اس کی پہلی اشاعت تقریباً بیالیس برس پہلے ہوئی تھی...... یہ کھیم کرن سے ہجرت کے بعد، اوکاڑا شہر میں قیام کے دوران اور کراچی میں آمد سے بہت پہلے کی بات ہے...... اس کا انتساب انھوں نے اپنے پیر و مرشد کے نام کیا اور اس کتاب کا نام ان کے فرزندار جمند کے نام کی نسبت، معنوی طور پر شامل کر کے ''ذکر جمیل'' رکھا۔ عربی نام ''الذکرالجمیل فی حلیۃ الحبیب الخلیل'' ہے۔ شروع میں ہر اشاعت پر تصحیح و اضافہ ہوتا رہا اور رفتہ رفتہ کتاب کی ضخامت بڑھتی رہی۔ ۱۹۷۱ء میں اس کتاب کی کتابت از سر نو کروائی گئی اور جدید قسم کی طباعت سے اسے آراستہ کیا گیا، جب سے اب تک اسی کا اعادہ ہو رہا ہے، یہ کتاب پچاس ہزار سے زائد تعداد میں شائع ہو کر دنیا بھر میں مقبول ہو چکی ہے۔ بھارت میں بھی اردو اور گجراتی میں شائع ہوئی ہے اور اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے مندرجات میں سے کچھ عنوان الگ رسائل کی صورت میں بھی مختلف اداروں نے شائع کر کے مفت تقسیم کیے، روزنامہ ''نئی روشنی'' کراچی، اسی کتاب کے مضامین، برسوں پہلے ہر جمعہ کی اشاعت میں شامل کرتا رہا۔

۲۱ رجب ۱۴۰۴ھ کو، ابا جان قبلہ علیہ الرحمۃ، دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ ان کے بعد ان کی کتابوں کی اشاعت کے لیے ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے محترم صاحب زادہ حفیظ البرکات شاہ نے مجھ سے رابطہ کیا۔ ابا جان قبلہ چاہتے تھے کہ ان کی تمام کتابوں کی طباعت بھی میں اپنے ذمے لوں، وہ میرے ذوق سے واقف تھے۔ ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کے بعد مجھے اپنا ہوش ہی کہاں تھا اور میرے دل والے تو انہیں سے تھے، وہ کیا گئے، لگتا ہے سب کچھ چلا گیا...... اس فقیر نے بھائیوں سے مشاورت کے بعد، محترم

حفیظ البرکات شاہ صاحب کو حقوق اشاعت دے دیئے۔ انہوں نے طباعت و اشاعت کے کام کا آغاز ہی کیا تھا، اس لیے تمام تر استعداد کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ کتابوں کی خطاطی کروا کے انہوں نے کتابت کی روایتی غلطیوں کی تفتیش (مسودہ بینی) کے لیے خطاطی مجھے بھجوا دی...... میرے شب و روز عرصے سے قلم اور کتاب سے وابستہ ہیں۔ ابا جان قبلہ علیہ الرحمۃ کے بعد کتنے انقلاب آئے، مجھے خود کو وقت اور امور کا پابند کرنے میں برسوں لگ گئے اور یوں ''ذکرِ جمیل'' کی طباعت میں تاخیر ہوتی گئی...... تنہا حوالہ و حواشی دیکھنا اور اصل متن سے کتابت کی تصحیح کرنا آسان نہیں۔ ایک ایک حوالے کے لیے گھنٹوں ضخیم کتابوں کی ابواب در ابواب ورق گردانی اور اس کی تائید و تنقید میں مضامین تلاش کرنا پڑیں تو اندازہ ہو کہ کتاب کیسے ممکن ہو پاتی ہے۔ گزشتہ بارہ برسوں میں راقم السطور کو اپنی بارہ کتابیں بھی لکھنی پڑیں، ان کے انگریزی تراجم مکمل کرنے پڑے، سفر کی مصروفیات الگ رہیں، میں ابا جان قبلہ کی غیر مطبوعہ کتب کی طباعت کا کام ابھی تک نہ کر سکا، کچھ کراچی کے حالات نے بھی حواس کم متاثر نہیں کیے...... سوچتا ہوں، ابا جان ہوتے تو ان پر کیا گزرتی؟ وہ اس شہر زرنگار اور شہریان باکمال کا یہ حال کہاں دیکھ پاتے!۔

گزشتہ جدید طباعت پر ابا جان قبلہ کے باکمال اساتذہ نے اس کتاب اور مصنف کے بارے میں اپنے گراں قدر خیالات تحریر فرمائے تھے اور اس وقت خالص دینی اور اب سیاسی شہرت رکھنے والے حضرت مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی اپنے تاثرات قلم بند کیے تھے، انہیں من و عن شامل رکھا جا رہا ہے۔ اس نئی کتابت یا طباعت میں جو خامی رہ گئی ہو اسے میری کوتاہی جانیے، ہو سکے تو نشان دہی فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے۔ میں اپنے بھائی ڈاکٹر محمد سبحانی اوکاڑوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ نیوکلیر فارمیسی میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد دو ماہ کی رخصت پر وطن آئے تو انہوں نے کتابت شدہ مسودے کی اغلاط کی چھان بین میں مجھ سے بڑا تعاون کیا، اللہ کریم انہیں خوش رکھے۔ محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب نے طباعت میں کتنی توجہ کی ہے، یہ آپ کے سامنے

ہے، اللہ کریم مسلک حق اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ان کا حوصلہ فزوں فرمائے...... برسوں کی تاخیر پر معذرت خواہ ہوں، لیکن یہ بھی سچ ہے

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

فقیر! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ   ۱۹۹۷ء کراچی



ذکر جمیل

اور اس کے مصنف کا مختصر تعارف

از قلم: رئیس المحدثین، امام المتکلمین، غزالئ دوران، رازی زمان، حضرت علامہ
مولانا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی امروہوی دامت برکاتہم العالیہ
(مہتمم مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم۔ملتان)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ابتدائی حالات

فاضل جلیل الحاج مولانا الحافظ محمد شفیع صاحب اوکاڑوی بن الحاج میاں کرم الٰہی صاحب کھیم کرن (پنجاب) کے ایک معزز تجارت پیشہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ۱۳۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور تقسیم ملک کے بعد اوکاڑا میں اقامت اختیار کی۔

موصوف محترم، ابتدا ہی سے مذہبی مجالس میں شرکت کے شائق رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش الحانی کی نعمت سے بھی نوازا ہے۔ خود بھی نعت لکھتے ہیں۔ نعت گوئی اور نعت خوانی میں سحر آفریں نغمہ سرائی آپ کی خصوصیات سے ہے۔

تعلیم و تربیت

گھر کا ماحول خالص مذہبی اور پاکیزہ تھا اس لیے تربیت بھی پاکیزہ ہوئی۔ ابتدائی اردو، فارسی، عربی کی تعلیم اوائل عمر میں حاصل کی، اوکاڑا میں مقیم ہونے کے بعد حضرت العلامہ الحاج مولانا غلام علی صاحب شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ اشرف المدارس اوکاڑا سے شرف تلمذ حاصل کیا اور کتب درسیہ کی تعلیم پائی۔ ذہین اور مستعد طالب علم تھے، مختصر عرصہ میں تکمیل کر لی اور اجازت روایت حدیث کی سند محدثین کے طرق پر فقیر سے بھی حاصل کی

اس طرح احقر راقم الحروف کے ساتھ موصوف کا سلسلۂ تلمذ قائم ہوا۔

بیعت واجازت

نقشبندی مجددی سلسلۂ مبارکہ میں شرق پور شریف سے آپ وابستہ ہیں۔ قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر آپ نے بیعت کی اور پھر شیخ المشائخ، مقبول بارگاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قادری مدنی مدظلہ العالی نے مدینہ منورہ میں جملہ سلاسل طریقت بالخصوص سلسلہ قادریہ کی خلافت واجازت عطا کی۔

اکابر کا احترام

ماشاء اللہ حسن ظاہری کے ساتھ حسن اخلاق بھی رکھتے ہیں خصوصاً اپنے مشائخ و اساتذہ کے ساتھ کمال ادب واحترام سے پیش آتے ہیں۔

عادات وخصائل

صالح نوجوان ہیں، نہایت متواضع اور مہمان نواز ہیں۔ ہنس مکھ، خوش خلق ہیں۔ طبیعت میں پاکیزگی اور صالحیت ہے اور اسی کی برکت سے اب تک آپ چھ مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مقدسہ سے مشرف ہو چکے ہیں بلکہ اپنے اہل کو بھی حج کرایا ہے اور قبہ خضراء کی زیارت کے لیے انہیں مدینہ منورہ اپنے ہمراہ لے گئے۔

اولاد

بفضلہٖ تعالیٰ صاحب اولاد ہیں۔ بڑے صاحبزادے حافظ محمد کوکب نورانی سلمہ ماشاء اللہ اپنے والد ماجد کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش نصیبی کے ساتھ عمر طبعی کو پہنچائے اور خادم دین متین بنائے۔ آمین

تقریر وتبلیغ میں ید طولیٰ

اوائل عمر ہی سے مذہبی اجتماعات، مجالس علماء ومشائخ کے دل دادہ رہے۔ تقریر وتبلیغ کا

شوق ہمیشہ سے طبیعت پر غالب رہا۔آپ کی تقریر علمی استعداد، ذکاوت وذہانت، جودت طبع اور وسعت مطالعہ کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ انداز بیان نہایت سلجھا ہوا، کلام میں پختگی، لطافت اور بسا اوقات ظرافت کی چاشنی پائی جاتی ہے جو سامعین کے لیے نہایت دلچسپ ہوتی ہے۔مزید برآں آپ کی خوش الحانی سامعین کو مسحور کر دیتی ہے۔

قبولیت عامہ

ان خوبیوں کے باعث اہل علم اور عوام اور خواص میں آپ بے حد مقبول ہیں اور ان ہی خصوصیات کے باعث آپ کا دائرہ تبلیغ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ملک کے مغربی مشرقی دونوں حصوں کے گوشہ گوشہ میں بلکہ دیارعرب میں بھی آپ کی علمی اور شان دار تقریریں محفوظ ہونے لگیں اور قبولیت عامہ کا شرف عظیم آپ کو حاصل ہوا۔

کراچی میں قیام

تقریباً چودہ برس سے مولانا موصوف کراچی میں مقیم ہیں، اس مرکزی شہر میں آپ نے جس شان سے تبلیغی کام کیا اس کی تفصیل ناممکن ہے۔مختصر یہ کہ موصوف نے اپنی بے حد پسندیدہ شان دار علمی تقریروں سے مسلک اہل سنت کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا کہ گھر گھر سنیت کا چرچا ہونے لگا۔آپ کی بے پناہ تبلیغی مساعی جمیلہ گویا لادینی اور بد مذہبی نظریات کے سیلاب کے لیے ایک مضبوط بند اور گمراہی کی ظلمت کے لیے روشن شمع ثابت ہوئیں۔اس بند میں شگاف ڈالنے بلکہ اس شمع کو بجھانے کے لیے بد مذہبوں اور الحاد پسندوں نے اپنی طاغوتی قوتوں کو بھرپور طریق پر استعمال کیا مگر وہ خائب وخاسر ہو کر زبان حال سے کہنے لگے

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

موصوف کی ان تبلیغی خدمات پر جس قدر بھی اظہار مسرت کیا جائے کم ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تصنیف وتالیف

شب وروز تبلیغی مصروفیات کے باوجود علمی ذوق کی تکمیل کے لیے نہایت شان دار کتب

خانہ آپ نے اپنے مکان میں قائم کیا ہے جس میں تفسیر و حدیث، فقہ، تاریخ، تصوف اور دیگر فنون کی کثیر کتابیں جمع کی ہیں۔ وقت نکال کر مطالعہ کرتے ہیں اور حاصل مطالعہ کو ضبط تحریر میں لانے کے بعد اسے کتابی صورت میں مدون کرتے ہیں۔ اب تک تقریباً پندرہ کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جو شائع ہو کر منظر عام پر آ گئی ہیں اور اہل ذوق ان سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

ذکر جمیل

آپ کی تصانیف میں ذکر جمیل خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب موصوف کا علمی شاہکار ہے۔ عناوین کثیرہ کے ضمن میں سراپائے اقدس کو ایسے اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ سر اقدس سے لے کر پائے مبارک تک ذات پاک محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے محامد و محاسن بھی بیان کر دیئے گئے ہیں اور ساتھ ہی وہ تمام مسائل بھی دلائل کے ساتھ مذکور ہو گئے ہیں جو فضائل و مناقب نبویہ اور عقائد اہل سنت سے متعلق ہیں۔

تاجدار مدنی جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال کے جلوے سامنے آ جاتے ہیں۔ لقاء حبیب ﷺ کا شوق بڑھتا ہے، حضور ﷺ کی محبت زیادہ ہوتی ہے اور ایمان تازہ ہوتا ہے، قلب مومن کو فرحت اور روح کو آسودگی و راحت نصیب ہوتی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ جزاء حسنا۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موصوف کی تبلیغی و تالیفی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آپ کو حاسدین و دشمنان دین کے شر سے محفوظ فرما کر مزید خدمت دین کے لیے صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر باعزت و کرامت زندہ و سلامت رکھے۔ آمین

سید احمد سعید کاظمی
مہتمم مدرسہ انوار العلوم، ملتان، نزیل کراچی
یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ
مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۷۱ء

از: شیخ الحدیث والتفسیر، علامۃ العصر، فقیہ الاعظم
حضرت مولانا غلام علی صاحب القادری الاشرفی دامت برکاتہم العالیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بفضلہٖ تعالیٰ! اپنی دینی، ملی، تبلیغی خدمات کی وجہ سے خطیب اعظم پاکستان الحاج علامہ مولانا محمد شفیع صاحب اوکاڑوی، ملک اور بیرون ملک میں اس قدر شہرت رکھتے ہیں کہ ان کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے۔

جناب موصوف موجودہ دور کے مبلغین میں اپنی منفرد خصوصیات کی وجہ سے ایک امتیازی شان رکھتے ہیں، اللہ جل شانہ کے فضل و کرم اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جمیلہ اور بزرگوں کی دعاؤں سے ملک بھر میں تبلیغ اسلام فرما رہے ہیں، مذہب مہذب اہلسنت و جماعت اور مسلک رضویت کی صحیح خطوط پر موثر اور دلنشین پیرائے میں ترجمانی اور خوش بیانی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور تبلیغ دین کے لیے ان کی مسلسل اور پیہم جدوجہد اور بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے دنیائے کفر والحاد لرزہ براندام ہے اور ایوان باطل میں زلزلہ بپا ہے۔ چنانچہ اس بوکھلاہٹ کی وجہ سے بعض دین دشمن اور شر پسند عناصر نے مولانا موصوف کو متعدد مرتبہ طرح طرح کی تکالیف اور اذیتیں پہنچانے کی ناپاک کوششیں بھی کی ہیں مگر بایں ہمہ وہ بعونہ تعالیٰ جرأت و ہمت اور صبر و استقلال کے ساتھ شب و روز اپنے فریضۂ تبلیغ میں مصروف و منہمک ہیں اور یوماً فیوماً عوام و خواص میں ان کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

میدان خطابت کے تو مولانا شہسوار ہیں ہی۔ علاوہ تقریر کے ان کی تحریری، تبلیغی مساعی اور سرگرمیاں بھی قابل تحسین ہیں۔ متعدد کتب دینیہ کے مؤلف ہیں۔ سلیس، عام فہم اور مفید دینی معلومات کی وجہ سے ان کی تالیفات کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ پیش نظر کتاب ''ذکر جمیل'' اس سے قبل ملک میں کثرت سے شائع ہو چکی ہے۔ عام مسلمان اور بالخصوص

طلباء دین اور خطباء و مقررین حضرات اس سے بکثرت استفادہ کر رہے ہیں۔ اب نیا ایڈیشن مزید مفید اضافات سے شائع ہو رہا ہے۔

اگر چہ اس موضوع پر علمائے سلف نے عربی، فارسی، اردو میں کام کیا ہے۔ مگر امام الکل فی الکل سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص و معجزات اور حضور کے فضائل و برکات کو مولانا ممدوح نے اپنے مخصوص و دل کش اور اچھوتے انداز میں اس طرح سلاست اور صحت سے پیش فرمایا ہے کہ کم پڑھا آدمی بھی اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

ماشاء اللہ انداز بیان محض خطیبانہ نہیں بلکہ محققانہ ہے۔ حسب ضرورت جا بجا دلائل شرعیہ سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ فقیر دعا گو ہے کہ مولا کریم جل شانہ، مولانا صاحب کو عمر دراز عطا فرمائے اور ان کی تقریر و تحریر سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

بجاہ النبی الکریم الرءوف الرحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم و علی الہ و اصحابہ اجمعین

خاک پائے علماء و فقرا، فقیر ابو البیان غلام علی القادری
الاشرفی غفرلہ ولوالدیہ ولمشائخہ، خادم التفسیر والحدیث
جامعہ حنفیہ دار العلوم اشرف المدارس، اوکاڑا۔
۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ
بروز چہار شنبہ ۱۸-۸-۷۱

ازقلم!

صاحب الفضیلۃ والارشاد، العالم الفاضل، حضرۃ العلامۃ مولانا الحافظ

الشاہ احمد نورانی الصدیقی القادری، مدظلہ العالی

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی حبیبه و نور عرشه و

زینة فرشه سیدنا و حبیبنا مولانا محمد و آله و ازواجه و اصحابه

و من تبعهم باحسان الی یوم الدین

امابعد! فاضل جلیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اوکاڑوی مدظلہ العالی محتاج تعارف نہیں ہیں۔ مولانا موصوف مدظلہ اہلسنت و جماعت کے بے مثل خطیب، شعلہ نوا مقرر اور عاشق رسول ﷺ ہیں۔ فضائل سید المرسلین ﷺ پر مولانا مدظلہ کی تقاریر، علمی نکات، تفسیری رموز و اسرار سے مالا مال ہوتی ہیں، کراچی سے پشاور اور وہاں سے چاٹگام تک مولانا کی مقبولیت ہم سب کے لیے باعث فخر و مباہات ہے۔ اللهم زد فزد و بارك فيه!

مولانا مدظلہ تقریر کے ذریعہ جہاں عوام وخواص میں دین متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ساتھ ہی باوصف مشاغل تحریری طور پر بھی انتہائی محبت بھرے انداز میں پروقار دلائل کے ساتھ تبلیغ دین کا فریضہ ادا فرما رہے ہیں۔ مولانا موصوف کی اکثر تالیفات متعدد بار چھپ کر خواص وعوام میں مقبول ہو چکی ہیں۔

ذکر جمیل اسی سلسلہ کی کڑی ہے، یہ کتاب مستطاب اہل ایمان وعرفان کے لیے باعث راحت جان ہے اس کو پڑھ کر حضور پرنور آقائے دو جہاں ﷺ کے سراپا میں ایسا گم ہو جانا پڑتا ہے کہ اپنی خبر نہیں رہتی۔ تصور حبیب ﷺ کتنا حسین ہے اس کو میں الفاظ کے قالب میں ڈھالنے سے قاصر ہوں۔ بہرحال ذکر جمیل پڑھ کر جمال رسول میں مستغرق ہو جانا پڑتا ہے اور یہی مولانا موصوف بھی چاہتے ہیں کہ ہر مسلمان ذکر وفکر رسول میں مستغرق

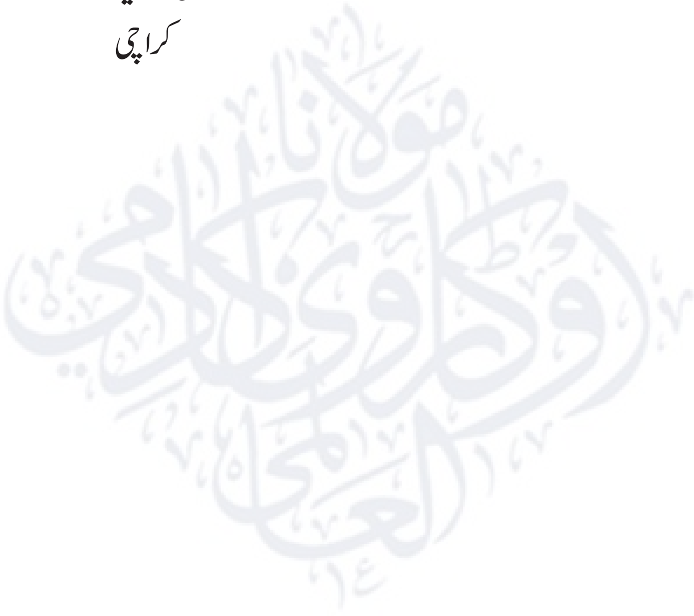
رہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تالیف کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ کیوں نہ ہو کہ جن کا ذکر مبارک ہے وہ مقبول تر ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ مولانائے موصوف کی دینی مساعی کو قبول فرما کر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! فجزاہ اللہ عن المسلمین خیرا۔

فقیر! شاہ احمد نورانی صدیقی غفرلہ

۱۰ جمادی الثانیہ، ۱۳۹۱ھ

کراچی



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

حُبِّ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عقل وفہم کی دولت عطا فرمائی ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی روح ہے ۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے   اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

شریعت مطہرہ نے ہر مسلمان پر حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس کے تمام خویش واقارب اعزہ واحباب سے زیادہ لازم کی ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۲۴ (التوبہ)

میرے حبیب! فرما دیجئے کہ اے لوگو تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری پسند کے مکان، ان میں سے کوئی چیز بھی اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ

مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں

مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ یَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰہِ وَ لَا یَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِہِمۡ عَنۡ نَّفۡسِہٖ (التوبہ:۱۲۰)

کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پیچھے بیٹھے رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔

حضرت انس بن مالک انصاری فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ (بخاری:۱۵)

تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ واولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور انہی سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ثَلَاثٌ مَّنۡ کُنَّ فِیۡہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الۡاِیۡمَانِ اَنۡ یَّکُوۡنَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَاَنۡ یُّحِبَّ الۡمَرۡءَ لَایُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَاَنۡ یَّکۡرَہَ اَنۡ یَّعُوۡدَ فِی الۡکُفۡرِ کَمَا یَکۡرَہُ اَنۡ یُّقۡذَفَ فِی النَّارِ (بخاری:۱۶)

جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت وحلاوت پالے گا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس کو تمام ماسوا سے زیادہ پیارے ہوں دوسری یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اور تیسری یہ کہ وہ کفر میں لوٹ جانا ایسا برا سمجھے جیسا کہ آگ میں پھینکے جانے کو برا سمجھتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ التستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنۡ لَّمۡ یَرَ وَلَایَۃَ الرَّسُوۡلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فِیۡ جَمِیۡعِ اَحۡوَالِہٖ وَلَمۡ یَرَ نَفۡسَہٗ فِیۡ مِلۡکِہٖ لَمۡ یَذُقۡ حَلَاوَۃَ سُنَّتِہٖ لِاَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ

جو ہر حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا مالک نہ جانے اور اپنی ذات کو ان کی ملکیت میں نہ سمجھے وہ حلاوت سنت سے محروم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ (زرقانی علی المواہب، ج۶،ص ۳۴۱۳،شرح شفا للقاری، جلد ۲،ص ۳۵، ج ۲،ص ۶)

ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی جان سے زیادہ اس کومحبوب نہ ہوجاؤں۔

ان دو آیتوں اور تین حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، ماں باپ واولاد،عزیز واقارب، دوست واحباب، مال و دولت، مسکن و وطن اور اپنی جان غرض کہ ہر چیز کی محبت سے زیادہ ضروری ولازم ہے۔

اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقیدت ومحبت نہ رکھے یا ان کی مخالفت کرے تو خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو اس سے دوستی اور محبت رکھنا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۳﴾ (التوبہ)

اے ایمان والو اپنے باپ اور بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں اور جو تم میں سے ان سے دوستی کرے گا وہی ظالموں میں ہے۔

نیز فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْؕ اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُؕ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُؕ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ اللّٰهِؕ اَلَاۤ

تم نہ پاؤ گے انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر کہ محبت کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا اور اللہ نے اپنی طرف کی روح سے ان کی امداد

اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

(المجادلہ)

فرمائی اور ان کو داخل کرے گا باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ راضی ہو گیا اللہ ان سے اور وہ راضی ہو گئے اللہ سے، یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں آگاہ ہو جاؤ بے شک اللہ ہی کی جماعت فلاح پانے والی ہے۔

ان آیتوں سے صراحۃً ثابت ہوا کہ جو لوگ اللہ اور رسول کی مخالفت کریں اور ایمان پر کفر کو پسند کریں اگرچہ وہ بہت ہی زیادہ قریبی ہوں ان سے دوستی و محبت رکھنا جائز نہیں بلکہ ظلم ہے اور بے دینی ہے۔ اس مضمون کی متعدد آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ ایمان و نجات کا دارومدار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر ہے تو جس مومن کے دل میں آپ کی محبت کامل ہو گی اس کا ایمان بھی کامل ہو گا ورنہ ناقص اور اگر آپ کی محبت مطلقاً نہیں تو وہ قطعاً ایمان سے محروم ہے۔

اس مقام پر یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ اسلام کے دعوے دار تمام فرقے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے مدعی ہیں۔ محبت ایسی چیز نہیں جو ظاہر ہو، اس کا تعلق دل سے ہے، اور ظاہر ہے کہ دلوں کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ ایسی صورت میں ہم کس گروہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محب قرار دے کر مومن سمجھیں اور کس فرقہ کے دعویٰ محبت کو غلط جان کر اسے ناری قرار دیں؟

اس الجھن کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دین متین اور عقل سلیم کی روشنی میں محبت کا ایسا معیار تلاش کریں جس کے ذریعے حقیقت واقعیہ منکشف ہو جائے اور ہم بخوبی جان لیں کہ اصلی محبت کا حامل کون ہے۔

معیار محبت

اس سلسلے میں بعض حضرات کا مسلک تو یہ ہے کہ محبت کا معیار محبوب کی اتباع اور اس کی پیروی ہے کیونکہ محب، محبوب کا مطیع اور متبع ہوتا ہے۔

اَنَّ الۡمُحِبَّ لِمَنۡ یُّحِبُّ مُطِیۡعٌ (ابن عساکر، ج ۳۲، ص ۴۶۹)

قرآن کریم میں بھی فرمایا:

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ

’’میرے حبیب آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (پھر) اللہ بھی تم سے محبت کرے گا‘‘۔ (آل عمران: ۳۱)

آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ محبت کی شرط اتباع و اطاعت ہے، لہٰذا جو گروہ متبع سنت اور پابند شریعت ہے، وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محب اور صحیح معنی میں مومن ہے۔

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اتباع و اطاعت جسے معیار محبت قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال مبارکہ و اعمال مقدسہ کے مطابق مطلقاً عمل کرنے کا نام اتباع و اطاعت ہے یا اس میں کوئی قید بھی ملحوظ ہے؟ اگر ’’مطلق عمل‘‘ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اعمال مقدسہ کی طرف صرف نقل کو اتباع و اطاعت قرار دیا جائے جن کی موافقت شرعاً مطلوب ہے تو وہ منافقین اور دشمنان دین بھی حضور کے متبع اور اللہ تعالیٰ کے محبوب قرار پائیں گے جو باوجود منافق ہونے اور اپنے دل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت رکھنے کے نماز روزہ اور دیگر اعمال حسنہ کرتے تھے بلکہ صحیح احادیث میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ ایک بے دین و گمراہ قوم آخر زمانہ میں پیدا ہوگی وہ قرآن پڑھے گی مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، سچے اور خالص مسلمان ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانیں گے، ان کی زبانیں شکر سے زیادہ شیریں ہوں گی اور دل بھیڑیوں کے مثل ہوں گے، ان کے پاجامے ٹخنوں سے بہت اونچے اور سر منڈے ہوئے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

ایسی صورت میں اس ظاہری اتباع وسنت اور سنن کریمہ کے نقل کو کیوں کر معیار محبت اور دلیل ایمان قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ تو نری نقالی ہے جو کسی حال میں محمود و مستحسن نہیں ہو سکتی اس لیے ضروری ہے کہ اتباع و اطاعت کے معنی پر غور کیا جائے اور صحیح معیار محبت تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں **فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ** فرما کر ہمیں یہ بتا دیا کہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت ہے۔ محبوب کا دشمن کبھی محبوب نہیں ہوسکتا پھر اللہ تعالیٰ کے محبوب کا دشمن اللہ تعالیٰ کا محبوب کیونکر ہوسکتا ہے، ثابت ہوا کہ اس آیہ مبارکہ میں اتباع کے معنی محبت رسول کے بغیر صرف ان کے سنن کریمہ کی نقل کرنا نہیں بلکہ **فَاتَّبِعُوْنِیْ** کے معنی یہ ہیں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے نشے میں مخمور اور ان کی الفت کے جذبات سے معمور ہو کر بتقاضائے الفت و محبت ان کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جاؤ گے، تو تم بھی محبوب و پیارے ہو جاؤ گے۔ یہ اتباع قطعاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی دلیل ہے۔

مگر بات جہاں تھی وہیں رہی، سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ فلاں گروہ یا فلاں شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی الفت و محبت کے ساتھ ان کی سنن کریمہ پر عمل کر رہا ہے، اور فلاں آدمی بغیر محبت کے محض نقالی میں مصروف ہے۔ آیئے اس سوال کا حل اور معیار محبت تلاش کریں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: حُبُّكَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ (مسند امام احمد: ۲۱۶۹۴، ابوداؤد: ۵۱۳۰)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کہ انسان کو جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو) وہ محبت اس کو (محبوب کا عیب دیکھنے سے) اندھا اور (محبوب کا عیب سننے سے) بہرہ کر دیتی ہے۔

اس مبارک حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا کہ محبت کی نا قابل تردید دلیل اور صحیح معیار یہ ہے کہ مدعی محبت کی آنکھ اور کان محبوب کا عیب دیکھنے اور سننے سے پاک ہو، عقل سلیم کے نزدیک بھی محبت کا صحیح معیار یہی ہے کیونکہ محبت کا مرکز حسن و جمال ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ محبت والی آنکھ کو محبوب کی ذات میں کوئی عیب نظر آئے اور اگر کسی کو محبوب میں عیوب و نقائص نظر آتے ہیں تو وہ اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔ محبت والی آنکھ کو واقعی عیب نظر نہیں آتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بے عیب ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں عرض کرتے ہیں۔

وَ اَحۡسَنُ مِنۡكَ لَمۡ تَرَقَطُّ عَيۡنِیۡ وَاَجۡمَلُ مِنۡكَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقۡتَ مُبَرَّأً مِّنۡ كُلِّ عَيۡبٍ كَاَنَّكَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَآءُ

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری آنکھ نے آپ سا حسین وجمیل اور کوئی نہیں دیکھا کیونکہ آپ سا حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپ ایسے پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ آپ خود چاہتے تھے''۔

ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے عیب ہیں اور جسے بے عیب میں عیب نظر آئے اس کا دعویٰ محبت کیوں کر درست ہوگا۔ اسی معیار پر موجودہ فرقوں کو پرکھ لیجئے۔

کوئی گروہ خلفائے راشدین اور محبوبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافر منافق کہہ کر ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کفر ونفاق کی محبت کا عیب لگا رہا ہے۔

کوئی آل اطہار کی شان میں گستاخیاں کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچا رہا ہے۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال خاتمیت کا انکار کر کے تنقیص شان نبوت پر کمر باندھی ہوئی ہے۔

کوئی گروہ، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس احادیث کا انکار کر کے سرکار کی توہین و تکذیب میں مصروف ہے۔

کسی نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات علمیہ وعملیہ کا انکار کر کے تنقیص رسالت کی۔

کوئی کہتا ہے کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے، وہ ہمارے ہی جیسے بشر تھے، وہ ہمارے بڑے بھائی کے برابر تھے اور ان کی تعظیم فقط بڑے بھائی کی سی کرنی چاہیے۔

اور کوئی کہہ رہا ہے کہ جیسا علم ان کو ہے ایسا تو ایرا غیرا نتھو خیرا، اور ہر پاگل اور ہر نابالغ اور ہر حیوان اور ہر چارپائے کو بھی ہے۔

اور کوئی کہہ رہا ہے کہ حضور کا علم تو شیطان لعین اور ملک الموت کے علم سے بھی کم ہے۔

اور کوئی کہہ رہا ہے کہ ان کا میلاد شریف کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ہنود کنہیا کا جنم دن مناتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے نماز میں ان کی طرف خیال لے جانا، زنا کے وسوسے اپنی بی بی کی مجامعت کے خیال اور بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بھی بدتر ہے۔

اور کوئی علی الاعلان کہہ رہا ہے کہ ان سے بے شمار غلطیاں ہوئیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیا۔

کسی نے کہا کہ جس طرح ہم بھول جاتے ہیں اسی طرح وہ بھی بھولا کرتے تھے (معاذ اللہ)

غرض کہ کیا کیا لکھ جائے۔ معمولی سمجھ رکھنے والا انسان اس حقیقت کونہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ عقل وشرع سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہل محبت کومحبوب میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور نہ ان کا کان محبوب کا عیب سن سکتا ہے، تو جس قوم کا شب وروز یہی وتیرہ ہو کہ قرآن وحدیث اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں عیوب ونقائص ثابت کرنے کے درپے ہو وہ کیوں کر سرکار کی محبت کے دعوے میں صادق ہوسکتی ہے؟

خدا کی قسم! حضور تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور محمد کے معنی ہی بے عیب ہیں، تو جس نے محمد کے اندر عیب مانا، اس نے محمد کو محمد ہی نہیں مانا۔ حضور کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہی مانتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے عیب مانتا ہے پس ثابت ہوا کہ تمام فرقوں میں وہ فرقہ اپنے دعویٰ محبت میں سچا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عیوب ونقائص سے منزہ اور پاک مانتا ہے۔

علامت محبت

گزشتہ سطور میں ثابت ہو چکا کہ ایمان کا دارومدار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر ہے اور محبت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کا کثرت سے ذکر کرتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ۔ کہ جس کو جس چیز سے محبت ہوتی

ہے وہ اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے۔ (کنز العمال: ۱۸۲۹، زرقانی علی المواہب، ج ۶ ص ۳۱۴)

پس جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جتنی زیادہ محبت ہوگی وہ اتنا ہی کثرت سے آپ کا ذکر کرے گا۔ معلوم ہوا آپ کا کثرت سے ذکر کرنا تقاضائے محبت وایمان ہے۔

علامہ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عَلَامَةُ الْمُحِبِّيْنَ كَثْرَةُ الذِّكْرِ لِلْمَحْبُوْبِ عَلٰى طَرِيْقِ الدَّوَامِ لَا يَنْقَطِعُوْنَ وَلَا يَمَلُّوْنَ وَلَا يَفْتَرُوْنَ وَ قَدْ اَجْمَعَ الْحُكَمَآءُ عَلٰى اَنْ مَّنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِهٖ فَذِكْرُ الْمَحْبُوْبِ هُوَ الْغَالِبُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُحِبِّيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ بِهٖ بَدَلًا وَّلَا يَبْغُوْنَ عَنْهُ حِوَلًا وَلَوْ قَطَعُوْا عَنْ ذِكْرِ مَحْبُوْبِهِمْ لَفَسَدَ عَيْشُهُمْ وَمَا تَلَذَّذُ الْمُتَلَذِّذُوْنَ بِشَيْءٍ اِلَّا مِنْ ذِكْرِ الْمَحْبُوْبِ

(زرقانی علی المواہب، ج ۶ ص ۳۱۴)

محبوں کی علامت یہ ہے کہ وہ محبوب کا ذکر کثرت سے دائمی طور پر اس طرح کرتے ہیں کہ نہ تو کبھی ذکر سے جدا ہوتے ہیں اور نہ کبھی چھوڑتے اور نہ کبھی کوتاہی کرتے ہیں اور حکماء کا اس پر اجماع ہے کہ محب محبوب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اور محبوب کا ذکر محبوں کے دلوں پر ایسا غالب ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اس کا بدل چاہتے ہیں اور نہ ہی اس سے پھرنا۔ اور اگر ان کے محبوب کا ذکر ان سے جدا ہو جائے تو ان کی زندگی تباہ ہو جائے اور وہ کسی چیز میں لذت وحلاوت نہیں پاتے جو ذکر محبوب میں پاتے ہیں۔

وَمِنْ عَلَامَاتِ مَحَبَّتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَعْظِيْمُهٗ عِنْدَ ذِكْرِهٖ وَ اِظْهَارُ الْخُشُوْعِ وَالْخُضُوْعِ وَالْاِنْكِسَارِ مَعَ سِمَاعِ اسْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(زرقانی علی المواہب، ج ۶ ص ۳۱۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کے ذکر شریف کے وقت آپ کی تعظیم کی جائے اور خصوصاً آپ کے نام مبارک کے سننے کے وقت خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا

اظہار کیا جائے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَمِنْ عَلَامَاتِ مَحَبَّتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَثْرَۃُ الشَّوْقِ اِلٰی لِقَآئِہٖ اِذْ کُلُّ حَبِیْبٍ یُّحِبُّ لِقَآءِ حَبِیْبِہٖ (زرقانی علی المواہب، ج۶ ص۳۱۷)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی زیارت اقدس کا بہت زیادہ شوق ہو کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے۔

وَمِنْ عَلَامَاتِ مَحَبَّتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّلْتَذَّ مُحِبُّہٗ بِذِکْرِہِ الشَّرِیْفِ وَیَطْرَبُ عِنْدَ سِمَاعِ اسْمِہِ الْمُنِیْفِ (زرقانی علی المواہب، ج۶ ص۳۲۲)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا محب آپ کے ذکر شریف سے روحانی لذت وسرور پائے اور آپ کے نام مبارک کے سننے کے وقت خوش ہو۔

اب ان لوگوں کی حالت کا اندازہ کیجئے جو آپ کے ذکر پاک، فضائل وکمالات صورت وسیرت کے بیان سے مسرور وشاداں نہیں، بلکہ دل تنگ ہوتے ہیں، کیا ان کا آپ کے ذکر پاک سے دل تنگ ہونا ایمان ومحبت سے محروم ہونے کی کھلی ہوئی دلیل نہیں؟

آپ کا ذکر ذکر خدا ہے

حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جَعَلْتُ تَمَامَ الْاِیْمَانِ بِذِکْرِكَ مَعِیَ وَقَالَ اَیْضًا جَعَلْتُكَ ذِکْرًا مِّنْ ذِکْرِیْ فَمَنْ ذَکَرَكَ ذَکَرَنِیْ۔

(شفا شریف، ج۱ ص۱۲)

میں نے ایمان کا مکمل ہونا اس بات پر موقوف کر دیا ہے کہ (اے محبوب) میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہو اور میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر ٹھہرا دیا ہے، پس جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ أَتَدْرِیْ کَیْفَ رَفَعْتُ ذِکْرَکَ قُلْتُ اللّٰہُ اَعْلَمُ قَالَ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ (زرقانی علی المواہب و در منثور، ج۶، ص ۳۶۴)

میرے پاس جبریل آئے اور کہا بے شک آپ کا رب فرماتا ہے کہ (اے حبیب) تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذکر کیسا بلند کیا ہے۔ میں نے کہا اللہ خوب جانتا ہے۔ فرمایا کہ جب میرا ذکر ہو گا تو میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہوگا۔

چنانچہ قرآن پاک میں اللہ جل شانہ کے ذکر کے ساتھ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوے دیکھیے۔

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (فتح:۹) اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (حجرات:۱۵) الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (نور:۶۲) اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (نور:۶۲) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (مائدہ: ۹۲) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (انفال: ۲۰) مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (نساء: ۱۳) وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (توبہ:۷۱) وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (حجرات: ۱۴) اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ (انفال: ۲۴) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (نساء: ۱۴) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (احزاب: ۵۷) بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ (توبہ:۱) مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ (توبہ:۱۶) وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ (توبہ: ۳) اَنَّہٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (توبہ: ۶۳) اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (مجادلہ: ۵) الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (مائدہ: ۳۳) وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (توبہ:۲۹) قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (انفال:۱) فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:۵۹) وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (انفال، ۱۳) ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (حشر: ۴) مَآ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (توبہ:۵۹) سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗٓ (توبہ:۵۹) اَنَّہُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَبِرَسُوْلِہٖ (توبہ: ۵۴) اَغْنٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

(توبہ: ۷۴) فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (انفال:۴۱) اَلَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (توبہ:۹۰) وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ (توبہ: ۹۴) وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (نور: ۴۸) اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ (نور: ۵۰) وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ (احزاب:۲۲) اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (احزاب:۲۹) وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (احزاب:۳۱) اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ (احزاب:۳۶) لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حجرات:۱) وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (حشر:۸) وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ (منافقون:۸) مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب: ۲۲) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (احزاب:۳۶) اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (احزاب:۶۶)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَقْبَلَ اٰدَمُ عَلٰى ابْنِهٖ شِيْثَ فَقَالَ اَيْ بُنَيَّ اَنْتَ خَلِيْفَتِيْ مِنْ بَعْدِيْ فَخُذْهَا بِعَمَارَةِ التَّقْوٰى وَالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى فَكُلَّمَا ذَكَرْتَ اللّٰهَ فَاذْكُرْ اِلٰى جَنْبِهٖ اسْمَ مُحَمَّدٍ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ اسْمَهٗ مَكْتُوْبًا عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ وَاَنَا بَيْنَ الرُّوْحِ وَالطِّيْنِ ثُمَّ اِنِّيْ طُفْتُ السَّمٰوٰتِ فَلَمْ اَرَ فِي السَّمٰوٰتِ مَوْضِعًا اِلَّا رَاَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ مَكْتُوْبًا عَلَيْهِ وَاِنَّ رَبِّيْ اَسْكَنَنِي الْجَنَّةَ فَلَمْ اَرَ فِي الْجَنَّةِ قَصْرًا وَّلَا غُرْفَةً اِلَّا وَجَدْتُّ اسْمَ مُحَمَّدٍ مَكْتُوْبًا عَلَيْهِ وَلَقَدْ رَاَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ مَكْتُوْبًا عَلٰى نُحُوْرِ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَعَلٰى وَرَقِ قَصَبِ لِجَامِ الْجَنَّةِ وَعَلٰى

آدم علیہ السلام اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے میرے بیٹے تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔ پس خلافت کو تقویٰ کے تاج اور محکم یقین کے ساتھ پکڑے رہو اور جب تم اللہ کا ذکر کرو تو اس کے متصل نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر کرو کیونکہ میں نے ان کا نام عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے جب کہ میں روح و مٹی کے درمیان تھا۔ پھر میں نے تمام آسمانوں پر نظر کی تو مجھے کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آئی جہاں نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا ہوا نہ ہو۔ اور میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا تو میں نے

وَرَقِ شَجَرَةِ طُوْبٰی وَ عَلٰی وَرَقِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی وَ عَلٰٓی اَطْرَافِ الْحُجُبِ وَ بَیْنَ اَعْیُنِ الْمَلٰٓئِکَةِ فَاَکْثِرْ ذِکْرَهٗ فَاِنَّ الْمَلَآئِکَةَ مِنْ قَبْلٍ تَذْکُرُہٗ فِیْ کُلِّ سَاعَاتِهَا

(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۳۹)

جنت کے ہر محل اور ہر بالاخانے اور برآمدے پر اور تمام حوروں کے سینوں پر اور جنت کے تمام درختوں کے پتوں پر اور شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا ہے لہٰذا تو کثرت سے ان کا ذکر کیا کر۔ کیونکہ فرشتے ہر وقت ان کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

آپ کی تعظیم فرض عین ہے

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر فرض عین ہے بلکہ تمام فرائض کی اصل ہے اور آپ کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۹﴾ (الفتح)

(اے نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا شاہد ومبشر ونذیر بنا کر تا کہ (اے لوگو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

اس آیہ کریمہ میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ اول اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا، دوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرنا، سوم تسبیح یعنی اللہ کی عبادت کرنا، ایمان کو پہلے اس لیے رکھا کہ بغیر ایمان تعظیم کچھ مفید نہیں اور تعظیم حبیب کو عبادت پر مقدم اس لیے فرمایا کہ بغیر تعظیم کے عمر بھر کی عبادت بے کار ومردود ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (الاعراف)

پس جو اس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی اتباع کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی فلاح پانے والے ہیں

اس آیہ کریمہ میں بھی وہی ترتیبِ جمیل ہے۔ اول ان پر ایمان، دوم ان کی تعظیم اور سوم ان کے دین کی نصرت اور قرآن کریم کی اتباع، ثابت ہوا کہ ایک مومن پر ایمان لاتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتوقیر فرض ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس تعظیم میں فرق آ جائے تو سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾ (الحجرات)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے اونچی نہ کرو اور ان کی حضوری میں بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ بے شک وہ جو اپنی آواز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور پست کرتے ہیں وہ ہیں جن کا دل اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر وثواب ہے۔

اس آیہ کریمہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام اور اجلال واکرام تعلیم فرمایا گیا ہے کہ ادب واحترام کا پورا پورا لحاظ رکھیں ورنہ نیکیوں کے برباد ہونے کا اندیشہ ہے اور پھر جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر پورا پورا عمل کیا، اور خدمت اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی اور ان

کو عظیم الشان مژدے سنائے اور جنہوں نے ترک ادب کیا ان کو بے عقل بتایا چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۴ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵ (الحجرات)

بیشک وہ جو (اے حبیب) تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت وفد بنی تمیم کے حق میں نازل ہوئی جب کہ وہ دوپہر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ اس وقت آرام فرما رہے تھے، انہوں نے آپ کا نام لے کر پکارنا شروع کیا، آپ باہر تشریف لائے۔ اس پر فرمایا گیا کہ اس طرح آپ کو پکارنا ادب کے خلاف اور جہالت و بے عقلی ہے بلکہ بہتر یہ تھا کہ یہ لوگ اتنا صبر کرتے کہ آپ ان کے پاس خود تشریف لاتے۔ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۰۴ (البقرہ)

اے ایمان والو (ہمارے حبیب کو) راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور سن لو! کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابہ کو کچھ تعلیم و تلقین فرماتے تو وہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کرتے رَاعِنَا یا رَسُوْلَ اللّٰهِ یعنی حضور ہمارے حال کی رعایت فرمایئے اور کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقع دیجئے۔ یہی لفظ ''رَاعِنَا'' یہود کی زبان میں گستاخی و بے ادبی کا لفظ تھا۔ انہوں نے یہی لفظ گستاخی و بے ادبی کی نیت سے بولنا شروع کر دیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ اے ایمان والو ایسا کلمہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مت کہو جس سے کسی دشمن کو گستاخی و بدگوئی کا موقع مل جائے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ان کی

جناب میں کلمات ادب عرض کرنا فرض ہے اور جس کلمہ میں ترک ادب کا شائبہ بھی ہو وہ زبان پر لانا ممنوع ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(عزت بخاری)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ذاتی نام سے خطاب کیا مثلاً **یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ...... یٰنُوْحُ اهْبِطْ...... یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا...... یٰمُوْسٰۤى اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ...... یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ...... یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ** مگر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہیں ذاتی نام سے خطاب نہیں کیا بلکہ نہایت پیارے انداز میں فرمایا: **یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ** اور کہیں **یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ** اور **طٰهٰ** کہیں **یٰسٓ** کہہ کر خطاب فرمایا۔ اسی طرح پہلی امتیں بھی اپنے نبیوں کو ان کے ذاتی نام سے خطاب کیا کرتی تھیں مثلاً **یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ** (اعراف:138) **اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ** (المائدہ:112) مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کو حکم دیا **لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا** (نور:63) کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔ یعنی جب آپ کو پکارا جائے تو عام لوگوں کی طرح ذاتی نام سے یا محمد یا احمد کہہ کر نہ پکارا جائے بلکہ ادب وتکریم اور توقیر وتعظیم کے ساتھ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیک وسلم) کہہ کر پکارا جائے ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب — بے ادب محروم ماند از لطف رب

صلح حدیبیہ کے بعد جب عروہ بن مسعود ثقفی اپنی قوم میں واپس آئے تو آکر کہا اے قوم:

وَاللّٰہِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَ وَفَدْتُ عَلٰى قَیْصَرَ وَ كِسْرٰى وَالنَّجَاشِیِّ وَاللّٰہِ اِنْ

خدا کی قسم! مجھے بادشاہوں کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے قیصرو

رَاَیْتُ مَلِکًا قَطُّ تَعَظَّمَہٗ اَصْحَابُہٗ مَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا وَاللهِ اَنْ یَّتَنَخَّمَ نَخَامَۃً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَدَلَّكَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ وَاِذَا اَمَرَھُمْ ابْتَدَرُوْا اَمْرَہٗ وَاِذَا تَوَضَّاءَ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ وَاِذَا تَکَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَہٗ وَمَا یَحِدُّوْنَ النَّظْرَ اِلَیْہِ تَعْظِیْمًا لَّہٗ وَاِنَّہٗ قَدْ عَرَضَ عَلَیْکُمْ خُطَّۃَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوْھَا

(زرقانی علی المواہب، ج ۲، ص ۱۹۲، بخاری: ۲۷۳۱)

کسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے ہرگز کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم اصحاب محمد، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کرتے ہیں۔ واللہ! وہ رینٹ یا تھوک یا بلغم نہیں پھینکتے مگر وہ ان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہوتی ہے اور وہ اس کو اپنے منہ اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو وہ تعمیل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی پر وہ اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں لڑ مریں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور ان کی تعظیم وتوقیر کی وجہ سے کوئی ان کی طرف تیز نگاہی سے نہیں دیکھ سکتا۔ انہوں نے تم پر رشد و ہدایت کا کام پیش کیا ہے تو تم اس کو قبول کرلو۔

اس ایک روایت سے ہی اندازہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس قدر تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔

امام اجل حضرت امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ حُرْمَةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَوْتِہٖ وَ تَوْقِیْرِہٖ وَ تَعْظِیْمِہٖ لَازِمٌ کَمَا کَانَ حَالُ حَیَاتِہٖ وَ ذٰلِکَ عِنْدَ ذِکْرِہٖ وَ ذِکْرِ حَدِیْثِہٖ وَ سُنَّتِہٖ وَ سِمَاعِ اسْمِہٖ وَسِیْرَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(شفا شریف، ج ۲، ص ۳۲)

جان لو! بے شک نبی کریم ﷺ کی عزت وحرمت اور آپ کی تعظیم وتوقیر آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح ضروری و لازم ہے جس طرح آپ کی ظاہری حیات میں ضروری ولازم تھی، اس کا اظہار خصوصاً آپ کے ذکر مبارک اور آپ کی حدیث شریف کی تلاوت اور آپ کی سنت اور آپ کے نام مبارک اور آپ کی سیرت طیبہ کے سننے کے وقت ہونا چاہیے۔

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر عین ایمان بلکہ روح ایمان ہے اور اس پرفتن دور میں جب کہ لوگوں کے دلوں سے حضور سید عالم ﷺ کی محبت وعظمت نکلتی جارہی ہے نہایت ضروری ولازم ہے کہ مسلمانوں کے قلوب میں آپ کی سچی محبت وعقیدت اور عزت و عظمت اجاگر کی جائے۔

آپ کا ذکر عبادت ہے

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

ذِکْرُ الْاَنْبِیَآءِ مِنَ الْعِبَادَۃِ وَ ذِکْرُ الصَّالِحِیْنَ کَفَّارَۃٌ (فتح الکبیر، ج ۲، ص ۲۰، کنز العمال: ۴۳۴۳۸)

ذکر انبیاء عبادت ہے اور ذکر صالحین کفارہ (سیئات) ہے۔

جب انبیاء واولیاء کا ذکر عبادت اور گناہوں کا کفارہ ہے تو حضور سید الانبیاء والمرسلین حبیب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور کس قدر باعث رحمت و برکت اور کفارہ سیئات ہوگا۔ بلاشبہ آپ کا ذکر مبارک سرمایہ ایمان اور تسکین دل وجان ہے۔

اسی مبارک مقصد کے پیش نظر اس گنہ گار، سیہ کار، سگ درگاہ مصطفیٰ ﷺ نے اس

کتاب کی تالیف کی ہے۔ اگرچہ مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس واعتراف ہے۔ بھلا کہاں مجھ سا گنہ گار انسان اور کہاں سردار انبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وشان کا بیان، مگر دور حاضر کے بعض بے ادب اور گستاخ افراد (جو توحید و اسلام کی آڑ لے کر مسلمانوں کے دلوں سے انبیاء واولیاء کی عظمت کو دور کر رہے ہیں) کے ناپاک ارادوں اور خطرناک سازشوں سے باخبر ہو کر میرے دل میں درد واحساس پیدا ہوا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر رکھتے ہوئے کمر ہمت باندھی اور یہ چند ورق آپ کے پیش نظر ہیں۔

مجھے اللہ کے فضل وکرم سے امید کامل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ذکر جمیل سے انشاء اللہ مومنوں کے دل نور ایمان وعرفان سے جگمگا اٹھیں گے اور انہیں اطمینان وسرور حاصل ہو گا۔ اور منکرین عظمت وشان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی گمراہ کن تقریر یا تحریر ان پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ بہ طفیل اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری اس سعی کو قبول فرما کر مسلمانوں کے لیے مفید ونافع اور میرے لیے کفارہ سیئات بنائے اور قیامت کے دن اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثناخوانوں میں میرا حشر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ شریف، سرانور سے لے کر پائے اقدس تک ہر عضو مبارک کے خصائص، شمائل، فضائل اور معجزات وبرکات کا بیان ہے۔ اس مناسبت سے اس کتاب کا نام مبارک ''الذکر الجمیل فی حلیۃ الحبیب الخلیل'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھتا ہوں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

ناچیز

محمد شفیع الخطیب عفا اللہ عنہ (اوکاڑوی)

ا۔ توجہ فرمائیں: قارئین کی سہولت کے لیے عربی عبارات پر اعراب لگا دیئے گئے ہیں، اعراب لگانے میں ہم سے یا کمپوزر سے کوئی غلطی وکوتاہی ہو گئی ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں، علاوہ ازیں کوشش کی گئی ہے کہ آیات قرآنی، احادیث شریفہ اور عبارات کے تمام حوالے صحیح درج کیے جائیں۔ جدید طباعت میں کمپیوٹر کی سہولت سے احادیث کے نمبر درج کئے گئے ہیں۔ کوئی نمبر غلط درج ہو گیا ہو، یا کہیں کوئی حوالہ رہ گیا ہو تو قارئین نشان دہی فرما دیں۔ ان شاء اللہ اس کے اندراج اور تصحیح کا آئندہ طباعت میں اہتمام کر دیا جائے گا۔ (مرتّب)



حیات النبی

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

(اعلیٰ حضرت بریلوی)



حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا اقدس کے حالات وکمالات وخصائص ومعجزات کے پڑھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص ہمارے نبی کریم، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقی وجسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور افعال مبارکہ بجالاتے ہیں، جیسا کہ آئندہ سطور میں بفضلہٖ تعالیٰ بیان ہورہا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے حبیب!) مگر رحمت واسطے تمام جہانوں کے۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیہ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

وَكَوْنُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحْمَةً لِّلْجَمِيْعِ بِاعْتِبَارِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاسِطَةُ الْفَيْضِ الْاِلٰهِيِّ عَلَى الْمُمْكِنَاتِ عَلٰى حَسَبِ الْقَوَابِلِ وَلِذَا كَانَ نُوْرُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَ الْمَخْلُوْقَاتِ فَفِى الْخَبَرِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ وَ جَآءَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى اَللّٰهُ الْمُعْطِيْ وَاَنَا الْقَاسِمُ

(روح المعانی، پ۱۷، ص۹۷)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام عالموں کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق فیض الٰہی کا واسطہ ہیں اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اول المخلوقات ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے "اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ معطی (عطا کرنے والا) ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

یہی صاحب روح المعانی آگے چل کر فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْ اَخْتَارُهٗ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بُعِثَ رَحْمَةً لِّكُلِّ فَرْدٍ مِّنَ

اور میرے نزدیک مسلک مختار یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمین کے ہر ہر فرد کے

الْعٰلَمِیْنَ مَلٰٓئِکَتِھِمْ وَاِنْسِھِمْ وَجِنِّھِمْ وَلَا فَرْقَ بَیْنَ الْمُؤْمِنِ وَالْکَافِرِ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ فِیْ ذٰلِکَ وَالرَّحْمَۃُ مُتَفَاوِتَۃٌ (روح المعانی، پ ۱۷، ص ۹۷)	لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔فرشتوں، انسانوں اور جنات سب کے لیے رحمت ہیں اور اس امر میں جن وانس کے مومن و کافر کے مابین کوئی فرق نہیں اور رحمت ہر ایک کے حق میں الگ الگ اور متفاوت نوعیت رکھتی ہے۔

مخالفین کے سردار محمد قاسم صاحب نانوتوی لکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لیے ہیں (آب حیات، ص ۱۷۶) آیت **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ** اور اس کی تفسیری عبارات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالمین کے ہر ہر فرد کے لیے رحمت اور تمام عالم ممکنات کے لیے ہر قسم کے فیوض و برکات کا ذریعہ و وسیلہ ہیں یعنی جس طرح جڑ پورے درخت کی تمام شاخوں کی تازگی و شگفتگی کا باعث ہوتی ہے اسی طرح آپ تمام عالمین کے لیے ہر قسم کے فیوض کا باعث ہیں۔کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے مردہ ہو جائے اور شاخیں زندہ اور سرسبز وشاداب رہیں؟ جب یہ نہیں ہوسکتا تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جن کی ذات مقدسہ تمام جہان کے لیے رحمت اور اصل الاصول ہو وہ مردہ ہو جائیں اور جہان زندہ رہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زندہ ہیں اور تمام جہان کی زندگی کا واسطہ و وسیلہ ہیں ۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہوں
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

(اعلیٰ حضرت بریلوی)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	جو اللہ کی راہ میں شہید ہوجاتے ہیں ان کو

اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ (البقرہ)

مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۙ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

(آل عمران)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کے متعلق ہرگز یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں شاد ہوتے ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور خوش ہو رہے ہے بہ سبب ان لوگوں کے جو ابھی تک ان سے نہیں آملے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ان دونوں آیتوں سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ شہدا زندہ ہیں نہ ان کو زبان سے مردہ کہنا چاہیے اور نہ دل میں ان کو مردہ گمان کرنا چاہیے۔ ان کی زندگی کی کیفیت و حقیقت ہم اپنے حواس و عقل سے نہیں سمجھ سکتے۔ لہٰذا ہمیں کلام الٰہی پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ زندہ ہیں کھاتے پیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اگر ہم ان کی حیات کا انکار کریں یا تاویلیں کریں گے تو یہ ہماری جہالت و حماقت اور کلام الٰہی پر ایمان و یقین نہ ہونے کی کھلی دلیل ہو گی کیونکہ حیات کا صحیح اور حقیقی مفہوم وہ نہیں ہو گا جو ہماری ناقص عقل اور محدود شعور نے سمجھا ہے۔ بلکہ وہ ہو گا جو خالق حیات نے اپنے صاف و صریح اعلان کے ذریعہ قرار دیا ہے۔ جب شہداء کی زندگی قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے تو انبیاء کرام اور صدیقین امت کی زندگی میں کیونکر شبہ کیا جا سکتا ہے جو بالاتفاق درجہ و مرتبہ میں شہداء سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ چنانچہ

ان آیات کے تحت غزالیٔ دوراں، علامۃ العصر، حضرت مولانا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

''بظاہر یہ آیات کریمہ شہداء (غیر انبیاء) کی حیات پر دلالت کرتی ہیں لیکن در حقیقت انبیاء علیہم السلام بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں شامل ہیں اس لیے کہ دلائل و واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام شہید ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں شہادت کا درجہ پایا اور مَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ کے عموم میں بلاشبہ آپ داخل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ''یُّقۡتَلُ''، قتل سے ماخوذ ہے اور قتل کے معنی ہیں ''اماتت'' یعنی مار ڈالنا۔ قتل اور اماتت کے معنیٰ میں ایک باریک فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے، امام راغب اصفہانی قتل کے معنی بیان کرتے ہوئے فرق کو ظاہر فرماتے ہیں۔ مفردات راغب میں ہے (قتل) اَصۡلُ الۡقَتۡلِ اِزَالَةُ الرُّوۡحِ عَنِ الۡجَسَدِ كَالۡمَوۡتِ لٰكِنۡ اِذَا اعۡتُبِرَ بِفِعۡلِ الۡمُتَوَلِّىۡ لِذٰلِكَ يُقَالُ قَتۡلٌ وَّ اِذَا اعۡتُبِرَبِفَوۡتِ الۡحَيَاتِ يُقَالُ مَوۡتٌ۔ (ج۱،ص۶۵۵)

ترجمہ: (قتل) قتل کے اصلی معنیٰ جسم سے روح کو زائل کرنے کے ہیں جیسے موت۔ لیکن جب متولی اور متصرف ازالہ کے فعل کا اعتبار کیا جائے تو قتل کہا جائے گا اور جب فوت حیات کا اعتبار کیا جائے تو موت کہا جائے گا۔

قتل میں چونکہ فاعل کا فعل معتبر ہوتا ہے اور فعل کا اختیار عبد کے لیے بھی حاصل ہے اس لیے قتل کی اسناد عبد کی طرف صحیح ہے اور عبد کو قاتل کہا سکتا ہے۔ بخلاف اماتت کے کہ اس میں فعل مذکور معتبر نہیں بلکہ فوت حیات کا اعتبار ہے اور عبد کا اختیار فعل سے متجاوز ہو کر فوت حیات تک نہیں پہنچتا۔ بندہ صرف اتنا کر سکتا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی فعل واقع کر دے۔ مثلاً کسی کو تلوار مار دے یا زہر کھلا دے یا کسی کے بدن کے ٹکڑے کر دے مگر اس کے بدن سے حیات کو زائل کرنا بندے کے اختیار میں نہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے منسلک ہے۔ اس لیے بندۂ قاتل ہو سکتا ہے ممیت نہیں ہو سکتا۔ حیات کا فوت ہونا قدرت خداوندی سے ہی متعلق ہے۔

اس لیے اماتت کی اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے۔ ازالہ حیات صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ممیت اس کے سوا کوئی نہیں‘‘۔

ہمارے اس بیان سے ناظرین کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو گیا ہو گا اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا **مَنۡ یُّقۡتَلُ** کے عموم میں داخل ہونا **وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** کے منافی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ان کی جان پاک کو لوگوں سے بچانے کا وعدہ فرما چکا تو اب انہیں کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے اور بغیر قتل ہوئے **مَنۡ یُّقۡتَلُ** میں آپ کا شامل ہونا ممکن نہیں۔

اس کے حل کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ قتل میں فعل خاص کا اعتبار ہوتا ہے اور اماتت میں فوت حیات کا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدۂ الٰہیہ کے الفاظ ہیں **وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** اس میں نہ قتل کا لفظ ہے نہ موت کا۔ اس وعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے مار ڈالنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا۔ یعنی آپ کی ذات پاک کے لیے کوئی ایسا فعل نہ کر سکے گا جس سے عادۃً علی الفور آپ کی موت واقع ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور کسی شخص نے آپ کو مار ڈالنے کی قدرت نہ پائی۔

رہا یہ امر کہ **مَنۡ یُّقۡتَلُ** کے عموم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیسے داخل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل سے مراد وہ فعل ہے جو فوت حیات کا موجب ہو جائے۔ فعل قتل کا فوت حیات کے لیے موجب ہونا دو طریقے سے ہوتا ہے۔ ایک عادۃً دوسرے خارقاً للعادۃ، عادۃً فعل قتل سے علی الفور ازالہ حیات ہو جاتا ہے اور خارق عادت کے طور پر علی الفور ازالہ حیات نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت طویلہ کے بعد ہی اس کا موجب موت ہونا ظاہر ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہلی قسم کے قتل سے بچا کر اپنے وعدہ کو پورا فرما دیا اور دوسری قسم کا فعل قتل آپ کے لیے بر بناء حکمت متحقق کر دیا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **مَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ** کے عموم میں داخل ہو کر شہادت کا مرتبہ پائیں اور کسی بے دین کے لیے آپ کو مردہ کہہ کر حیات نبوت کے انکار کی مجال باقی نہ رہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل امام بخاری اور امام بیہقی کی وہ حدیث ہے جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی

مشہور کتاب ''انباء الاذکیا بحیاۃ الانبیاء'' میں نقل فرمائی ہے۔

وَاَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ وَالْبَیْہَقِیُّ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ لَمْ اَزَلْ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَکَلْتُ بِخَیْبَرَ فَھٰذَا اَوَانٌ اِنْقَطَعَ اَبْھَرِیْ مِنْ ذٰلِکَ السَّمِّ (انباء الاذکیا، ص ۱۴۹، بخاری: ۴۴۲۸)

امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہر آلود لقمہ کھایا تھا میں اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا ہوں۔ پس اب وہ وقت آ پہنچا کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جاں منقطع ہوگئی۔

نیز امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاتَ شَہِیْدًا لِاَکْلِہٖ یَوْمَ خَیْبَرَ مِنْ شَاۃٍ مَّسْمُوْمَۃٍ سَمًّا قَاتِلًا مِنْ سَاعَۃٍ حَتّٰی مَاتَ مِنْہُ بِشْرٌ بِکَسْرِ الْمُوَحَّدَۃِ وَ سُکُوْنِ الْمُعْجَمَۃِ ابْنُ الْبَرَآءِ بْنِ مَعْرُوْرٍ وَ صَارَ بَقَاؤُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُعْجِزَۃً فَکَانَ بِہٖ اَلَمُ السَّمِّ یَتَعَاھَدُہٗ اَحْیَانًا اِلٰی اَنْ مَاتَ بِہٖ (زرقانی، ج۸، ص ۳۱۳)

اور بے شک یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن ایسی زہر ملائی ہوئی بکری کے گوشت کا ایک لقمہ تناول فرمایا جس کا زہر ایسا قاتل تھا کہ اس کے کھانے سے اس وقت علی الفور موت واقع ہو جائے یہاں تک کہ اس زہر کے اثر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی بشر بن براء بن معرور اسی وقت فوت ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باقی رہنا معجزہ ہو گیا اور وہ زہر آپ کو اکثر تکلیف دیتا رہتا تھا یہاں تک کہ اسی کے اثر سے آپ کی موت واقع ہوئی۔

بخاری، بیہقی، سیوطی اور زرقانی کی ان پیش کردہ روایات سے ہمارا دعویٰ بخوبی ثابت ہو گیا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے زہر دیا گیا اور اسی زہر سے آپ کی موت واقع ہوئی۔ اگرچہ زہر دینے اور موت واقع ہونے میں تین سال کا وقفہ تھا لیکن وفات شریف اسی زہر دینے کے فعل سے واقع ہوئی اور تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باقی رہنا زہر دینے اور اس فعل قتل کی کمزوری کی بنا پر نہ تھا، بلکہ خرق عادت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے کے طور پر تھا جیسا کہ ہم عبارات منقولہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی ''انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء'' میں فرماتے ہیں:

وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَ اَبُوْيَعْلٰى وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ فِى الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِىْ دَلَآئِلِ النُّبُوَّةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَاَنْ اَحْلِفَ تِسْعًا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ قَتْلًا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ وَاحِدَةً اَنَّهٗ لَمْ يُقْتَلْ وَذٰلِكَ اَنَّ اللهَ تَعَالٰى اتَّخَذَهٗ نَبِيًّا وَّاتَّخَذَهٗ شَهِيْدًا

''احمد (۳۶۱۷)، ابو یعلی، طبرانی (۱۰۱۱۹) اور مستدرک (۴۳۹۴) میں حاکم نے اور دلائل النبوۃ میں بیہقی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نو مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کیے گئے ہیں یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک مرتبہ قسم کھا کر یہ کہوں کہ آپ قتل نہیں کیے گئے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی''۔ (انباء الاذکیا، ص ۱۴۸)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ کے عموم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مُنعم عَلَيْهِمْ کے چار گروہ قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین اور ہر نعمت کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ

ہے جیسا کہ سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا۔ نبوت، صدیقیت اور صالحیت کے اوصاف کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں پایا جانا تو سب کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے اب اگر وصف شہادت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے (ہمارے بیان کردہ دلائل کی روشنی میں) تسلیم نہ کیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کمال شہادت سے محروم رہے گی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے اور تمام کمالات وانعامات الٰہیہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل ہونے کے منافی اور معارض ہے جو باطل محض اور دلائل کی روشنی میں مردود ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبوت وصدیقیت اور صالحیت کی طرح وصف شہادت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ میں بلاشبہ پایا جاتا ہے۔ وَھُوَ الْمُرَادُ۔ (السعید، حیات النبی نمبر، ص ۱۲)

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بَلْ حَیَاۃُ الْاَنْبِیَآءِ اَقْوٰی مِنْھُمْ وَاَشَدُّ ظُھُوْرًا اٰثَارُھَا فِی الْخَارِجِ حَتّٰی لَا یَجُوْزُ النِّکَاحُ بِاَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِہٖ بِخِلَافِ الشُّھَدَآءِ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ اَیْضًا اَعْلٰی دَرَجَۃً مِّنَ الشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحُوْنَ یَعْنِی الْاَوْلِیَآءَ مُلْحَقُوْنَ بِھِمْ کَمَا یَدُلُّ عَلَیْہِ التَّرْتِیْبُ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ

(تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۱۵۲)

بلکہ حیات انبیاء حیات شہداء سے بہت زیادہ قوی اور ظہور میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہیں۔ بخلاف شہداء کے کہ ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے اور ویسے ہی صدیقین بھی حیات میں شہداء سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور صالحین یعنی اولیاء کرام شہداء سے کم ہیں لیکن ان کے ساتھ ملحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی ترتیب اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرمایا: مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَالْاَنْبِيَآءُ اَوْلٰى بِذٰلِكَ فَهُمْ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ وَمَا نَبِيٌّ اِلَّا وَقَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّةِ وَصْفَ الشَّهَادَةِ فَيَدْخُلُوْنَ فِيْ عُمُوْمِ لَفْظِ الْاٰيَةِ

(الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۳۳۰)

اور انبیائے کرام حیات میں شہداء سے اولیٰ اجل اور اعظم ہیں اور بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی میں نبوت وشہادت دونوں وصفوں کو جمع فرمایا تو انبیاء کرام بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ میں حدیث صعقہ کے بیان میں اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں:

اَلْمَوْتُ لَيْسَ بِعَدَمٍ مَحْضٍ وَاِنَّمَا هُوَ اِنْتِقَالٌ مِّنْ حَالٍ اِلٰى حَالٍ وَّ يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ اَنَّ الشُّهَدَآءَ بَعْدَ قَتْلِهِمْ وَ مَوْتِهِمْ اَحْيَاءٌ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ مُسْتَبْشِرِيْنَ وَ هٰذَا صِفَةُ الْاَحْيَآءِ فِي الدُّنْيَا وَاِذَا كَانَ هٰذَا فِي الشُّهَدَآءِ فَالْاَنْبِيَآءُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ وَ اَوْلٰى وَ قَدْ صَحَّ اَنَّ الْاَرْضَ لَا تَاْكُلُ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْتَمَعَ بِالْاَنْبِيَآءِ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ فِيْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَفِي السَّمَآءِ وَ رَاٰى مُوْسٰى قَائِمًا يُّصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ وَاَخْبَرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّهٗ يَرُدُّ السَّلَامَ عَلٰى كُلِّ مَنْ يُّسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يُحْصَلُ مِنْ جُمْلَةِ الْقَطْعِ بِاَنَّ مَوْتَ الْاَنْبِيَآءِ اِنَّمَا هُوَ رَاجِعٌ اِلٰى اَنْ غُيِّبُوْا عَنَّا بِحَيْثُ لَا نُدْرِكُهُمْ وَاِنْ كَانُوْا مَوْجُوْدِيْنَ

کہ موت محض نابود ہو جانے کا نام نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کا نام ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بے شک شہداء اپنے قتل ہونے اور اپنی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور شاد ومسرور ہوتے ہیں اور یہی دنیا میں زندوں کی صفت ہے تو جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام زندہ ہونے میں ان سے بہت زیادہ افضل و اولیٰ ہیں اور بے شک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ زمین انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کو نہیں کھاتی اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کی رات بیت المقدس اور آسمانوں میں تمام انبیاء کرام کے ساتھ جمع ہوئے ہیں اور آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے اور

اَحۡيَآءٌ وَ ذٰلِكَ كَالۡحَالِ فِى الۡمَلَآئِكَةِ فَاِنَّهُمۡ مَوۡجُوۡدُوۡنَ اَحۡيَآءٌ وَّلَا يَرَاهُمۡ اَحَدٌ مِّنۡ نَّوۡعِنَا اِلَّا مَنۡ خَصَّهُ اللّٰهُ بِكَرَامَتِهٖ مِنۡ اَوۡلِيَآئِهٖ

(الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۳۳۰۔ التذکرہ باحوال الموتی وامورالاخرۃ: ج ا،ص ۴۵۹)

آپ نے فرمایا ہے کہ آپ ہر اس شخص کو سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ پر سلام بھیجے اور اسی طرح وہ تمام امور جو موت سے منقطع ہو جاتے ہیں وہ انبیاء کو حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ان کی موت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ ہم سے پردہ فرما جاتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہوتے ہیں اور ان کا حال فرشتوں کا سا ہو جاتا ہے کہ فرشتے زندہ موجود ہوتے ہیں مگر ان کو کوئی نہیں دیکھتا سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے خاص فرمائے اپنے ولیوں میں سے۔

علامہ امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ مِنۡهَا اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِىۡ قَبۡرِهٖ يُصَلِّىۡ فِيۡهِ بِاَذَانٍ وَّ اِقَامَةٍ وَّ كَذٰلِكَ الۡاَنۡبِيَآءُ وَلِهٰذَا قِيۡلَ لَاعِدَّةَ عَلٰى اَزۡوَاجِهٖ وَقَدۡ ثَبَتَ اَنَّ الۡاَنۡبِيَآءَ يَحُجُّوۡنَ وَ يُلَبُّوۡنَ فَاِنۡ قُلۡتَ كَيۡفَ يُصَلُّوۡنَ وَ يَحُجُّوۡنَ وَيُلَبُّوۡنَ وَهُمۡ اَمۡوَاتٌ فِى الدَّارِ الۡاٰخِرَةِ وَلَيۡسَتۡ دَارَ عَمَلٍ فَالۡجَوَابُ اَنَّهُمۡ كَالشُّهَدَآءِ بَلۡ اَفۡضَلُ مِنۡهُمۡ وَالشُّهَدَآءُ

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور یہی حال تمام انبیاء کرام کا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ ان کی ازواج پر عدت نہیں (کیونکہ وہ زندہ ہیں) اور بے شک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء کرام حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں۔

اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَلَا یَبْعُدُ اَنْ یَّحُجُّوْا وَ یُصَلُّوْا

(زرقانی علی المواہب، ج ۵، ص ۳۳۲)

پس اگر تو کہے کہ وہ کس طرح نماز پڑھتے، حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں حالانکہ وہ تو مردے ہیں اور دوسرے گھر میں ہیں اور وہ گھر دار عمل نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کا حال شہداء کی طرح بلکہ ان سے افضل ہے اور شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں تو اگر وہ حج کریں اور نماز پڑھیں تو کیا بعید ہے۔

علامہ امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ فِیْ حَیَاتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَ كَذَا سَائِرِ الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ حَیَاةٌ اَكْمَلِ مِّنْ حَیَاةِ الشُّهَدَآءِ الَّتِیْ اَخْبَرَاللّٰهُ تَعَالٰی بِهَا فِیْ كِتَابِهِ الْعَزِیْزِ وَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الشُّهَدَآءِ وَ اَعْمَالُ الشُّهَدَآءِ فِیْ مِیْزَانِهٖ وَقَدْ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِلْمِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ

(وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۱۳۵۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی وفات کے بعد بلا شک و شبہ حیات ہیں اور ایسے ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس حیات کے ساتھ جو شہداء کی حیات سے اکمل ہے جس کی خبر اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب عزیز میں دی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام شہداء کے سردار ہیں اور تمام شہداء کے اعمال آپ کی میزان میں ہیں اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے۔

شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و حیات انبیاء کامل تر از حیات شہداء است (مدارج النبوت)

اور حیات انبیائے کرام حیات شہداء سے کامل تر ہے۔

احادیث مبارکہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَآءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (بزار:۶۳۹۱)

کہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (فتح الباری، ص۴۸۷، ج۶)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَآئِكَةُ وَاِنْ اَحَدٌ لَّنْ يُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلَاتُهٗ حَتّٰى يَفْرَغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ وَ بَعْدَ الْمَوْتِ اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ فَنَبِیُّ اللهِ حَیٌّ يُّرْزَقُ (ابن ماجہ:۱۰۸۵)

کہ جمعہ کے دن مجھ پر بہت زیادہ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو۔ حضرت ابودرداء فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اور موت کے بعد؟ فرمایا اور موت کے بعد بھی پیش ہوگا کیونکہ اللہ نے زمین پر اجساد انبیاء کا کھانا حرام کردیا ہے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَ مَنْ

جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود

صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا بُلِغْتُہٗ
(شعب الایمان بیہقی:۱۴۸۱، ترغیب اصبہانی: ۱۶۶۶)

پڑھا میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور ہونے کی حالت میں مجھ پر درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِائَۃً فِی الْجُمُعَۃِ وَلَیْلَۃِ الْجُمُعَۃِ قَضَی اللّٰہُ لَہٗ مِائَۃَ حَاجَۃٍ سَبْعِیْنَ مِنْ حَوَآئِجِ الْاٰخِرَۃِ وَ ثَلَاثِیْنَ مِنْ حَوَآئِجِ الدُّنْیَا ثُمَّ وَکَّلَ اللّٰہُ بِذَالِکَ مَلَکًا یُّدْخِلُہٗ فِیْ قَبْرِیْ کَمَا یُدْخَلُ عَلَیْکُمُ الْھَدَایَا اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِی الْحَیَاۃِ وَلَفْظُ الْبَیْھَقِیِّ یُخْبِرُنِیْ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بِاسْمِہٖ وَنَسَبِہٖ فَاُثْبِتُہٗ فِیْ صَحِیْفَۃٍ بَیْضَآءَ
(حیاۃ الانبیاء، بیہقی شعب الایمان: ۳۷۷۳، ترغیب اصبہانی: ۹۵۶)

جس نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر آخرت کی حاجتوں میں سے اور تیس دنیا کی حاجتوں میں سے۔ پھر اس درود پر اللہ ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو میری قبر میں مجھ پر اسی طرح پیش کرتا ہے جس طرح تم پر ہدیے پیش کیے جاتے ہیں بے شک میرا علم میری وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے اور بیہقی کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ فرشتہ درود پڑھنے والے کا نام اور اس کا نسب مجھے بتاتا ہے تو میں اسے ایک چمکتے ہوئے صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ لَیَالِیَ الْحَرَّۃِ وَمَا فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیْرِیْ وَمَا یَاْتِیْ وَقْتُ الصَّلٰوۃِ اِلَّا وَسَمِعْتُ

البتہ تحقیق جنگ حرہ کے زمانہ میں میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔

اَلْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ (دلائل النبوت ابونعیم:۵۱۰)

ان ایام میں کسی نماز کا وقت نہ آتا تھا مگر قبر انور سے میں اذان کی آواز سنتا تھا۔

حضرت سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجد شریف میں نہ اذان ہوتی اور نہ اقامت۔

وَلَمْ یَبْرَحْ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ الْمَسْجِدَ وَ كَانَ لَا یَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوۃِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ یَّسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (مشکوٰۃ شریف:۵۹۵۱)

اور سعید بن مسیب (رضی اللہ عنہ) مسجد سے نہ نکلے اور وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے، مگر ایک آواز سے جس کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر انور سے سنتے تھے۔

ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں:

وَلَا یَاْتِیْ وَقْتُ صَلٰوۃٍ اِلَّا سَمِعْتُ اَذَانًا مِّنَ الْقَبْرِ ثُمَّ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَتَقَدَّمْتُ فَصَلَّیْتُ وَمَا فِی الْمَسْجِدِ اَحَدٌ غَیْرِیْ (وفاء الوفاء، ج۱ص۹۴)

کسی نماز کا وقت نہیں آتا تھا مگر میں (حضور کی) قبر انور سے اذان کی آواز سنتا پھر جماعت کھڑی ہو جاتی تو میں آگے بڑھتا (اور اسی نماز کے ساتھ) نماز پڑھتا اور میرے سوا مسجد میں اور کوئی نہیں تھا۔

علامہ امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَفِی الْفَتَاوٰی الرَّمَلِیَّةِ الْاَنْبِیَآءُ وَ الشُّهَدَآءُ وَالْعُلَمَآءُ لَا یَبْلُوْنَ وَالْاَنْبِیَآءُ وَالشُّهَدَآءُ یَاْكُلُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَیَشْرَبُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ وَیَصُوْمُوْنَ وَیَحُجُّوْنَ (زرقانی علی المواہب، ج۵ص۳۳۴)

فتاویٰ رملیہ میں ہے کہ انبیاء اور شہداء اور علماء نہیں بوسیدہ ہوتے اور انبیاء اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے پیتے اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔

علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں کہ

اَنَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ فِیْ قَبْرِہٖ کَسَآئِرِ الْاَنْبِیَآءِ فِیْ قُبُوْرِھِمْ وَھُمْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَاِنَّ لِاَرْوَاحِھِمْ تَعَلُّقًا بِالْعَالَمِ الْعُلْوِیِّ وَالسِّفْلِیِّ کَمَا کَانُوْا فِی الْحَالِ الدُّنْیَوِیِّ فَھُوَ بِحَسْبِ الْقَلْبِ عَرْشِیُّوْنَ وَ بِاعْتِبَارِ الْقَالِبِ فَرْشِیُّوْنَ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِاَحْوَالِ اَرْبَابِ الْکَمَالِ

(شرح شفاء شریف، ج ۲، ص ۱۴۲)

بے شک وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ سارے انبیاء کرام اپنی قبروں میں اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور بے شک ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور عالم سفلی سے اسی طرح قائم رہتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا اور وہ اس معاملہ میں قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ارباب کمال کے احوال کو زیادہ جانتا ہے۔

یہی علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری تصنیف میں فرماتے ہیں

لَا نَقُوْلُ بِاَنَّ الرَّسُوْلَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُضِیْقٌ عَلَیْہِ فِیْ عَالَمِ الْبَرْزَخِ بِکَوْنِہٖ مَحْصُوْرًا فِیْ قَبْرِہٖ بَلْ نَقُوْلُ اَنَّہٗ یَجُوْلُ فِی الْعَالَمِ السِّفْلِیِّ وَالْعَالَمِ الْعُلْوِیِّ فَاِنَّ اَرْوَاحَ الشُّھَدَآءِ مَعَ اَنَّ مَرْتَبَتَھُمْ دُوْنَ مَرْتَبَۃِ الْاَنْبِیَآءِ اِذَا کَانَتْ فِیْ اَجْوَافِ طَیْرٍ خِضْرٍ تَسْرَحُ فِیْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ ثُمَّ تَعُوْدُ اِلٰی قَنَادِیْلَ مُعَلَّقَۃٍ تَحْتَ الْعَرْشِ کَمَا ھُوَ مُقَرَّرٌ وَفِیْ مَحَلِّہٖ مُحَرَّرٌ مَعَ اَنَّہٗ لَمْ یَقُلْ اَحَدٌ اَنَّ قُبُوْرَھُمْ خَالِیَۃٌ عَنْ اَجْسَادِھِمْ وَ اَرْوَاحِھِمْ غَیْرُ

ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم برزخ یعنی اپنی قبر میں مقید و محصور ہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ عالم سفلی اور عالم علوی میں سیر فرماتے ہیں کیونکہ شہداء کی ارواح جو مرتبہ میں انبیاء سے کم ہیں جب سبز پرندوں کے قالب میں جنت کے باغوں میں آزادی سے پھرتی ہیں پھر ان قنادیل تک سیر کے لیے جاتی ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں جیسا کہ یہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ ان کی قبریں ان کے اجساد

مُتَعَلِّقَةٍ بِاَجْسَامِهِمْ لِئَلَّا يَسْمَعُوْا سَلَامَ مَنْ يُّسَلِّمُ عَلَيْهِمْ وَ كَذَا وَرَدَ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ يُلَبُّوْنَ وَ يَحُجُّوْنَ فَنَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلٰى بِهٰذَا الْكَرَامَاتِ

(جمع الوسائل، ج۲،ص ۲۳۸)

سے خالی ہیں اوران کی ارواح کا ان کے اجسام سے تعلق نہیں اور جو سلام انہیں کیا جاتا ہے وہ نہیں سنتے ؟ تو ایسا ہی انبیاء کرام کے بارے میں آیا ہے کہ بے شک انبیاء کرام تلبیہ کہتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ان کرامات کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَا يَمُوْتُوْنَ وَاَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ وَ يَحُجُّوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَاَنَّهُمْ اَحْيَآءٌ

(فیوض الحرمین، ص ۲۸)

بے شک انبیاء کرام نہیں مرتے اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعْطِيْ لِاَرْوَاحِهِمْ قُوَّةَ الْاَجْسَادِ فَيَذْهَبُوْنَ مِنَ الْاَرْضِ وَ السَّمَآءِ وَالْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَآءُوْنَ وَ يَنْصُرُوْنَ اَوْلِيَآءَهُمْ وَ يُدَمِّرُوْنَ اَعْدَآءَهُمْ۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

(تفسیر مظہری، ج۱،ص ۱۵۲)

بے شک اللہ تعالیٰ انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا فرماتا ہے تو وہ زمین آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ اَنَّ حَيَاةَ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ثَابِتَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ مُسْتَمِرَّةٌ ثَابِتَةٌ

بلاشک وشبہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ حقیقی ویقینی ودوامی ہے

وَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُهُمْ بِالنُّصُوْصِ وَالْاِجْمَاعِ (وَاِذَا كَانَ كَذٰلِكَ يَنْبَغِيْ) يَجِبُ اَنْ تَكُوْنَ حَيَاتُهٗ اَكْمَلَ وَاَتَمَّ مِنْ سَآئِرِهِمْ اَيِ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

(زرقانی علی المواہب، ج ۸، ص ۳۰۹)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب سے افضل ہیں نصوص اور اجماع کے ساتھ تو لازم وضروری ہے کہ آپ کی حیات بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سے اکمل واتم ہو۔

استاذ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر البغدادی الفقیر الاصولی شیخ الشافعیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

قَالَ الْمُتَكَلِّمُوْنَ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا اَنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يَسُرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ وَيَحْزُنُ بِمَعَاصِي الْعُصَاةِ مِنْهُمْ وَاَنَّهٗ تَبْلُغُهٗ صَلَاةُ مَنْ يُّصَلِّيْ عَلَيْهِ مِنْ اُمَّتِهٖ

(الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۴۸۴)

ہمارے تمام متکلمین اور محققین علماء شافعیہ کا فرمان ہے کہ بے شک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور بے شک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود بھیجے اس کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدلل اور مبسوط بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَحَصَلَ مِنْ مَّجْمُوْعِ هٰذَا النُّقُوْلِ وَالْاَحَادِيْثِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ بِجَسَدِهٖ وَرُوْحِهٖ وَ اَنَّهٗ يَتَصَرَّفُ وَ يَسِيْرُ حَيْثُ شَاءَ فِي الْاَرْضِ وَفِي الْمَلَكُوْتِ وَهُوَ بِهَيْئَتِهِ الَّتِيْ كَانَ عَلَيْهَا قَبْلَ وَفَاتِهٖ لَمْ يَتَبَدَّلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَاَنَّهٗ فَغُيِّبَ مِنَ الْاَبْصَارِ كَمَا غُيِّبَتِ

ان تمام نقول اور احادیث کے مجموعہ کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور بلا شبہ آپ جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ اور زمین اور عالم ملکوت کے ہر گوشے میں تصرف فرماتے ہیں اور آپ بالکل اپنی اسی ہیئت پر ہیں جس پر

اَلْمَلَآئِکَۃُ مَعَ کَوْنِھِمْ اَحْیَآءً بِاَجْسَادِھِمْ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ رَفَعَ الْحِجَابَ عَمَّنْ اَرَادَ اِکْرَامَہٗ بِرُؤْیَتِہٖ رَاٰہُ عَلٰی ھَیْئَتِہِ الَّتِیْ ھُوَ عَلَیْھَا لَا مَانِعَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا دَاعِیَ اِلَی التَّخْصِیْصِ بِرُؤْیَۃِ الْمِثَالِ

(الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۴۸۶)

قبل از وفات تھے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور بے شک آپ ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جب اللہ تعالیٰ آپ کی رویت کے ساتھ کسی کو عزت و اکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور وہ آپ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جس پر آپ ہیں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اور رویت مثال کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وحیات انبیاء کرام متفق علیہ است ہیچ کس را در و خلافے نیست حیات جسمانی و دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی

اور انبیاء کرام کی حیات پر سب علماء کا اتفاق ہے کسی ایک کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے اور حیات جسمانی، دنیاوی اور حقیقی ہے نہ کہ روحانی اور معنوی۔

یہی شیخ محقق و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

و با چندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلاف نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل

اس اختلاف و کثرت مذاہب کے باوجود جو علماء امت میں ہے اس مسئلہ میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقی زندگی کے ساتھ بے شائبہ

دائم و باقیست و بر اعمال امت حاضر و ناظر است (مکاتیب شیخ بر حاشیہ اخبار الاخیار)

مجاز و تو ہم تاویل زندہ، دائم اور باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔

سید الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

مَنْ کَانَتْ حَیَاتُہٗ بِنَفْسِہٖ یَکُوْنُ مَمَاتُہٗ بِذَھَابِ رُوْحِہٖ وَمَنْ کَانَتْ حَیَاتُہٗ بِرَبِّہٖ فَاِنَّہٗ یَنْتَقِلُ مِنْ حَیَاتِ الطَّبْعِ اِلٰی حَیَاۃِ الْاَصْلِ وَ ھِیَ الْحَیَاۃُ الْحَقِیْقِیَّۃُ وَاِذَا کَانَ الْقَتِیْلُ بِسَیْفِ الشَّرِیْعَۃِ حَیًّا مَّرْزُوْقًا فَکَیْفَ مَنْ قُتِلَ بِسَیْفِ الصِّدْقِ وَالْحَقِیْقَۃِ (تفسیر روح البیان)

جو اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہو جاتا ہے اور جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہے وہ نہیں مرتا بلکہ وہ حیات طبعی سے حیات اصلی و حقیقی کی طرف انتقال کرتا ہے۔ جب شریعت کی تلوار سے قتل ہونے والا زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے تو جو صدق و حقیقت کی تلوار سے قتل ہوتا ہے وہ کتنی اعلیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہوگا۔

دانائے رموز حقیقت مولانائے روم علیہ رحمۃ القیوم فرماتے ہیں ؎

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ نبود جزا

جو کوئی ہماری ذات میں فنا ہو جائے اس کو کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ کی کلیت کے تحت ہلاکت کی سزا نہیں بھگتنی پڑتی۔

زانکہ در الاست او از لا گزشت ہر کہ در الاست او فانی نگشت

کیونکہ وہ الّا وجہ کے ساتھ مستثنیٰ ہے وہ لا یعنی ہالک سے گزر گیا جو کوئی الّا میں ہے وہ باقی باللہ فانی فی اللہ ہو گیا۔ (مثنوی شریف)

الحمد اللہ ہم اہلسنت کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ اور اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ پر ایمان رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس کے قبض ہونے کے قائل ہیں مگر آپ کی حیات کے منکر نہیں اس لیے کہ حیات کے معنی ہیں صِفَۃٌ مُّصَحِّحَۃٌ لِّلْعِلْمِ وَالْقُدْرَۃِ

وَالْاِرَادَةِ (شرح عقائد) ایسی صفت جو علم و قدرت سمع و بصر اور ارادہ کو صحیح قرار دے۔ یعنی جس کی وجہ سے علم و قدرت وغیرہ کا ہونا صحیح قرار پائے اس صفت کا نام حیات ہے اور نبی کریم ﷺ کی یہ صفت قبض روح کی وجہ سے زائل نہیں ہوئی کیونکہ روح کا بدن میں ہونا سبب حیات ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جو چیز سبب کے ساتھ ہوتی ہے وہ بغیر سبب کے کر دے اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ سبب ہو اور چیز یعنی مسبب نہ ہونے دے۔ دیکھیے بچہ کے معرض وجود میں آنے کا سبب مرد و عورت ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا اور عیسیٰ علیہم السلام کو بغیر اس سبب کے پیدا فرمایا اور ہزاروں مرد و عورت موجود ہیں مگر اولاد نہیں ہوتی یعنی سبب ہے مگر مسبب نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ روح جو حیات کا سبب ہے وہ نہ ہو اور حیات ہو اور اس پر بھی قادر ہے کہ روح ہو اور حیات نہ ہو۔ چنانچہ کفار کے جسموں میں روحیں ہیں اور حیات نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کو مردے، گونگے، بہرے اور اندھے وغیرہ فرمایا اور انبیاء و اولیاء کے جسموں سے روحیں قبض ہوئیں مگر حیات ہے اس لیے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ان کو زندہ فرمایا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے نیز ستون حنانہ کا رونا اور پتھروں کا کلمہ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے تو جو خدا لکڑی اور پتھر کے اندر بغیر روح کے حیات پیدا کرنے کی قوت رکھتا ہے کیا وہ انبیاء و اولیاء کے اندر نہیں کر سکتا؟

اور اگر بدن کے اندر روح کا ہونا ہی حیات مانا جائے تو پھر ''حی'' وہ ہوگا جس کے بدن میں روح ہوگی تو پھر خدا تعالیٰ کی حیات ہرگز نہیں ثابت ہو سکے گی کیونکہ خدا تعالیٰ بدن سے پاک ہے۔

یاد رکھیے! ایک ہے موت عادی اور ایک ہے موت حقیقی۔ اسی طرح ایک ہے حیات عادی اور ایک ہے حیات حقیقی۔ بدن سے روح قبض ہونا موت عادی ہے موت حقیقی نہیں۔ موت حقیقی عدم الحیات ہے اور بدن کے اندر روح کا ہونا حیات عادی ہے، حیات حقیقی نہیں۔ حیات حقیقی بدن میں اس صفت کا ہونا ہے جو علم و قدرت اور سمع و بصر کا سبب ہو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اندر بعد وفات بھی علم وقدرت، سمع وبصر اور ارادہ ہے تو آپ حیات ہوئے اور یہ حیات ایک آن کے لیے بھی زائل نہیں ہوئی اور آپ مردہ نہیں ہوئے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ آپ ساری کائنات کی اصل ہیں اگر آپ معاذ اللہ مردہ ہو جائیں تو یہ جہان زندہ کیسے رہ سکتا ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے اور درخت ہرا بھرا رہے؟ ہرگز نہیں! اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جان جہان مردہ ہو جائیں اور جہان زندہ رہے، بلکہ جس طرح درخت کی سرسبزی وشادابی جڑ کی بدولت ہے اسی طرح ساری کائنات کا وجود زندگی آپ کی بدولت ہے ۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

(اعلیٰ حضرت)

مخالفین کے سردار جناب انور شاہ کشمیری صدر مدرس دیو بند فرماتے ہیں:

وَ نُقِلَ عَنْ مَّالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ اِنَّ احْتَرَامَ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ اَيْضًا كَمَا كَانَ فِیْ حَيَاتِهٖ وَفِی الْبَيْهَقِیِّ عَنْ اَنَسٍ وَّ صَحَّحَهٗ وَوَافَقَهُ الْحَافِظُ فِی الْمُجَلَّدِ السَّادِسِ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ اَحْيَآءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ مَعْنَاهُ اَنَّ اَرْوَاحَ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَيْسَتْ بِمُعَطَّلَةٍ عَنِ الْعِبَادَاتِ الطَّيِّبَةِ وَالْاَفْعَالِ الْمُبَارَكَةِ بَلْ هُمْ مَشْغُوْلِيْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ اَيْضًا كَمَا كَانُوْا مَشْغُوْلِيْنَ حِيْنَ حَيَاتِهِمْ فِیْ صَلَاةٍ وَّ حَجٍّ وَّ كَذٰلِكَ حَالَ تَابِعِيْهِمْ

امام مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب واحترام آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی لازم ہے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس کی تصحیح بھی کی اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری کی جلد ششم میں اس کی موافقت کی ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا) بے شک تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ معنیٰ اس حدیث کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی

عَلٰی قَدْرِ الْمَرَاتِبِ
(فیض الباری، ج ۲، ص ۶۴)

ارواح عبادات طیبہ اور افعال مبارکہ سے معطل نہیں ہوتیں بلکہ اپنی قبروں میں اسی طرح عبادات کرتی ہیں جس طرح ظاہری حیات میں نماز، روزہ، حج وغیرہ کرتی تھیں اور اسی طرح ان کے تابعین کا حال ہے۔ علی قدر المراتب۔

دیوبند کے تمام بڑے بڑے علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ:

فَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِيْ قَبْرِهِ الشَّرِيْفِ يَتَصَرَّفُ فِي الْكَوْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَيْفَ شَاءَ (المہند، ص ۶۸)

وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور جہان میں جیسے چاہتے ہیں باذن اللہ تصرف فرماتے ہیں۔

جناب محمد قاسم نانوتوی مزعومہ بانی دار العلوم دیوبند تو اس مسئلہ میں بہت زیادہ آگے ہیں وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کی نفی کرتے ہیں اور آپ کی روح اقدس کے قبض ہونے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک آپ کی موت فقط آپ کا عام لوگوں کی نگاہوں سے مستور ہو جانا ہے۔ چنانچہ ان کا رسالہ ''آب حیات'' اسی مضمون سے لبریز ہے جس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی موت میں بھی مثل حیات فرق ہے ہاں فرق ذاتیت وعرضیت متصور نہیں وجہ اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہے یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے اس لیے وقت موت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زائل نہ ہوگی، ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آدھی زائل ہو جائے گی۔ سو درصورت تقابل عدم وملکہ اس استتار حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو مثل آفتاب سمجھیے کہ وقت کسوف قمر بے اوٹ میں حسب مزعوم حکماء اس کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا یا مثل شمع،

چراغ خیال فرمایئے کہ جب اس کو ہنڈیا یا مٹکے میں رکھ کر اوپر سے سر پوش رکھ دیجئے تو اس کا نور بالبداہتہ مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہو جاتا اور دربارہ زوال حیات مومنین کو مثل قمر خیال فرمایئے کہ وقت خسوف اس کا نور زائل ہو جاتا ہے فقط وہ صقالت وصفائی اصلی باقی رہ جاتی ہے یا مثل چراغ سمجھیے کہ گل ہو جانے کے بعد اس میں نور بالکل نہیں رہتا البتہ روغن یا فلیتہ یا کسی قدر تھوڑی دیر تک سر فلیتہ میں آتش باقی رہ جاتی ہے۔ (آب حیات، ص ۱۶۰)

(۲) حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائمی ہے ممکن نہیں کہ آپ کی حیات زائل ہو جائے اور حیات مومنین عرضی ہے زائل ہوسکتی ہے۔ (آب حیات، ص ۱۳۴)

(۳) ہاں علاقہ حیات انبیاء علیہم السلام منقطع نہیں ہوتا اس لیے ازواج نبوی اور نیز اموال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدستور آپ کے نکاح اور آپ ہی کی ملک میں باقی ہیں اور اغیار کو اختیار نکاح ازواج اور ورثہ کو اختیار تقسیم اموال نہیں بالجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے۔ (آب حیات، ص ۱۶۸)

(۴) اس صورت میں یہ فرق ہاتھ لگا کہ تعلق حیات و بدن نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قابل انفکاک نہیں پھر موت جسمانی حضرت حبیب ربانی جو کسی طرح قابل انکار نہیں بجز اس کے متصور ہی نہیں کہ حیات مذکور زیر پردہ موت مستور ہو جائے۔

(آب حیات، ص ۱۶۶)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے اس میں انقطاع یا تبدل وتغیر جیسے حیات دنبوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔

(آب حیات، ص ۲۷)

(۶) اس صورت میں صراحۃً اس حدیث سے نفی موت انبیاء نکلتی ہے۔

(آب حیات، ص ۳۵)

(۷) اس سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء بدستور زندہ ہیں ۔ (آب حیات، ص ۳۶)
(۸) ان کی موت حیات کی ساتر ہوگی یعنی یہ موت رافع ودافع نہ ہوگی ۔

(آب حیات، ص ۳۶)

(۹) یعنی سلامت جسد نبوی اور حرمت نکاح ازواج مطہرات اور عدم توریث اموال مقبوضہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اگر غور کیا جائے تو ایک وہی حیات ہے اور کوئی امر مذکور میں سے ہو ہی نہیں سکتا نہ یہ کہ ہو تو سکتا ہے پر ہے نہیں ۔

(آب حیات، ص ۲۹، مطبوعہ مطبع قدیمی، دہلی)

(۱۰) دربارۂ اثبات حیات مؤیدان میں سے ایک تو وہ روایت جس کا ماحصل یہ ہے کہ جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے جیتے جی میری زیارت کی ۔ دوسرے وہ روایت جس کا یہ مضمون ہے کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر جفا کی ۔ تیسرے وہ روایتیں جن سے انبیاء کا قبور میں نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے ۔ چوتھے وہ روایت جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بالخصوص قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے ۔ پانچویں معراج کی روایت جس سے انبیاء گزشتہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنا اور بہ ترتیب معلوم آسمانوں میں ان سے ملاقات کا ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ رہی آیتیں تو ایک تو ان میں سے یہ آیت ہے ۔ **وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا** ﴿۶۴﴾ (النساء)

کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں اور اگر اہل عصر ہی کے ساتھ یہ فضیلت مخصوص تھی تو آپ **اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ** کے دونوں جملے جدا جدا

آپ کی حیات پر ایسی دلالت کرتے ہیں کہ انشاء اللہ قرآن کے ماننے والوں کو تو گنجائش انکار رہتی نہیں ۔ (آبِ حیات، ص ۴۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مختصر طور پر ہدیہ ناظرین ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ یہ مختصر سا بیان اہل ایمان و محبت کے لیے انشاء اللہ کافی وشافی ثابت ہوگا اور منکرین کے لیے تو دفتروں کے دفتر بھی بے کار ہیں۔





انبیاء و اولیاء کی حیات بعد ممات کے بارے میں دیوبندی وہابی علماء کی تحریروں سے مزید حوالے میری کتاب ''مزارات و تبرکات اور ان کے فیوضات'' میں ملاحظہ فرمائیں (کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ)

موئے مبارک

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپشِ محشر میں
سایہ افگن ہوں تیرے پیارے کے پیارے گیسو

(اعلیٰ حضرت)



حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کے سر اقدس کے بال مبارک نہ تو بہت گھونگھریالے تھے اور نہ بہت سیدھے، بلکہ دونوں کے بین بین تھے۔ان بالوں کی درازی میں مختلف روایات ہیں، کانوں کے نصف تک، کانوں کی لَو تک، شانہ مبارک کے نزدیک تک، شانوں تک۔

چنانچہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالسَّبِطِ كَانَ جَعْدًا رَّجِلًا
(جمع الوسائل فی شرح الشمائل، ج۱،ص۲۶)

حضور ﷺ کے بال مبارک نہ تو بالکل گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لیے ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى نِصْفِ اُذُنَيْهِ
(جمع الوسائل، ج۱،ص۷۴)

حضور ﷺ کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

عَظِيْمَ الْجُمَّةِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ
(جمع الوسائل، ج۱،ص۱۷)

آپ کے بال مبارک بہت گنجان تھے اور کانوں کی لو تک آتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

لَهٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَ دُوْنَ الْوَفْرَةِ
(جمع الوسائل، ج۱،ص۷۶)

آپ کے بال مبارک کانوں کی لو سے کچھ بڑے اور شانوں سے کم تھے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَهٗ شَعْرٌ يَّضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ
(جمع الوسائل، ج۱،ص۲۰)

آپ کے بال مبارک کندھوں پر پڑتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهٖ وَ تَسْرِيحَ لِحْيَتِهٖ (جمع الوسائل، ج ۱، ص ۸۴)

اپنے سر مبارک پر اکثر تیل لگایا کرتے اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے۔

ان روایات میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ ان کو مختلف اوقات پر محمول کیا جائے یعنی جب آپ بال کٹوا دیتے تو نصف کانوں تک رہ جاتے پھر بڑھ کر گوش یا نرمۂ گوش یا کبھی شانہ مبارک تک پہنچ جاتے۔ آپ ان بالوں کے دو حصے فرماتے اور درمیان میں مانگ نکالا کرتے۔ کچھ بال رکھنے کو اور کچھ کاٹنے (جیسے آج کل انگریزی فیشن ہے) کو سخت منع فرماتے۔

حضرت محمد بن سیرین تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِعُبَيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ اَنَسٍ اَوْ مِنْ قِبَلِ اَهْلِ اَنَسٍ فَقَالَ لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِیْ شَعْرَةٌ مِّنْهُ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (بخاری: ۱۷۰)

میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس یا اہل انس سے ملے ہیں۔ (یہ سن کر) حضرت عبیدہ نے کہا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهٗ وَ اطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِیْ يَدِ رَجُلٍ (مسلم کتاب الفضائل: ۶۰۴۳)

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کی حجامت بنا رہا تھا اور آپ کے اصحاب آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ آپ کا جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے

ہاتھ میں ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مزدلفہ سے) منیٰ میں تشریف لائے اور جمرۃ العقبہ پر کنکریاں ماریں پھر قربانی کر کے اپنے مکان میں تشریف لائے۔

ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَ نَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنِ فَحَلَقَهٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ (بخاری، مسلم:۳۱۵۵، مشکوٰۃ:۲۶۵۰)

پھر آپ نے حجام کو بلایا اور اپنے سر مبارک کے داہنی طرف کے بال مبارک منڈوائے اور ابوطلحہ انصاری کو بلا کر عطا فرمائے پھر آپ نے اپنے بائیں طرف کے بال منڈوائے اور وہ بھی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عنایت کیے اور فرمایا کہ ان تمام بالوں کو لوگوں میں تقسیم کردو۔

ان دو روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بالوں کو اس غرض سے حاصل کیا کرتے تھے کہ بطور تبرک ان کو اپنے پاس رکھیں اور ان سے برکت حال کریں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کو اس سے روکتے نہیں تھے بلکہ خود اپنے بال مبارک ان میں تقسیم کرواتے تاکہ یہ لوگ میرے بالوں سے برکت و رحمت حاصل کریں۔

کیا یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ وہ غیر اللہ یعنی بالوں سے نفع و برکت اور شفا کی امید رکھتے تھے، لہٰذا مشرک تھے؟ (معاذ اللہ)

حضرت عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میری بیوی نے مجھ کو ایک پانی کا پیالہ دے کر ام المومنین حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا اور میری بیوی کی یہ عادت تھی کہ جب بھی کسی کو نظر لگتی یا کوئی بیمار ہوتا تو وہ برتن میں پانی ڈال کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا کرتی، کیونکہ ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔

فَاَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَتْ تُمْسِكُهٗ فِيْ جُلْجُلٍ مِّنْ فِضَّةٍ فَخَضْخَضَتْهُ لَهٗ فَشَرِبَ مِنْهُ مَرِيْضٌ (بخاری:۵۸۹۶،مشکوٰۃ:۴۵۶۸)

تو وہ رسول اللہ ﷺ کے اس بال کو نکالتیں جس کو انہوں نے چاندی کی نلی میں رکھا ہوا تھا اور پانی میں ڈال کر ہلا دیتیں اور مریض وہ پانی پی لیتا (جس سے اس کو شفا ہو جاتی)۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام موئے مبارک تبرکاً اپنے پاس رکھتے اور عموماً لوگ اس کی برکت حاصل کرتے اور امراض سے شفا پاتے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خوش قسمتی سے حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کے بال میرے پاس تھے میں نے ان کو اپنی ٹوپی میں آگے کی طرف سی رکھا تھا۔ ان بالوں کی برکت تھی کہ عمر بھر ہر جہاد میں فتح ونصرت حاصل ہوتی رہی۔

(سبل الہدی والرشاد، ج ۱۰،ص ۳۹، اصابہ: ۱۳۹۹،شفا شریف، ج ا،ص ۱ ۳۳،شمس التواریخ)

جنگ یرموک میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی شجاعت بیان کرتے ہوئے لشکر کفار کی طرف بڑھے، ادھر سے ایک پہلوان نکلا جس کا نام نسطور تھا، دونوں کا دیر تک سخت مقابلہ ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت خالد کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر گیا اور حضرت خالد اس کے سر پر آ گئے اور ٹوپی زمین پر جا پڑی۔ نسطور موقع پا کر آپ کی پشت پر آ گیا۔ اس وقت حضرت خالد پکار پکار کر اپنے رفقاء سے فرما رہے تھے کہ میری ٹوپی مجھے دو، خدا تم پر رحم کرے۔ ایک شخص جو آپ کی قوم بنی مخزوم میں سے تھا وہ دوڑ کر آیا اور ٹوپی آپ کو دی، آپ نے اسے پہن لیا اور نسطور کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا، لوگوں نے اس واقعے کے بعد آپ سے پوچھا کہ آپ نے وہ حرکت کیا کی کہ دشمن تو پشت پر آ پہنچا اور آپ ٹوپی کی فکر میں لگ گئے جو شاید دو چار آنے کی ہوگی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس ٹوپی میں حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے ناصیہ مبارکہ کے بال ہیں جو مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ ہر جنگ میں ان مبارک بالوں

کی برکت سے فتحیاب ہوتا ہوں۔ اسی لیے میں بے قراری سے اپنی ٹوپی کی طلب میں تھا کہ مبادا ان کی برکت میرے پاس نہ رہے اور کافروں کے ہاتھ لگ جائے۔

(واقدی، شفا شریف، ج ۳، ص ۴۴)

ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھوڑی سی فوج لے کر ملک شام میں ''جبلہ بن ایہم'' کی قوم کے مقابلہ کے لیے تشریف لے گئے اور ٹوپی گھر میں بھول گئے۔ جب مقابلہ ہوا تو رومیوں کا بڑا افسر مارا گیا۔ اس وقت جبلہ نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں پر یکبارگی سخت حملہ کر دو۔ حملے کے وقت صحابہ کی حالت نازک ہو گئی، یہاں تک کہ رافع بن عمر طائی نے حضرت خالد سے کہا کہ آج معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قضا آ گئی۔ حضرت خالد نے فرمایا، سچ کہتے ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں آج ٹوپی گھر بھول آیا ہوں جس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔

ادھر یہ حالت تھی اور ادھر اسی رات حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو عبیدہ کو جو اسلامی افواج کے امیر تھے خواب میں ملے اور فرمایا تم اس وقت سو رہے ہو اٹھو اور خالد بن ولید کی مدد کو پہنچو کفار نے ان کو گھیر لیا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے اور لشکر میں اعلان کروا دیا کہ فوراً تیار ہو جاؤ! چنانچہ وہ فوراً تیار ہو کر لشکر اسلام کے پاس بڑی تیزی سے چلے۔ راستے میں انہوں نے ایک سوار کو دیکھا جو گھوڑا دوڑائے ہوئے ان کے آگے جا رہا تھا، چند تیز رفتار سواروں کو حکم دیا کہ اس سوار کا حال معلوم کرو، سوار جب قریب پہنچے تو پکار کر کہا اے جوان مرد سوار ذرا ٹھہرو، یہ سنتے ہی وہ ٹھہر گیا۔ معلوم کیا تو وہ حضرت خالد بن ولید کی بیوی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ان سے سفر کی وجہ پوچھی تو کہا، اے امیر جب رات کو میں نے سنا کہ آپ نے لشکر اسلام میں اعلان کروایا کہ خالد بن ولید کو دشمنوں نے گھیر لیا ہے فوراً تیار ہو جاؤ تو میں نے خیال کیا کہ وہ کبھی ناکام نہ ہوں گے کیونکہ ان کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔ لیکن جوں ہی میں نے دیکھا تو میری نظر ان کی ٹوپی پر پڑی جس میں موئے مبارک تھے۔

نہایت افسوس ہوا اور اسی وقت چل پڑی کہ کسی طرح اس کو ان تک پہنچا دوں۔ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا، خدا تمہیں برکت دے۔ چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ شریک لشکر ہو گئیں۔

حضرت رافع بن عمرو جو حضرت خالد بن ولید کے ساتھ تھے فرماتے ہیں کہ حالت یہ تھی کہ ہم اپنی زندگیوں سے بالکل مایوس ہو گئے تھے کہ اچانک تکبیر کی آواز آئی۔ حضرت خالد نے دیکھا کہ یہ آواز کدھر سے آئی ہے۔ جب رومیوں کے لشکر پر نظر پڑی تو کیا دیکھا کہ چند سوار ان کا پیچھے کیے ہوئے ہیں اور بدحواس ہو کر بھاگے چلے آرہے ہیں۔ حضرت خالد گھوڑا دوڑا کر ایک سوار کے قریب پہنچے اور پوچھا کے اے جواں مرد سوار تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں تمہاری بیوی ام تمیم ہوں تمہاری مبارک ٹوپی لائی ہوں جس کی برکت سے دشمنوں پر فتح پایا کرتے ہو۔ تم اس وجہ سے اس کو بھول آئے تھے کہ یہ مصیبت تم پر آنی تھی۔ الغرض وہ ٹوپی انہوں نے دی اور حضرت خالد نے اس کو پہن لیا۔

راوی حدیث قسم کھا کر کہتے ہیں کہ حضرت خالد نے ٹوپی پہن کر جب کفار پر حملہ کیا تو لشکر کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی۔ ملخصاً۔ (تاریخ واقدی)

ان احادیث میں غور و فکر کے ساتھ ساتھ اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام کے نزدیک ان مقدس بالوں کی کتنی قدر و شان تھی، اور پھر وہ جلیل القدر صحابی حضرت خالد جن کی شان میں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللهِ کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، ان کی یہ حالت ہے کہ ایسے نازک وقت میں جب کہ دشمن خنجر بکف ان کے سر پر تھا، بڑی بے تابی سے ٹوپی طلب فرما رہے ہیں اور صاف صاف فرما رہے ہیں کہ میری ساری فتوحات کا باعث یہی ٹوپی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔

ایسا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کیا ان کو مشرک و بدعتی کہا جا سکتا ہے؟ (معاذ اللہ) اہل انصاف اگر توجہ فرمائیں تو مسئلہ استعانت اور وسیلہ اسی ایک واقعے سے حل ہو سکتا ہے۔

حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک نے مجھ سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بالوں میں سے ایک بال ہے۔ جب میں مر

جاؤں تو اس کو میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے حسب وصیت ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا اور اسی حالت میں دفن کیے گئے۔ (اصابہ ترجمہ انس بن مالک: ۲۷۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کچھ بال اور ناخن مبارک منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جز وخامس، ص ۳۰۰، ومدارج النبوت)

اہل ایمان پر صحابہ کرام کے فضائل وکمالات مخفی نہیں ہیں باوجود اس کے ان کا یہ خیال کہ تبرکات کو قبر میں اپنے ساتھ لے جائیں، تبرکات کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے اس قسم کی باتوں کو جو لوگ بت پرستی وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں یہ ان کی زیادتی ہے۔ اصل میں یہ لوگ اسرار محبت سے ناآشنا ہیں۔

مولوی سید حسن بن مولوی نبیہ حسن مدرس مدرسہ دیو بند "ہب النسیم علیٰ نفحات الصلوٰۃ والتسلیم" کے صفحہ ۳۲ پر تحریر کرتے ہیں کہ ایک تاجر بلخ کا رہنے والا تھا اور بہت دولت مند تھا، علاوہ دولت کے اس کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تین موئے مبارک بھی تھے، اس کے دو لڑکے تھے۔ جب تاجر کا انتقال ہو گیا تو کل مال دونوں لڑکوں میں تقسیم کیا گیا۔ جب ایک ایک بال مبارک دونوں نے لے لیا تو بڑا لڑکا بولا کہ تیسرے بال کے دو ٹکڑے کر کے وہ بھی تقسیم کیا جائے۔ اس پر چھوٹے لڑکے نے کہا کہ میں ہرگز گوارا نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موئے مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے، بڑا لڑکا بولا اگر تم کو موئے مبارک سے ایسی محبت اور عقیدت ہے تو ایسا کرو کہ سب مال و دولت جو تمہارے حصے میں آیا ہے مجھے دے دو اور تینوں موئے مبارک لے لو! چھوٹا لڑکا اس تبادلہ پر بخوشی راضی ہو گیا اور اپنا سب مال دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورانی موئے مبارک لے لیے۔ اب اس کا یہ کام ہو گیا کہ حضور کے مبارک بالوں کی زیارت کرتا اور کثرت سے درود شریف پڑھتا۔ اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھیے کہ بڑے لڑکے کا مال روز بروز گھٹنا شروع ہو گیا اور چھوٹے لڑکے کے مال میں بہ برکت موئے مبارک روز افزوں ترقی ہوتی گئی۔ کچھ عرصے کے بعد وہ چھوٹا لڑکا

مر گیا۔ اس زمانے کے ایک بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ جس کو کوئی حاجت حق تعالیٰ سے ہو تو وہ اس تاجر کے لڑکے کی قبر پر جائے اور اپنے حصول مقصد کے لیے جا کر دعا کرے تو اس کا مقصد پورا ہوگا۔

اس واقعے کے بعد لوگوں میں اس لڑکے کے مزار کی بڑی عظمت ہوگئی اور لوگ وہاں جانے لگے۔ یہاں تک اس مزار کی عزت ہوئی کہ بڑے بڑے لوگ بھی وہاں سے سوار ہو کر نہیں گزرتے تھے بلکہ بوجہ غایت ادب پیدل چلتے تھے۔

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا لکہ ابر رافت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اٰخِذٌ شَعْرَةً يَقُوْلُ مَنْ اٰذٰى شَعْرَةً مِّنْ شَعْرِىْ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ

(جامع الاحادیث: ۲۳۴۹۵، کنز العمال: ۳۵۳۵۱)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ اپنا ایک موئے مبارک ہاتھ میں لیے ہوئے فرما رہے تھے جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت پہنچائی تو اس پر جنت حرام ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بال ایک ایسی چیز ہے جس کو کاٹتے ہیں، کترتے ہیں مگر اس کو ایذا نہیں ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو موئے مبارک اپنے دست مقدس میں لے کر اس کی ایذا کی تصریح فرمائی اس کا مطلب کیا ہے؟

اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ جان لینا ضروری ہے کہ عالم کی ہر چیز زندہ، ذی فہم اور ادراک رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (الاسرا: ۴۴)

اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے اس کی تعریف کے ساتھ۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

اس آیہ شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے اور تسبیح کرنے والے کو جب تک اس امر کا ادراک نہ ہو کہ اس کا ایک خالق ہے اور جس قدر اس کے اوصاف ہیں سب کمالات ہیں اور وہ سب عیبوں سے پاک اور منزہ ہے، اس تسبیح کرنے والے کو اس کا تسبیح کرنا صادق نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ (البقرہ:۷۴)	اور بلاشبہ ان (پتھروں) میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔
لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ (الحشر:۲۱)	اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا، پھٹ جاتا۔
وَّسَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ يُسَبِّحۡنَ وَالطَّيۡرَ (الانبیاء:۷۹)	اور ہم نے مسخر کر دیئے داوٗد (علیہ السلام) کے ساتھ پہاڑ (تو وہ پہاڑ) تسبیح پڑھا کرتے اور پرندے بھی۔
اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا (احزاب:۷۲)	ہم نے بار امانت آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔
قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ۙ﴿۶۹﴾ (الانبیاء)	ہم نے کہا کہ اے آگ ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔
فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ (ص:۳۶)	تو ہم نے ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا تھا وہ ان کے حکم سے چلتی تھی۔
يَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَاۡتِ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ ﴿۳۰﴾ (ق)	اس دن ہم جہنم سے فرمائیں گے کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟

اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاهِهِمۡ وَ تُکَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ تَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۶۵﴾ (یٰس)

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ وہ کسب کرتے تھے۔

تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الۡغَیۡظِ (الملک:۸)

ایسا لگتا ہے کہ شدت غضب سے (جہنم) پھٹ جائے گی۔

یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَهَا ﴿۵﴾ (الزلزال)

اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی اس لیے کہ تمہارے رب نے اس کو وحی کی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گرد ونواح میں جاتے۔

فَمَا اسۡتَقۡبَلَهٗ جَبَلٌ وَّلَا شَجَرٌ اِلَّا وَ هُوَ یَقُوۡلُ السَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ

(دارمی:۲۱، مشکوٰۃ:۵۹۱۹)

تو جو پہاڑ (پتھر) اور درخت بھی سامنے آتا وہ کہتا۔ سلام ہو تجھ پر اے اللہ کے رسول۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستون حنانہ کے ساتھ کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔

فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الۡمِنۡبَرُ سَمِعۡنَا لِلۡجِذۡعِ مِثۡلَ اَصۡوَاتِ الۡعِشَارِ حَتّٰی نَزَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلَیۡهِ

(بخاری شریف، کتاب الجمعہ:۹۱۸)

تو جب آپ کے لیے منبر بنایا گیا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوئے تو ہم نے سنا کہ وہ ستون دردناک لہجہ میں رونے لگا یہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور اس پر اپنا دست مبارک رکھا (تاکہ اس کو تسکین ہو)

ان آیات واحادیث سے پتھروں اور پہاڑوں کا خائف من اللہ ہونا اور اللہ کے حکم سے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں شریک ہونا، آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کا

امانت الٰہی کے اٹھانے سے انکار کرنا، آگ کا حکم الٰہی قبول کرنا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سرد ہونا، ہوا کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلنا، جہنم کا حکم الٰہی سننا، جواب دینا اور غصہ میں آجانا، قیامت کے دن ہاتھوں اور پاؤں کا اللہ کے دربار میں گواہی دینا، زمین کا وحی الٰہی کو سمجھنا اور بندوں کے اعمال کا بیان کرنا، درختوں اور پتھروں کا بلند آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلام کرنا، ستون حنانہ کا رونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کرنا اور کنکریوں کا باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھنا وغیرہ صدہا واقعات و دلائل اس پر شاہد ہیں کہ عالم کی ہر چیز ذی فہم اور ادارک رکھتی ہے۔

چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے موئے مبارک کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میرے بال کو جو ایذا دے اس کی یہ سزائیں ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو حقیقت شناس ہو گئے تھے انہوں نے بغیر تاویل کے یقین کر لیا کہ بے شک موئے مبارک کو بعض امور سے اذیت ہوا کرتی ہے اس لیے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک بالوں کی بہت ہی تعظیم و توقیر کرتے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ موئے مبارک کی نسبت کسی قسم کی بے ادبی کی جائے تو اس سے ان کو اذیت ہوتی ہے۔

اب بھی بعض مقامات کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال مبارک ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہوئے بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ کیا پتا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موئے مبارک ہیں یا نہیں۔ ممکن ہے کسی جعل ساز نے دنیاوی مفاد کی خاطر یہ ڈھنگ بنا رکھا ہو، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو واقعی بہت برا کرتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ تعظیم کرنے والا برکت سے محروم نہ رہے گا۔ کیونکہ جب وہ تعظیم کرے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موئے مبارک سمجھ کر کرے گا لہٰذا اس کے اعتقاد اور نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ ضرور اس کو برکت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (بخاری:۱)

فوائد

(۱) یہ کہ اس بے مثل محبوب کے موئے مبارک بھی بے مثل ہیں۔

(۲) یہ کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس بالوں کو بھی بے مثل و بے نظیر مانتے تھے۔

(۳) یہ کہ صحابہ کرام ان مقدس بالوں کو بہت ہی بابرکت اور قابل تعظیم سمجھا کرتے تھے۔

(۴) یہ کہ صحابہ کرام ان مقدس بالوں میں سے ایک بال کا اپنے پاس ہونا دنیا و مافیہا سے بہتر سمجھتے تھے۔

(۵) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام کو ایسا عقیدہ رکھنے سے منع نہ فرماتے بلکہ خود اپنے مقدس بالوں کو ان میں تقسیم کرنے کا حکم فرماتے۔

ثابت ہوا کہ انبیائے کرام اور بزرگان دین کے تبرکات اور بال وغیرہ بطور تبرک رکھنا اور ان کی تعظیم کرنا اور ان سے نفع و برکت کی امید رکھنا جائز ہے، شرک و بدعت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے۔ اگر شرک و بدعت ہوتا تو صحابہ کرام کبھی ایسا نہ کرتے۔

چہرۂ انور

ششش جہت روشن زتاب روئے تو
ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو
ماہ را مہر رخت نور و بہا
مہر را تنویر قلب تو ضیا

☆☆☆

ك گیسو ہ دہن یٰ ابرو آنکھیں عٓ ص
کھٰیٰعص ان کا ہے چہرہ نور کا

(اعلیٰ حضرت)



اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ حسن و جمال عطا فرمایا جس کی تعریف وتوصیف سے زبان عاجز ہے۔ چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن و جمال، خوبی وکمال کا مظہر ہے۔ آپ حسن کل ہیں اور حسن یوسف حسن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک تابش تھی اور دنیا بھر کے حسین وجمیل حسن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جھلک ہیں۔ حسن بے مثال کا یہ عالم تھا کہ زبان کو عالم حیرت میں یہ کہنا پڑا۔

لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ

ایسا حسین وجمیل تو ان سے قبل دیکھا گیا اور نہ ان کے بعد۔

(ترمذی: ۳۶۳۷، مشکوٰۃ: ۵۷۹۰)

حسن ہے بے مثل صورت لا جواب

میں فدا تم آپ ہو اپنا جواب

قَالَ اَبُوْنُعَيْمٍ اُعْطِيَ يُوْسُفُ مِنَ الْحُسْنِ مَا فَاقَ بِهِ الْاَنْبِيَآءَ وَ الْمُرْسَلِيْنَ بَلْ وَ الْخَلْقَ اَجْمَعِيْنَ وَنَبِيُّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُوْتِيَ مِنَ الْجَمَالِ مَالَمْ يُؤْتَهٗ اَحَدٌ وَّلَمْ يُوْتَ يُوْسُفُ اِلَّا شَطْرَ الْحُسْنِ وَ اُوْتِيَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْعَهٗ

(خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۸۲)

حضرت ابو نعیم فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام تمام انبیاء ومرسلین بلکہ تمام مخلوق سے زیادہ حسن و جمال دیئے گئے تھے۔ مگر ہمارے نبی اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ حسن و جمال عطا ہوا جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوا یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا ایک جز ملا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن کل دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں بعض مفسرین فرماتے ہیں وَالضُّحٰى اشارہ ہے نور جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اور وَالَّيْلِ کنایہ ہے حضور پرنور کے گیسوئے عنبریں سے۔ (خزائن العرفان)

اے کہ شرحِ والضحیٰ آمد جمالِ روئے تو　　نکتہ واللیل وصف زلف عنبر بوئے تو

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک میں وحی الٰہی، معجزات اور دیگر دلائل نبوت کا اثر وظہور نہ بھی ہوتا تو آپ کا چہرۂ مبارک ہی آپ کی دلیل نبوت کو کافی تھا۔ (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۷۲)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے) فرماتے ہیں کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو لوگ کام کاج چھوڑ کر جلد جلد آپ کو دیکھنے آرہے تھے، میں بھی آیا۔

فَلَمَّا رَاَيْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ الْكَذَّابِ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يَاَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ

(المستدرک: ۴۲۸۳، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۱۹۱)

تو جب میں نے آپ کا چہرہ مبارک دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے آپ اس وقت فرما رہے تھے اے لوگو سلامتی پھیلاؤ اور صلۂ رحمی یعنی اپنوں سے محبت کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں اللہ کی عبادت کرو اور سلامتی سے جنت میں جاؤ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَّ اَحْسَنَهُمْ خَلْقًا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صورت وسیرت میں تمام لوگوں سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔

(بخاری شریف: ۳۵۴۹، مسلم شریف: ۲۰۶۶)

حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں اور میری والدہ اور میری خالہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کر کے واپس آئے تو میری والدہ اور میری خالہ نے کہا۔

مَا رَاَيْنَا مِثْلَ هٰذَا الرَّجُلِ اَحْسَنَ وَجْهًا　　ہم نے اس شخص کی مثل خوبصورت چہرے

وَّلَا اَنْقٰی ثَوْبًا وَّلَا اَلْیَنَ کَلَامًا وَّ رَاَیْنَا کَالنُّوْرِ یَخْرُجُ مِنْ فِیْهِ

(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۴۵)

والا، پاکیزہ لباس والا، نرم اور میٹھے کلام والا کوئی نہیں دیکھا اور ہم نے دیکھا کہ گفتگو کے وقت ان کے منہ سے نور نکلتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَّ اَنْوَرَهُمْ لَوْنًا لَّمْ یَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ اِلَّا شَبَّهَ وَجْهَهٗ بِالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَ کَانَ عَرَقُهٗ فِیْ وَجْهِهٖ مِثْلَ اللُّؤْلُؤِ

(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوش رنگ تھے جس کسی نے بھی آپ کی توصیف کی اس نے آپ کو چودہویں کے چاند سے تشبیہ دی۔ پسینہ کی بوند آپ کے چہرہ میں یوں معلوم ہوتی تھی جیسے موتی۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ (بخاری شریف: ۳۵۵۶، مشکوٰۃ: ۵۷۹۸)

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور و شادماں ہوتے تو آپ کا چہرہ ایسا منور ہو جاتا کہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔

نہایہ ابن اثیر میں ہے۔

اَنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کَانَ اِذَا سَرَّ فَکَانَ وَجْهُهُ الْمِرْاٰةَ الَّتِیْ تُرٰی فِیْهَا صُوَرُ الْاَشْیَاءِ وَکَانَ الْجُدُرُ تَلَاحَكَ وَجْهَهٗ اَیْ یُرَی الْجُدُرُ فِیْ وَجْهِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۸۰)

کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور و خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مثل آئینے کے ہو جاتا کہ اس میں اشیاء کا عکس نظر آتا اور دیواریں آپ کے چہرہ میں نظر آ جاتیں۔

جامع بن شداد فرماتے ہیں کہ مجھ کو طارق بن عبداللہ نے بتایا کہ ہم مدینہ منورہ کے باہر اترے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ اس وقت ہم آپ کو جانتے نہیں تھے۔ ہمارے پاس ایک سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ آپ نے اس اونٹ کی طرف اشارہ کر کے

فرمایا۔کیا تم اس کو بیچنا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں! فرمایا کیا قیمت ہے؟ ہم نے قیمت (کھجوروں کی مقدار) بتائی،آپ نے فرمایا منظور ہے،اور اونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑے اور ہمارے دیکھتے دیکھتے شہر میں داخل ہو گئے۔ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ہم نے بہت برا کیا کہ ایک ناواقف آدمی جس کو ہم جانتے نہیں کون ہے کہاں کا رہنے والا ہے بلا قیمت وصول کیے اونٹ دے دیا۔ایک عورت جو ہمارے ساتھ ہودج میں بیٹھی ہوئی تھی بولی:

وَاللهِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَجُلًا كَاَنَ وَجْهُهٗ قِطْعَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَنَا ضَامِنَةٌ لِّثَمَنِ جَمَلِكُمْ لَا يَغْدِ رُبِكُمْ فَلَمَّا كَانَ الْعِشٰى اَتَانَا رَجُلٌ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْكُمْ هٰذَا تَمَرُكُمْ فَكُلُوْا وَاشْبَعُوْا وَ اكْتَالُوْ وَاسْتَوْفُوْا فَاَكَلْنَا حَتّٰى شَبِعْنَا وَاكْتَلْنَا وَ اسْتَوْفَيْنَا (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۴۹، المستدرک حاکم:۴۲۱۹)

خدا کی قسم میں نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مثل تھا تمہارے اونٹ کی قیمت کی میں ضامن ہوں (کیونکہ مجھے یقین ہے کہ) وہ تمہارے ساتھ دھوکہ نہیں کرے گا۔ جب شام کا وقت ہوا تو ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں رسول اللہ کا بھیجا ہوا تمہاری طرف آیا ہوں، یہ کھجوریں ہیں ان سے خوب پیٹ بھر کر کھا بھی لو اور اپنی قیمت بھی پوری کر لو۔تو ہم نے پیٹ بھر کر کھا بھی لیں اور قیمت بھی پوری کر لی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا رَاَيْتُ شَيْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ (ترمذی: ۳۶۴۸، مشکوٰۃ: ۵۷۹۵)

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا یوں معلوم ہوتا کہ آفتاب آپ کے چہرہ میں چل رہا ہے۔

حضرت امام حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ابو ہند بن

ابی ہالہ سے جو فصیح و بلیغ اور عرب کے علم و ادب اور وصف بیان کرنے میں بڑے مانے ہوئے تھے۔ آپ کے نور جمال کے اوصاف بیان کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے

وَفِیْہِ یَتَلَأْ لَؤُ وَجْھُہٗ تَلَاْلَؤَا الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ (جمع الوسائل، ج ۱، ص ۳۴)

اس میں یہ بھی بیان کیا کہ آپ کا چہرہ مبارک چودہویں رات کے چاند جیسا روشن تھا۔

چاند سے مونھ پہ تاباں درخشاں درود نمک آ گیں صباحت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چرخا کات رہی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے جوتے کو پیوند لگا رہے تھے، آپ کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرے تھے جن سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس حسین منظر نے مجھ کو چرخا کاتنے سے روک دیا۔ پس میں آپ کو دیکھ رہی تھی کہ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا آپ کی پیشانی مبارک پہ پسینے کے قطرے ہیں جو نور کے ستارے معلوم ہوتے ہیں۔

وَلَوْ اٰرَاکَ اَبُوْ کَبِیْرِ نِ الْھُذَلِیُّ لَعَلِمَ اَنَّکَ اَحَقُّ بِشِعْرِہٖ حَیْثُ یَقُوْلُ فِیْ شِعْرِہٖ:

وَاِذَا نَظَرْتُ اِلٰی اُسَرَّۃِ وَجْھِہٖ
بَرَقَتْ بُرُوْقَ الْعَارِضِ الْمُتَھَلِّلِ

(ابن عساکر، ج ۳، ص ۳۰۷، ابو نعیم، دیلمی، خطیب، ج ۱۳، ص ۲۵۳، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۵، سبل الہدی والرشاد، ج ۲، ص ۸۸، لبیہقی: ۱۵۴۲۷)

اگر ابو کبیر ہذلی (عرب کا مشہور شاعر) آپ کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو یقین کر لیتا کہ اس کے شعر کا مصداق آپ ہی ہیں کہ جب میں اس کے روئے مبارک کو دیکھتا ہوں تو اس کے رخساروں کی چمک مثل ہلال نظر آتی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

مَتٰی یَبْدُوْ فِی الَّیْلِ الْبَھِیْمِ جَبِیْنُہٗ بَدَجَ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدٖ

جب اندھیری رات میں آپ کی پیشانی ظاہر ہوتی تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی۔ (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۹۱)

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح چمکیلا تھا؟ تو فرمایا

لَا بَلْ کَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ (مسلم: ۶۰۸۴، بخاری: ۳۵۵۲، مشکوٰۃ: ۵۷۷۹)

نہیں نہیں بلکہ حضور کا چہرہ تو آفتاب و ماہتاب جیسا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَزْھَرَ اللَّوْنِ کَانَ عَرَقَہُ اللُّؤْلُوءُ (بخاری: ۳۵۴۷، مسلم: ۶۰۵۴، مشکوٰۃ: ۵۷۸۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ سفید روشن تھا پسینے کی بوند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر ایسی نظر آتی جیسے موتی۔

حضرت ربیع بنت معوذ صحابیہ ہیں۔ ان سے حضرت عمار بن یاسر کے پوتے نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ حلیہ بیان کیجئے تو انہوں نے فرمایا۔

لَوْ رَاَیْتَہٗ رَاَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَۃً (مشکوٰۃ: ۵۷۹۳، دارمی: ۶۱)

اگر تو حضور کو دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ سورج ہے چمکتا ہوا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ چاندنی رات تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلہ حمراء اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی حضور کے چہرہ انور کو۔

فَاِذَا ھُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ (ترمذی: ۲۸۱۱، دارمی: ۵۸، مشکوٰۃ: ۵۷۹۴)

بالآخر میرا فیصلہ یہی تھا کہ حضور چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔

یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا
(اعلیٰ حضرت)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کُنْتُ اَخِیْطُ فَسَقَطَتْ مِنِّی الْاِبْرَۃُ فَطَلَبْتُھَا فَلَمْ اَقْدِرْ عَلَیْھَا فَدَخَلَ

میں اندر بیٹھی کچھ سی رہی تھی میرے ہاتھ سے سوئی گر گئی۔ ہر چند تلاش کی مگر

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَيَّنَتِ الْاِبْرَةُ بِشُعَاعِ نُوْرِ وَجْهِهٖ فَاَخْبَرْتُهٗ (ابن عساکر، ج ۳، ص ۳۱۰، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۲، سبل الہدی والرشاد، ج ۲، ص ۴۰)

اندھیرے کے سبب سے نہ ملی۔ پس حضور ماہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تو آپ کے رخ انور کی روشنی سے سارا کمرہ روشن ہو گیا اور سوئی چمکنے لگی تو مجھے اس کا پتہ چل گیا۔

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا پورا حسن و جمال لوگوں پر ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ پردہ میں رکھا گیا ورنہ کسی میں طاقت نہیں تھی کہ حسن محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوؤں کی تاب لاسکتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنان مصر نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے اور بعض لوگ ان کو دیکھ کر مر جاتے تھے مگر آپ کو دیکھ کر کسی کی ایسی حالت نہیں ہوئی۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَالِيْ مَسْتُوْرٌ عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ غَيْرَةً مِّنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَوْ ظَهَرَ لَفَعَلَ النَّاسُ اَكْثَرَ مِمَّا فَعَلُوْا حِيْنَ رَاَوْا يُوْسُفَ (الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، ص ۷)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے اور اگر آشکار ہو جائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ ہو جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔

یعنی فرمایا کہ میں اللہ کا محبوب ہوں اور محب کی غیرت محبت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کے محبوب کو سوائے اس کے اور کوئی نہ دیکھے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے حسن و جمال کو صرف اپنے دیکھنے کے لیے لوگوں کی نظروں سے چھپا رکھا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

لَمْ يُظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهٖ لَمَا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا حسن و جمال ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا، اگر آپ کا پورا حسن و

اَطَاقَتْ اَعْيُنُنَا رُؤْيَتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۷۱)

جمال ظاہر کیا جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی طاقت نہ رکھتیں۔

اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

(مولانا حسن رضا)

محمد قاسم صاحب مزعومہ بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت نہ جانا کون ہے کچھ کسی نے جز ستار

(قصائد قاسمی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کل انشاء اللہ تم تبوک کے چشمے پر ایسے وقت پہنچو گے کہ آفتاب گرم ہو جائے گا اور جو لوگ وہاں پہنچ جائیں ان کو چاہیے کہ وہ اس چشمے کے پانی کو ہاتھ نہ لگائیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وہاں پہنچے تو اس میں بہت تھوڑا پانی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر ایک برتن میں جمع فرمایا۔

ثُمَّ غَسَلَ فِيْهِ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ ثُمَّ اَعَادَهٗ فِيْهَا فَجَرَتِ الْعَيْنُ بِمَآءٍ كَثِيْرٍ فَاسْتَسْقَى النَّاسُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ يَا مُعَاذُ اِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ اَنْ تَرٰى مَا هٰهُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَانًا

(مسلم: ۵۹۴۷، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۳)

پھر اس میں اپنا چہرۂ اقدس اور دونوں ہاتھ دھوئے اور وہ پانی اس چشمے میں ڈال دیا تو وہ چشمہ جوش مارنے لگا اور پانی بہت زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے معاذ اگر تمہاری عمر دراز ہو گی تو تم دیکھ لو گے کہ یہ مقام باغوں سے بھرا ہو گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پانی کو ہاتھ نہ لگانے کے لیے فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ لگانے کا کوئی معنوی اثر ضرور ہوا کرتا ہے اور یہ اثر حسب حیثیت ہوتا ہے، اچھوں کا

اچھا اور بروں کا برا، مگر چونکہ وہ اثر محسوس نہیں ہوتا اس لیے اس کو قبول کرنے میں معمولی عقلوں کو تامل ہوتا ہے لیکن اہل کشف اس کو دیکھتے ہیں۔

چنانچہ سیدی امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد میں جاتے اور لوگوں کو وضو کرتے دیکھتے تو مستعمل پانی میں ان کو محسوس ہوجاتا تھا کہ یہ شخص فلاں قسم کا گناہ کرتا ہے، چنانچہ تنہائی میں اس کو کہہ دیتے کہ تم فلاں قسم کا گناہ کرتے ہو اس کو چھوڑ دو! اکثر لوگ تائب بھی ہو جاتے۔ آخر امام صاحب پر یہ امر شاق گزرا کہ لوگوں کے عیوب پر نظر پڑتی ہے، اس لیے دعا کی کہ الٰہی یہ کشف اٹھالیا جائے۔ (میزان الکبریٰ، (اردو) ج ۱، ص ۱۴۱، فضائل ذکر، ص ۱۴۹)

چونکہ امام صاحب کو گناہوں کی نجاست پانی میں محسوس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے پانی کے مسئلہ میں آپ نے نہایت تشدد کیا یہاں تک کہ فقہائے حنفیہ نے دہ دردہ کی شرط لگادی۔

اور یہی وجہ تھی کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دست مبارک جس چیز کو لگ جاتا تھا صحابہ کرام اس سے برکتیں حاصل کیا کرتے تھے۔

اور تعجب نہیں کہ ہمارے دین میں جو مصافحہ مستحسن ہے اس کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ بزرگان دین کے ہاتھوں کی برکت حاصل کیا کریں، اور کسی بزرگ کی قبر کو جو ہاتھ لگا کر اپنے منہ پر پھیرتے یا بوسہ دیتے ہیں، غالباً اس میں بھی یہی مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہو۔ غرض کہ چہرۂ نبوی حسن و جمال ایزدی کا مظہر اور خوبی و کمال کا معدن ہے ؎

خامۂ قدرت کا حسن دست کاری واہ واہ کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

(اعلیٰ حضرت)



چشمان مبارک

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام
کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس اور نورانی آنکھیں بہت ہی خوبصورت تھیں، قدرت الٰہی سے سرمگیں، کہ سرمہ کے بغیر معلوم ہوتا کہ سرمہ لگا ہوا ہے۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے تھے جن کو علامات نبوت میں شمار کیا گیا ہے، پلکیں نہایت خوشنما اور دراز تھیں ؎

سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

(اعلیٰ حضرت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ يَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلٰثًا فِیْ كُلِّ عَيْنٍ (جمع الوسائل، ج۱، ص۱۰۴)

کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے پہلے دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی سرمہ اثمد کی لگایا کرتے تھے۔

انہی سے روایت ہے کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اِنَّ خَيْرَ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ (جمع الوسائل، ص۱۰۶، کنزالعمال: ۱۷۲۰۷)

بے شک تمہارے سب سرموں سے بہترین سرمہ اثمد ہے وہ آنکھ کو روشن کرتا ہے اور پلکیں اگاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ (جمع الوسائل، ج۱، ص۱۰۶، کنزالعمال: ۱۷۲۰۳)

اثمد سرمہ ضرور لگایا کرو کیونکہ وہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے اور پلکیں اگاتا ہے۔

اثمد ایک خاص سرمہ ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عام ملتا ہے۔ جاننے والے حجاج کرام وہاں سے لاتے ہیں۔ سرخ سیاہی مائل پتھر ہوتا ہے۔ پس کر سرخ رہتا ہے۔

ان احادیث میں غور فرمایئے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنکھوں کو جلا بخشنے اور پلکیں اگانے

کی نسبت سرمے کی طرف فرما رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقی طور پر جلا بخشنے اور پلکیں اگانے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ کو سمجھے اور مجازی طور پر فعل کی نسبت ذریعے اور وسیلے کی طرف کر دے تو یہ شرک نہیں ہے۔

شرم وحیاء کا وصف مبارک بھی دوسرے اوصاف حمیدہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں اکمل طور پر تھا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آپ کثرت حیاء کی وجہ سے کسی شخص کے چہرے پر نظریں نہیں جماتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَشَدُّ حَیَآءً مِّنَ الْعَذْرَآءِ فِیْ خِدْرِھَا پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء والے تھے۔

(بخاری:۶۱۱۹،مسلم:۶۰۳۲)

نیچی نظروں کی شرم و حیاء پر درود اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

شرم وحیاء ہی انسان کا وہ وصف جمیل ہے جس کی آغوش میں اخلاق وکردار کی خوبیاں پرورش پاتی ہیں۔ جو انسان اس وصف سے کامل طور پر متصف ہوجاتا ہے وہ اخلاق حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے اور جس انسان میں یہ صفت نہ رہے وہ پھر بے حیائی وبے شرمی کا مجسمہ ہوکر جو چاہے کرسکتا ہے۔ اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ کہ جب تو نے شرم وحیاء نہیں کی تو جو چاہے کر۔ (بخاری:۶۱۲۰)

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

افسوس آج مسلمانوں کی اکثریت شرم وحیا کا دامن چھوڑ کر بے شرمی وبے حیائی کا شکار ہوچکی ہے اور یہ مرض روز بروز بڑھتا ہی چلا جارہا ہے

اے مسلماں جائے عبرت ہے یہ تیرے واسطے
ہوش میں آ خواب غفلت سے تجھے کیا ہوگیا

اللہ تعالیٰ نے آپ کے بصر شریف کا وصف قرآن کریم میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی یعنی شب معراج میں آپ کی آنکھ نے ان آیات کے دیکھنے

سے عدول وتجاوز نہ فرمایا کہ جن کے دیکھنے کے لیے آپ مامور تھے۔

(زرقانی علی مواہب، ج ۵، ص ۲۴۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنَا؟ وَاللهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ وَ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ

(بخاری کتاب الصلوٰۃ: ۱:۴۱۷، مسلم: ۹۵۸)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرا موںھ صرف قبلہ کی طرف دیکھتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ پر نہ تمہارا رکوع اور نہ تمہارا خشوع پوشیدہ ہے اور بے شک میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

ف: خشوع، دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ (فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾) معلوم ہوا کہ قلوب کی کیفیتیں بھی نگاہ مصطفیٰ سے پوشیدہ نہیں

اے فروغت صبح آثار و دہور | چشم تو بینندۂ ما فی الصدور

(ڈاکٹر اقبال)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلٰى مَا وَرَآئِيْ كَمَا اَنْظُرُ اِلٰى مَا بَيْنَ يَدَيَّ (دلائل النبوت ابونعیم، ص ۲۷۷، خصائص، ج ۱، ص ۶۱، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۸۲)

بے شک میں اپنے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ میں اپنے آگے سے دیکھتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرٰى فِي اللَّيْلِ فِي الظُّلْمَةِ كَمَا يَرٰى فِي النَّهَارِ فِي الضَّوْءِ (خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۱، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۸۲)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اندھیرے میں بھی ایسا ہی دیکھا کرتے تھے جیسا کہ دن کی روشنی میں۔

ان روایتوں کے لکھنے کے بعد علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَالْمَعْنٰی اَنَّ رُؤْیَتَهٗ فِی النَّهَارِ الصَّافِیْ وَاللَّیْلِ الْمُظْلِمِ مُتَسَاوِیَةٌ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا رَزَقَهُ الْاِطِّلَاعَ بِالْبَاطِنِ وَالْاِحَاطَةَ بِاِدْرَاكِ مُدْرِكَاتِ الْقُلُوْبِ جَعَلَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ فِیْ مُدْرِكَاتِ الْعُیُوْنِ وَمِنْ ثَمَّ كَانَ یَرَی الْمَحْسُوْسَ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ كَمَا یَرَاهُ مِنْ اَمَامِهٖ

(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۸۲)

پس معنی یہ ہے کہ آپ کا روشن دن اور اندھیری رات میں دیکھنا برابر ہے اس لیے کہ جب اللہ نے آپ کو باطن کی اطلاع اور دل کی باتوں کا پورا پورا ادراک عطا فرما دیا تو ایسا ہی آپ کی آنکھوں کو بھی (ظاہری و باطنی) ادراک عطا فرما دیا، چنانچہ آپ اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے آگے سے دیکھتے تھے۔

اور یہی وہ مبارک آنکھیں ہیں جو ساری کائنات کا مشاہدہ فرما رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ (الاحزاب)

اے نبی بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حاضر و ناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا آفتاب

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جمیلہ بیان فرمائے ہیں۔ ان اوصاف میں سے ایک وصف جمیل شاہداً ہے اور شاہداً کے معنی ہیں حاضر و ناظر۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا (یونس:۶۱)

اور تم جو بھی عمل کرتے ہو ہم تم پر حاضر و موجود ہوتے ہیں۔

(۲) وَاللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ (آل عمران)

اور اللہ شہید ہے اس پر جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔

(۳) اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۳۳﴾ (النساء)

بے شک اللہ ہر چیز پر شہید ہے۔

(۴) اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ (البقرہ: ۱۳۳)

کیا تم (اس وقت) حاضر و موجود تھے جب کہ یعقوب (علیہ السلام) کے پاس موت آئی تھی

(۵) فَمَنۡ شَہِدَ مِنۡکُمُ الشَّہۡرَ فَلۡیَصُمۡہُ (البقرہ، ۱۸۵)

پس جو بھی تم میں سے رمضان کے مہینہ میں موجود ہو تو وہ ضرور روزے رکھے۔

(۶) اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَلۡیَشۡہَدۡ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾ (نور)

زانیہ عورت اور زانی مرد پس مارو ان دونوں کو سو سو درے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں تمہیں ان کو سزا دیتے وقت ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر و موجود ہو۔

(۷) قَالَتۡ یٰۤاَیُّہَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۚ مَا کُنۡتُ قَاطِعَۃً اَمۡرًا حَتّٰی تَشۡہَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾ (النمل)

ملکہ بلقیس نے کہا اے درباریو! مجھے میرے (اس) کام میں بتاؤ (کیونکہ) میں کوئی کام تمہاری موجودگی کے بغیر طے نہیں کرتی۔

(۸) قَالُوۡا فَاۡتُوۡا بِہٖ عَلٰۤی اَعۡیُنِ النَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡہَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ (الانبیاء)

انہوں نے کہا لاؤ ابرہیم کو لوگوں کے سامنے، تا کہ لوگ دیکھیں (کہ کون ہے جس نے بتوں کو توڑا ہے)

(۹) مَا شَہِدۡنَا مَہۡلِکَ اَہۡلِہٖ (النمل: ۴۹)

اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت ہم حاضر و موجود نہ تھے۔

(۱۰) وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ؀ (البروج)

اور قسم ہے حاضر کی اور اس کی جس پر وہ حاضر ہوتے ہیں۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

ان آیات میں خط کشیدہ الفاظ کو دیکھیے ان کا سب کا مادہ شہادت اور شہود ہے، اور شہادۃ وشہود کا معنیٰ ہے حاضر و ناظر ہونا، چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلشُّهُوْدُ وَالشَّهَادَةُ اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ

(مفردات، ص ۲۶۹)

شہود اور شہادت کے معنی ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ۔

گواہ کو بھی شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ شاہداً کا معنیٰ حاضر و ناظر ہے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کس پر حاضر و ناظر ہیں۔ تو اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر ابوالسعود و تفسیر روح المعانی و تفسیر جمل میں ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا عَلٰى مَنْ بُعِثْتَ اِلَيْهِمْ تُرَاقِبُ اَحْوَالَهُمْ وَ تُشَاهِدُ اَعْمَالَهُمْ وَ تَتَحَمَّلُ مِنْهُمُ الشَّهَادَةَ بِمَا صَدَرَ عَنْهُمْ مِّنَ التَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ وَ سَائِرِ مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْهُدٰى وَالضَّلَالِ وَ تُوَدِّيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَدَاءً مَّقْبُوْلًا فِيْمَا لَهُمْ وَمَا عَلَيْهِمْ

(تفسیر ابوالسعود علی الکبیر، ج ۷، ص ۴۱۵، جمل، ج ۳، ص ۴۴۲، روح المعانی، ص ۴۲)

ہم نے بھیجا آپ کو شاہد (حاضر و ناظر) بنا کر ان سب پر جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے آپ ان کے احوال کی نگہبانی کرتے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان سے تحمل شہادت فرماتے یعنی ان کے گواہ بنتے ہیں، ان تمام چیزوں پر جو ان سے صادر ہوئیں تصدیق سے اور تکذیب سے اور باقی ان تمام چیزوں سے جن پر وہ ہیں ہدایت اور گمراہی سے اور آپ اس شہادۃ کو ادا فرمائیں گے

قیامت کے دن ان تمام باتوں سے جو ان کے لیے مفید اور مضر ہوں گی۔

اور اسی طرح تفسیر بیضاوی و تفسیر مدارک و تفسیر جلالین میں ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا عَلٰى مَنْ بُعِثْتَ اِلَيْهِمْ

ہم نے بھیجا آپ کو شاہد (حاضر و ناظر) بنا کر ان سب پر جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے۔

ان تمام معتبر تفاسیر سے ثابت ہوا کہ آپ ان سب پر حاضر و ناظر ہیں جن کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ کس کس کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہیں، تو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً

(مسلم شریف: ۱۱۶۷)

میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

پس ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کو اپنی بصر یا بصیرت مبارکہ سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ حَتّٰى رَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا

(مسلم شریف: ۷۲۵۹)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا (یعنی سمیٹ کر مثل ہتھیلی کے کر دیا) یہاں تک کہ میں نے ساری دنیا اور اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَاهُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ نے میرے لیے دنیا کے حجابات اٹھا دیئے ہیں تو میں دنیا اور جو کچھ بھی اس میں قیامت

كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی كَفِّیْ هٰذِهٖ — تک ہونے والا ہے۔ سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے کہ اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔ (زرقانی علی المواہب، ج ۷، ص ۲۰۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْهِ مِنْ مَّقَامِیْ هٰذَا — تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے اور میں اس کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔

(بخاری شریف: ۴۰۴۱، مسلم: ۵۹۷۶)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ نگاہ نبوت سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے آپ مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔

حضور اکرم سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ شَیْءٍ لَمْ اَكُنْ اُرِیْتُهٗ اِلَّا رَاَیْتُهٗ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا حَتَّی الْجَنَّةِ وَالنَّارِ — کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ہونے والی ہو مگر میں نے اس کو اس مقام پر دیکھ لیا ہے یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی۔ (بخاری: ۸۶)

ف: جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔

معلوم ہوا کہ نگاہ مصطفیٰ کی رسائی تحت الثریٰ سے لے کر ثریا بلکہ اس سے بھی وراء الوریٰ تک ہے۔ نیز نکرہ حیز نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ كَمَا هُوَ مُصَرَّحٌ فِیْ كُتُبِ الْاُصُوْلِ پس ثابت ہوا کہ کوئی چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رؤیت سے خارج نہیں۔ فافہم

سر عرش پر ہے تیری گزر دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

(اعلیٰ حضرت)

جنگ موتہ جو ملک شام میں ہو رہی تھی، اس کے سارے حالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں بیٹھے بیٹھے صحابہ کرام کو بتائے، جو علم اسلام اٹھاتا، اور جس جس صورت میں وہ شہید ہوتا، آپ بتاتے جا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

(بخاری: ۴۲۶۲، مشکوٰۃ: ۵۸۸۷)

اسی اثنا میں آپ مسکرانے لگے، آپ سے مسکرانے کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دوستوں کے قتل ہو جانے پر غمگین ہوا مگر اب انہیں جنت میں ایک دوسرے کے مقابل تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر خوشی سے مسکرایا ہوں۔ (خصائص کبریٰ)

جب حضرت یعلیٰ بن منبہ جنگ موتہ کی خبر لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جنگ کے تفصیلی حالات پہلے میں تجھ کو بتاؤں یا تو بتائے گا، اس نے عرض کیا آپ ہی بتائیں! آپ نے جو کچھ وہاں ہوا، جو جو کسی پر گزرا جس جس طرح کوئی شہید ہوا، سب تفصیلاً سنا دیا۔ حضرت یعلیٰ نے سن کر کہا۔ خدا کی قسم آپ کے بیان اور اصل واقعات میں سرمو فرق نہیں ہے۔ واقعی اسی طرح ہوا جس طرح کہ آپ نے حرف بحرف بتا دیا ہے۔ (بیہقی، ابونعیم، ج ۴، ص ۳۶۵، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۹، سبل الہدیٰ، ج ۶، ص ۱۵۳)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ (ترمذی: ۲۳۱۲، ابن ماجہ: ۴۱۹۰، مشکوٰۃ: ۵۳۴۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بے شک میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ فِىْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ (مشکوٰۃ: ۷۲۵)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب تعالیٰ کو احسن صورت میں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِبَصَرِهٖ وَ مَرَّةً بِفُؤَادِهٖ

بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا ایک بار سر کی آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔

(طبرانی: ۱۲۵۶۴، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۱۶۱)

ان ہی سے امام بیہقی نے کتاب الرؤیت میں روایت فرمائی کہ

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اِبْرَاهِيْمَ بِالْخُلَّةِ وَاصْطَفٰى مُوْسٰى بِالْكَلَامِ وَاصْطَفٰى مُحَمَّدًا بِالرُّؤْيَةِ (زرقانی علی المواہب، ج۶،ص۱۱۷، خصائص کبریٰ، ج۱،ص۱۶۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خلت سے اور موسیٰ (علیہ السلام) کو کلام سے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ (ابن خزیمہ، زرقانی علی المواہب، ج۶،ص۱۱۸)

بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

اَنَا اَقُوْلُ بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ بِعَيْنِهٖ رَاٰى رَبَّهٗ رَاٰهُ رَاٰهُ حَتّٰى انْقَطَعَ نَفْسُهٗ (شفاء شریف، ج۱،ص۱۲۰)

میں حدیث ابن عباس کے مطابق (عقیدہ رکھتے ہوئے) کہتا ہوں کہ آپ نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا، دیکھا دیکھا یہاں تک فرماتے رہے کہ سانس ٹوٹ گئی۔

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ

لَقَدْ رَاٰى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهٗ (شفا شریف، ج۱،ص۱۲۰)

بلاشبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام ابوالحسن اشعری اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے۔

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَى اللّٰهَ تَعَالٰى بِبَصَرِهٖ وَعَيْنَىْ رَاْسِهٖ (شفاء شریف، ج۱،ص۱۲۱)

کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ان سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

اَلرَّاجِحُ عِنْدَ اَکْثَرِ الْعُلَمَآءِ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَبَّہٗ بِعَیْنَیْ رَاْسِہٖ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ

اکثر علماء کے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

(زرقانی علی المواہب، ج ٦، ص ١١٦)

ان روایات سے صراحۃً ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھا، بعض لوگ آیۂ کریمہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ سے استدلال کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ دیدار الٰہی ناممکن اور محال ہے۔

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ آیت میں ادراک یعنی احاطہ کی نفی ہے نہ کہ رؤیت کی کیونکہ ادراک کے معنی ہیں مدرک کے جوانب وحدود پر محیط ہونا چنانچہ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور جمہور مفسرین ومحدثین ادراک کی تفسیر احاطہ سے فرماتے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کوئی آنکھ اس کا احاطہ کرلے، کیونکہ احاطہ اس چیز کا ہوسکتا ہے جس کے حدود وجوانب ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لیے حدود وجوانب محال ہیں لہٰذا اس کا ادراک واحاطہ بھی محال اور ناممکن ہے۔

اور رؤیت ودید کے معنی ہیں کہ بصر کسی چیز کو جیسی کہ وہ ہو ویسا جانے، تو جو چیز جہت والی ہوگی، اس کی رویت ودید جہت میں ہوگی، اور جس کے لیے جہت نہ ہوگی اس کی دید بے جہت ہوگی، جو لوگ ادراک اور رؤیت میں فرق نہیں کرتے وہ اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ ہوگئے۔

نیز اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے لیے سوال نہ کرتے۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اے میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں دیکھوں) اور ان کے جواب میں فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ (اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم بھی مجھ کو دیکھ لوگے) نہ فرمایا جاتا بلکہ یوں کہا جاتا لَنْ یَّرَانِیْ اَحَدٌ (مجھے ہرگز کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا)

یالَنْ اُرٰی (کہ میں ہرگز دیکھا ہی نہیں جا سکتا) تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کو استقرار پہاڑ پر معلق فرمایا، اور استقرار پہاڑ ناممکن ہے، محال نہیں لٰہذا دیدار الٰہی بھی ممکن ہوا محال نہ ہوا کیونکہ جو چیز امر ممکن پر معلق کی جائے وہ بھی ممکن ہی ہوتی ہے محال نہیں ہوتی تو دیدار الٰہی جس کو پہاڑ کے ثابت رہنے پر معلق فرمایا گیا، ممکن ہوا۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ دیدار الٰہی کو محال بتاتے ہیں ان کا قول باطل ہے۔

ان دلائل حقہ سے ثابت ہوا کہ بلا شبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا، اور بلا واسطہ کلام فرمایا ؎

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رسول علیہ السلام مطلع است بہ نور نبوت بر دین ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال بد و نیک شمارا و اخلاق و نفاق شمارا، لٰہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔

(تفسیر عزیزی، ج ۱، ص ۲۳۶)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ میں ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اس کی ترقی میں مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال کو اور تمہارے اخلاق و نفاق کو جانتے پہچانتے ہیں لٰہذا ان کی گواہی دنیا میں بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔

حضرت شیخ المحدثین شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلاف نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم و باقیست و بر اعمال امت حاضر و ناظر است (حاشیہ اخبار الاخیار)

اس اختلاف و کثرت مذاہب کے باوجود جو علماء امت میں ہیں اس مسئلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقی زندگی کے ساتھ بغیر تاویل ومجاز کے احتمال کے زندہ، دائم اور باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما وہ مسلم ہستیاں ہیں جن کی ہر بات واجب التسلیم ہے، اہل علم وفضل ان حضرات کے علم وفضل زہد وتقویٰ کو خوب جانتے ہیں۔ ان حضرات کا یہ فرمانا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور نبوت سے ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ آپ کے حاضر وناظر ہونے کا کس قدر روشن ثبوت ہے۔ بصورت دیگر یہ کہنا پڑے گا کہ ان حضرات نے بغیر تحقیق کے ایسا فرما دیا۔ معاذ اللہ

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سید الانبیاء والمرسلین ہیں، آپ کے غلاموں کی یہ شان ہے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَ عِزَّةِ رَبِّیْ اَنَّ السُّعَدَآءَ وَالْاَشْقِیَاءَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَاِنَّ عَیْنِیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَاَنَا غَائِصٌ فِیْ بِحَارِ عِلْمِ اللّٰہِ

(زبدۃ الآثار وبہجۃ الاسرار، ص ۲۲)

مجھے رب العزت کی قسم! بے شک سعداء اور اشقیاء مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں اور میری آنکھ لوح محفوظ میں دیکھتی ہے۔ میں علم الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔

نیز فرمایا ؎

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا کَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِیْ

(قصیدۂ غوثیہ)

میں نے خدا کے سارے شہروں کو یوں دیکھا ہے جیسے ایک رائی کا دانہ ہو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں لوح محفوظ میں دیکھتا ہوں''۔(تفسیر مظہری، ج۵،ص۲۰۰)

سید العارفین مولانا روم علیہ الرحمۃ القیوم فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء　　از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

لوح محفوظ اولیاء اللہ کے پیش نظر ہوتی ہے　　اور جو کچھ اس میں محفوظ ہے وہ خطا سے محفوظ ہے کہ حضرت عزیزاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین گروہ اولیاء کے سامنے مثل دستر خوان کے ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ساری زمین ان کے سامنے ایسی ہے، جیسے روئے ناخن کوئی چیز بھی ان کی نظر سے غائب نہیں ہے۔

حضرت عزیزاں علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین درنظر ایں طائفہ چوں سفرہ ایست و مامی گوئم چوں روئے ناخنیست ہیچ چیز ازنظر ایشاں غائب نیست (نفحات الانس،ص۳۴۸)

شیخ المحدثین، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع کبیر میں اور طبری و ابونعیم نے حضرت حارث ابن مالک انصاری سے روایت کی جس کو مولانا روم نے بھی مثنوی شریف دفتر اول میں بیان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ایک دن فرمایا۔

گفت پیغمبر صباحے زیدرا　　کیف اصبحت اے رفیق باصفا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت زید سے فرمایا اے مخلص دوست تم نے کس حالت میں صبح کی۔

گفت عبدا مومنا بازش بگفت　　کو نشاں از باغ ایماں گر شگفت

انہوں نے عرض کیا مومن بندہ کی سی حالت میں پھر آپ نے فرمایا اگر باغ ایمان کھلا ہے تو اس کی نشانی کیا ہے۔

گفت خلقاں چوں بہ بیند آسماں　　من بہ بینم عرش را با عرشیاں

عرض کیا مخلوق تو آسمان کو دیکھتی ہے، میں عرش کو عرشیوں سمیت دیکھتا ہوں۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من　　ہست پیدا ہم چوبت پیش شمن

آٹھوں بہشت اور ساتوں جہنم میرے سامنے اس طرح نمودار ہیں جس طرح بت پرست کے آگے بت۔

یک بیک وامی شناسم خلق را　　ہم چو گندم من زجو در آسیا

میں مخلوق کو ایک ایک کر کے پہچانتا ہوں۔جس طرح چکی کے کارخانہ میں گیہوں اور جو میں فرق کرلیا جاتا ہے۔

کہ بہشتی کیست و بیگانہ کی است　　پیش من پیدا چوما روما ہی ست

کہ بہشتی کون ہے اور ملعون کون ہے۔میرے سامنے سانپ اور مچھلی کی طرح الگ الگ ظاہر ہیں۔

اہل جنت پیش چشمم ز اختیار　　در کشیدہ یک بہ یک رادر کنار

جنتی لوگ میری آنکھ کے سامنے پسندیدگی کے ساتھ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے ہیں۔

کرشد ایں گوشم زبانگ آہ آہ　　از حنین و نعرۂ و احرتا

میرے یہ کان دوزخیوں کی ہائے ہائے کی آواز اور رونے چلانے اور ہائے افسوس کے نعرہ سے بہرے ہو گئے۔

یا رسول اللہ بگویم سر حشر　　در جہاں پیدا کنم امروز نشر

یارسول اللہ میں حشر کا بھید کہہ ڈالوں،آج ہی جہاں میں سب راز ظاہر کردوں۔

ہین بگویم یا فرو بندم نفس　　لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

ہاں فرمایئے سب کچھ کہہ ڈالوں یا چپ رہوں جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں اپنا لب دانتوں میں چبایا۔مراد یہ تھی،چپ رہو۔

اب غور فرمایئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی یہ شان ہے کہ کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا شان ہے۔کیا ان کی نگاہ نبوت سے کوئی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں

فوائد

(۱) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے اور پیچھے، نیچے اور اوپر یکساں دیکھتے ہیں۔

(۲) یہ کہ اندھیرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حجاب نہیں ہے، اندھیرے اور روشنی میں بھی یکساں دیکھتے ہیں۔

(۳) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری دنیا اور جو کچھ بھی اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو مثل کف دست ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۴) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور ہر امتی کے ظاہری اور باطنی تمام حالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر ہیں۔

(۵) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو بے حجاب ان آنکھوں سے دیکھا

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا؟
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود

(٦) یہ کہ عرش وفرش جنت و دوزخ، لوح محفوظ اولیاء اللہ کے پیش نظر ہوتے ہیں۔

گوش مبارک

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دو گوش مبارک کامل و تام تھے۔قوت بصر کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت سمع بھی بطریق خرق عادت غایت درجہ کی عطا فرمائی تھی کہ آپ قریب و بعید کو یکساں سنتے تھے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ (ترمذی:۲۳۱۲، ابن ماجہ:۴۱۹۰، مشکوٰۃ:۵۳۴۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کے وقت نکلے تو آپ نے ایک آواز سنی۔

فَقَالَ یَھُوْدُ تُعَذَّبُ فِیْ قُبُوْرِھَا (بخاری شریف:۱۳۷۵)

تو فرمایا کہ یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا:

یَا بِلَالُ ھَلْ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ قَالَ لَا وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَآ اَسْمَعُہٗ قَالَ اَلَا تَسْمَعُ اَھْلَ الْقُبُوْرِ یُعَذَّبُوْنَ (المستدرک للحاکم:۱۱۸)

اے بلال کیا تو سنتا ہے جو میں سنتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ میں نہیں سنتا فرمایا کیا تو نہیں سنتا ان قبر والوں (یہودیوں) کو عذاب ہو رہا ہے (اور وہ واویلا کر رہے ہیں)

حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ناگہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ۔

فَقَالَ النَّاسُ یَا رَسُوْلَ اللهِ مَا هٰذَا قَالَ مَرَّبِیْ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ فَسَلَّمَ عَلَیَّ (خصائص کبریٰ، ج۱، ص۲۶۱، المستدرک: ۴۹۴۵، ۴۹۳۷)

حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے کس کو سلام کا جواب دیا ہے؟ فرمایا: جعفر بن ابی طالب فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اوپر سے گزرے ہیں انہوں نے مجھے سلام کیا جس کا میں نے جواب دیا ہے۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک رات میرے ہاں تشریف فرما تھے آپ حسب معمول نماز تہجد کے لیے اٹھے اور وضو کرنے کی جگہ تشریف لے گئے:

فَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ فِیْ مُتَوَضَّاهُ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ فَلَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ فِیْ مُتَوَضَّائِكَ لَبَّیْكَ ثَلَاثًا وَ نُصِرْتَ ثَلَاثًا تُکَلِّمُ اِنْسَانًا فَهَلْ کَانَ مَعَكَ اَحَدٌ فَقَالَ هٰذَا رَاجِزٌ یَّسْتَصْرِخُنِیْ

تو میں نے سنا کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ میں تیرے پاس پہنچا، اور تو مدد کیا گیا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وضو کر کے باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم نے میں سنا ہے کہ آپ نے تین مرتبہ لبیک اور تین مرتبہ نصرت فرمایا ہے گویا کہ آپ کسی انسان سے کلام فرما رہے ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی تھا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ راجز مجھ سے فریاد کر رہا ہے۔

ف: حالانکہ وہ مکہ میں تھا اور حضور مدینہ میں، مگر حضور نے اس کی فریاد کو سنا اور دست گیری فرمائی۔

واقعہ یہ تھا کہ صلح حدیبیہ میں بنی بکر قریش کی طرف سے ذمہ دار تھے اور خزاعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ذمہ دار تھے اور یہ ذمہ داری اس عہد پر تھی کہ آئندہ دس سال

میں باہمی جنگ نہ ہوگی۔ مگر قریش نے عہد اور شرائط کو توڑ دیا اور بنی بکر وغیرہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ (اصابہ: ۵۸۵۱، سبل الہدی والرشاد، ج ۵، ص ۲۰۲، طبرانی صغیر: ۹۶۸)

اس وقت حضرت عمر بن سالم راجز نے مکہ مکرمہ سے فریاد کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگی، جس کے جواب میں آپ نے تین مرتبہ ''لبیک'' اور تین مرتبہ ''نصرت'' فرما کر اس کی مدد فرمائی۔

چنانچہ بعد ازاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش پر چڑھائی کی اور مکہ فتح ہو گیا گویا ظاہری اور باطنی امداد کا ظہور ہوا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُّصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُهٗ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَ بَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَ بَعْدَ وَفَاتِيْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ

(جلاء الافہام، ابن قیم، ص ۳۷، طبرانی: ۵۸۹، سبل الہدی والرشاد، ج ۱۲، ص ۳۵۸)

کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے (یعنی میں اس کی آواز کو سنتا ہوں) چاہے وہ کہیں ہو، صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ اور وفات کے بعد بھی (آپ سنیں گے؟) فرمایا اور وفات کے بعد بھی، کیونکہ اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) نے حرام قرار دیا ہے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا۔

دلائل الخیرات شریف کے خطبہ میں ہے:

قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ صَلٰوةَ الْمُصَلِّيْنَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَمَنْ يَّاْتِيْ بَعْدَكَ مَا حَالُهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوةَ اَهْلِ مَحَبَّتِيْ وَاَعْرِفُهُمْ (دلائل

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک، آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے

الخیرات ص ۳۵، مطبوعہ مطبع کریمی، بمبئی) درود کو خود سنتے ہیں اور ان کو پہچانتے ہیں۔

حضرت ابوبکر محمد بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ عِنْدَ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ مُجَاهِدٍ فَجَاءَ الشِّبْلِىُّ فَقَامَ اِلَيْهِ اَبُوْبَكْرِ بْنُ مُجَاهِدٍ فَعَانَقَهٗ وَ قَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَقُلْتُ لَهٗ يَا سَيِّدِىْ تَفْعَلُ هٰذَا بِالشِّبْلِىِّ وَاَنْتَ وَ جَمِيْعُ مَّنْ بَغْدَادٍ يَتَصَوَّرُ اَنَّهٗ مَجْنُوْنٌ فَقَالَ لِىْ فَعَلْتُهٗ بِهٖ كَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ بِهٖ وَ ذٰلِكَ اَنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْمَنَامِ وَقَدْ اَقْبَلَ الشِّبْلِىُّ فَقَامَ اِلَيْهِ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَفْعَلُ هٰذَا بِالشِّبْلِىِّ فَقَالَ هٰذَا يَقْرَءُ بَعْدَ صَلٰوتِهٖ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اِلٰى اٰخِرِهَا وَ يَقُوْلُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَلَمَّا دَخَلَ الشِّبْلِىُّ سَاَلْتُهٗ عَمَّا يَذْكُرُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ (جلاء الافہام، ابن قیم، ص ۲۹۷)

کہ میں حضرت ابوبکر بن مجاہد کے پاس تھا تو شبلی آئے اور ابوبکر بن مجاہد اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور اس سے معانقہ کیا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو میں نے کہا اے میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ ایسا کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ اور تمام بغداد والے اسے دیوانہ تصور کرتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے شبلی کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ یہ شبلی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آیا تو آپ اس کے لیے کھڑے ہو گئے اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ شبلی کے ساتھ ایسا کرتے ہیں؟ (یہ تو دیوانہ ہے) تو آپ نے فرمایا یہ شبلی ہر نماز کے بعد پڑھتا ہے "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ" آخر

سورت تک اور پھر تین مرتبہ کہتا ہے ''صلی اللہ علیك یا محمد!'' حضرت محمد فرماتے ہیں کہ میں نے شبلی سے پوچھا تو انہوں نے تصدیق کی اور ویسے ہی بیان کیا جیسے میں نے سنا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس کو جنگ کا چیلنج کر دیا اور جن چیزوں کے ذریعہ بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میری طرف ہمیشہ نزدیگی حاصل کرتا رہتا ہے۔

حَتّٰی اَحۡبَبۡتُہٗ فَاِذَا اَحۡبَبۡتُہٗ فَکُنۡتُ سَمۡعَہُ الَّذِیۡ یَسۡمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیۡ یُبۡصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیۡ یَبۡطِشُ بِھَا وَ رِجۡلَہُ الَّتِیۡ یَمۡشِیۡ بِھَا (بخاری شریف: ۶۵۰۲)

یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سمع ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا بندے میں حلول کر جاتا ہے یا بندہ خدا ہو جاتا ہے؟ یا اس کے اعضاء کان، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ خدا ہو جاتے ہیں، معاذ اللہ۔ پھر اس کا مطلب کیا ہے؟

بعض کم فہم لوگ تو اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بندہ نیک ہو جاتا ہے پھر آنکھوں سے کوئی بری و ناجائز چیز دیکھتا نہیں، کانوں سے کوئی برا کلام سنتا نہیں، ہاتھوں سے کوئی برا کام کرتا نہیں، اور پاؤں سے کسی برے کام کے لیے چل کر جاتا نہیں، پھر وہ ہر کام شرع کے مطابق کرتا ہے۔

حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا بالکل غلط اور کم فہمی کی دلیل ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ الخ یعنی جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سمع ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے الخ جس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ یہ مرتبہ محبوب ہونے کے بعد ملتا ہے، اور نیک ہونا، برے کاموں سے بچنا اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنا تو محبوبیت سے پہلے لازمی ہے۔ فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۹۶﴾ (توبہ:۹۶) بے شک اللہ تعالیٰ تو فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔ اور فرمایا میرے حبیب کہہ دیجئے فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهِ۔ اے لوگو! میری اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا۔ معلوم ہوا کہ نیک ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع کر کے مقام محبوبیت کا حاصل کرنا پہلے ہے اس کے بغیر تو مقام محبوبیت کا حصول ہی ناممکن ہے اور یہ مرتبہ محبوب ہونے کے بعد ملتا ہے جو پرہیز گاری، قرب، نوافل اور محبوبیت کا نتیجہ وثمرہ ہے پھر وہ بندہ مظہر صفات الٰہیہ ہو جاتا ہے اور کمال انسانیت کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہو۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا پیکر ہو جاتا ہے۔

پھر صفات خداوندی کا جلوہ اس میں نظر آنے لگتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سنتا ہے اور دور و نزدیک کو دیکھتا ہے اور دور و نزدیک اور مشکل و آسان میں تصرف کرتا ہے جیسا کہ اس حدیث کی شرح میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ الْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ الْمُقَامَ الَّذِیْ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰهِ سَمْعًا لَّهٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَصَرًا لَّهٗ رَاَى الْقَرِیْبَ وَالْبَعِیْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ یَدًا لَّهٗ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِیْ

اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت لہ سمعاً وبصراً فرمایا ہے جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سننے لگ جاتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ دور و

الصَّعْبِ وَالسَّهْلِ وَالقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ
(تفسیر کبیر، ج ۵،ص ۶۸۸، مصری)

نزدیک کی چیزوں کو دیکھنے لگ جاتا ہے۔ اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ مشکل و آسانی میں دور اور قریب تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

جب اولیاء اللہ کی یہ شان ہے تو مظہر ذات وصفات سرور کائنات حبیب خالق کائنات جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی کیا شان ہو گی جو سید المرسلین حبیب رب العالمین ہیں، کیا وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو نہیں سنتے۔ کیا وہ قریب و بعید کو نہیں دیکھتے۔ کیا و مشکل و آسانی سے دور اور قریب تصرف نہیں فرماتے؟ ہاں ہاں وہ ضرور سنتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں ؎

سنتے ہیں دیکھتے ہیں سمیع و بصیر ہیں منکر کو ہے وعید عذاب شدید کا

مفتی عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ حضرت عباس نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا اور آپ ان دنوں چہل روزہ تھے؟ آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے ہاتھ میرا مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھے رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا آپ ان دنوں چہل روزہ تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے پروردگار کی تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ بلفظہ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، ج ۲،ص ۹۷، مطبوعہ یوسفی واقع لکھنو)

اس حدیث میں غور فرمایئے کہ جب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی قوت سماعت کا یہ حال ہے کہ شکم مادر میں رہ کر لوح محفوظ پر چلتے ہوئے قلم کی اور عرش کے نیچے تسبیح کرنے والے فرشتوں کی آواز سنتے تھے تو کیا آج گنبد خضراء میں رہتے ہوئے درود وسلام کی آوازیں نہیں سنتے؟ یقیناً سنتے ہیں۔

آج کل کی حیرت انگیز ایجادات مثلاً ریڈیو، ٹیلے وژن وغیرہ کو دیکھ کر بہت سے مسائل

حل ہوجاتے ہیں۔ ہزاروں میلوں کے فاصلے سے بولنے والے کی آواز بذریعہ ریڈیو سن لی جاتی ہے تو کیا اللہ کے پیارے محبوب، طالب ومطلوب جو روحانیت ونورانیت کا منبع ومخزن ہیں اپنی روحانی قوت سے ہمارے درود وسلام کی آواز نہیں سن سکتے؟ یقیناً سنتے ہیں! ورنہ بصورت دیگر روحانیت کا انکار لازم آتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ مادی قوت وطاقت کے مقابلے میں روحانی قوت وطاقت بہت زیادہ ہے کیونکہ مادی دنیا میں تو بجلی، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کے بغیر نہیں سنا جا سکتا لیکن روحانی دنیا میں تو ان میں سے کسی کی بھی احتیاج نہیں ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو بہت بڑی شان ہے حضور کے درباریوں کی سماعت کا یہ حال ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِلّٰہِ مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاءَ الْخَلَآئِقِ کُلِّھَا وَھُوَ قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ اِذَا مِتُّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فَلَیْسَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلَّا سَمَّاہُ بِاسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ قَالَ یَا مُحَمَّدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ فُلَانٌ کَذَا وَ کَذَا (بخاری فی التاریخ: ۲۸۳۱، جلاء الافہام ابن قیم، ص ۶۲، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۲۸۰)

کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو تمام مخلوقات کی قوت سماعت عطا ہوئی ہے اور وہ میرے روضہ انور پر میری وفات سے لے کر قیامت تک قائم رہے گا جو بھی میرا امتی مجھ پر درود پڑھے گا، وہ فرشتہ اس کا نام اور اس کے باپ کا نام لے کر کہے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں بن فلاں نے آپ پر اس طرح ان الفاظ سے درود بھیجا ہے۔

اسی لیے شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذکر کن اورا و درود بفرست بروئے علیہ السلام و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو اورا

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرو اور حضور پر درود بھیجو تو ایسے رہو کہ گویا حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں

متادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بداں
که دے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می بیند و می شنود کلام ترا
زیرا کہ وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متصف است
بصفات الٰہیہ و یکے از صفات الٰہی آنست
کہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ
(مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۶۲۱)

اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور اجلال و تعظیم
اور ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیکھتے اور تمہارے کلام کو
سنتے ہیں کیونکہ حضور صفات الٰہیہ سے
متصف ہیں اور خدا کی ایک صفت یہ ہے
کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔

مصطفی آئینہ روئے خداست
منعکس در وے ہمہ خوئے خداست
(اقبال)

فوائد

(۱) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت باصرہ اور قوت سامعہ عام انسانوں کی سی نہیں۔
(۲) یہ کہ حضور دور و نزدیک سے یکساں سنتے اور دور و نزدیک کو یکساں دیکھتے ہیں۔
(۳) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر درود پڑھنے والے کی آواز کو سنتے ہیں اور قیامت تک سنتے رہیں گے۔
(۴) یہ کہ ہر نماز کے بعد یہ درود صلی اللہ علیک یا رسول اللہ پڑھنا حضور کو بہت ہی پسند ہے اور پڑھنے والے کو وہ شرف حاصل ہوتا ہے جو حضرت شبلی کو حاصل ہوا۔
(۵) یہ کہ انبیاء کرام و اولیاء عظام بالاجماع اپنی قبروں میں زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں اور افعال مبارکہ بجالاتے ہیں جیسا کہ دنیا میں بجالاتے تھے۔
(۶) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر صفات الٰہیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور مصطفی کی ذات سے ہوتا ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)



لب شیریں و دندان مبارک

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے
ان ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب مبارک نہایت خوبصورت اور سرخی مائل تھے۔ دندان مبارک کشادہ، روشن و تاباں تھے، جب آپ کلام فرماتے تھے، تو دندان پیشیں میں سے نور نکلتا دکھائی دیتا، اور جب آپ تبسم فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں، اور آپ کو کبھی جماہی نہیں آئی۔ باوجود اس کے کہ آپ کے دندان مبارک نہایت چمکیلے اور صاف تھے پھر بھی آپ ان کی صفائی کا بہت اہتمام فرماتے، احادیث میں آتا ہے کہ آپ کسی نماز کے لیے تشریف نہ لے جاتے تاوقتیکہ مسواک نہ فرما لیتے، اور جب بھی کہیں باہر سے گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلا کام مسواک کرنا ہوتا۔ یہ سب کچھ امت کی تعلیم کے لیے تھا۔ چنانچہ فرمایا مسواک ہمیشہ کیا کرو کہ وہ سبب ہے منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا، نیز فرمایا دو رکعتیں جو مسواک کر کے پڑھی جائیں بے مسواک کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُءِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ (دارمی: ۵۹، مشکوٰۃ: ۵۷۹۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کے دندان مبارک کشادہ تھے۔ جب آپ کلام فرماتے تو آپ کے دانتوں سے نور نکلتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضَحِكَ يَتَلَأْلَوءُ فِي الْجُدُرِ (خصائص الکبریٰ، ج۱، ص ۸۴، جمع الوسائل، ج۲، ص ۱۵)

کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندہ فرماتے (تو دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتیں) جن سے دیواریں روشن ہو جاتیں۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا كَانَ ضَحِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا تَبَسُّمًا

(ترمذی کتاب المناقب: ۳۶۴۲)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا سوائے تبسم کے نہ تھا۔

یعنی اکثر اوقات تبسم اور مسکرانا ہی ہوتا تھا اور کبھی کبھی ایسے حالات و واقعات بھی پیش آ جاتے کہ آپ اس قدر ہنس پڑتے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو جاتے چنانچہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس شخص کو خوب پہچانتا ہوں جو سب سے آخر دوزخ سے نکلے گا۔ وہ ایسا آدمی ہوگا جو گھسٹتا ہوا آئے گا۔ اس سے کہا جائے گا جا جنت میں داخل ہو جا۔ وہ جنت میں جا کر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام منازل پر قبضہ کر رکھا ہے۔ وہ واپس آ کر عرض کرے گا کہ اے میرے رب لوگوں نے تمام مقامات پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب تو کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ ارشاد ہوگا کہ وہ دنیا تجھے یاد ہے جس میں تو رہتا تھا کہ وہ کتنی بڑی تھی؟ وہ عرض کرے گا یاد ہے! ارشاد ہوگا اچھا کچھ تمنا کرو کیا چاہتے ہو؟ وہ اپنی تمنا و آرزو بیان کرے گا۔ ارشاد ہوگا:

فَاِنَّ لَكَ الَّذِىْ تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ اَضْعَافِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُبِىْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ (جمع الوسائل، ج ۲، ص ۱۹)

کہ تمہیں تمہاری تمنائیں بھی دیں اور تمام دنیا سے دس گناہ زیادہ بھی دیا۔ حضور فرماتے ہیں، وہ کہے گا اے اللہ آپ عظیم الشان بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں؟ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اس شخص کے اس جواب پر اتنے ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔

اللہ اللہ اس حدیث مبارک میں غور فرمائیے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے حساب انعام واکرام اور بے حد رحمت وعنایت کا اندازہ کیجئے کہ جب ایسے شخص پر جو سب سے آخر جہنم سے نکالا گیا جس سے اس کا سب سے زیادہ گنہگار رہنا ثابت ہوتا ہے اس قدر کرم ہوا کہ اس کو یقین نہیں آ رہا تھا وہ انتہائی عجز وانکسار سے یہ خیال کر رہا تھا کہ کہاں میں عبد ذلیل اور کہاں اس قدر رحمت واحسان۔ میں کبھی اس کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا ہوں۔ یہ گویا میرے

ساتھ ہنسی کی جا رہی ہے۔ مگر وہ کیا جانے کہ وہ بے نیاز بے حد رحم و کرم والا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ خیال کر کے کہہ دیا ہو کہ وہاں تو کوئی جگہ خالی ہی نہیں رہی اور آپ مجھے ساری دنیا سے دس گنا زیادہ عطا فرما رہے ہیں یہ عجیب مذاق ہے جو ہرگز آپ کی شان کے لائق نہیں اور چونکہ یہ منظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر تھا اور آپ اس کے جواب پر اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر ہنس پڑے۔ بہرصورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا اکثر تبسم اور کبھی کبھی اتنا زیادہ، کہ دندان مبارک ظاہر ہو جاتے مگر قہقہہ لگا کے نہیں ہنستے تھے۔

اور آپ بعض وقت اپنے صحابہ سے خوش طبعی اور مزاح بھی فرما لیتے تھے مگر یہ خوش طبعی اور مزاح ایسا نہ ہوتا تھا جو آپ کی شان اور وقار کے خلاف ہوتا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو آپ کا رعب اور ہیبت و وقار جو بہت ہی زیادہ تھا، صحابہ کے لیے انتفاع کی راہیں مسدود کر دیتا۔ آپ نے اس کا اہتمام اس لیے فرمایا کہ آپس میں خوشگوار تعلقات پیدا ہوں، میل ملاپ اور مروت ومحبت بڑھے اور باہم سوال وجواب میں بے تکلفی پیدا ہو۔ نیز امت کے لیے سہولت اور تفریح طبع کا دروازہ کھل جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایسا مزاح و مذاق جو قساوت قلبی کا باعث ہو جائے یا ذکر الٰہی سے روک دے یا دوسرے کی اذیت کا باعث ہو جائے یا انسان کی عزت و وقار کو گرا دے وہ جائز نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔

اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ اِنِّیْ لَآ اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا (درمنثور، ج ٦، ص ١٢٢، جمع الوسائل، ج ٢، ص ٢٨)

یا رسول اللہ آپ ہم سے خوش طبعی بھی فرما لیتے ہیں؟ فرمایا ہاں! لیکن اس وقت بھی میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مزاحاً فرمایا: يَا ذَا الْاُذُنَيْنِ، (اے دو کانوں والے) ظاہر ہے کہ ان کے کان دو ہی تھے۔ بات بھی غلط نہ ہوئی اور مزاح بھی ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص نے خدمت اقدس میں درخواست کی کہ مجھ کو سواری کے لیے کوئی جانور عطا ہو؟ فرمایا تجھے اونٹنی کا بچہ دیں گے! اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لے

کر کیا کروں گا (مجھے تو سواری کے لیے چاہیے) فرمایا کوئی اونٹ ایسا بھی ہے جو کسی اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔ (جمع الوسائل، ج ۲، ص ۲۸)

اسی طرح ایک بوڑھی عورت نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے جنت میں داخل فرمادے؟ آپ نے فرمایا اِنَّ الْجَنَّةَ لَا یَدْخُلُھَا عَجُوْزٌ کہ جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہ ہو گی۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا ان سے کہہ دو کہ وہ بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں نہ جائے گی بلکہ جوان ہونے کی حالت میں جائے گی۔ (جمع الوسائل، ج ۲، ص ۳۱)

اسی طرح ایک بدوی صحابی تھے جن کا نام ''زاہر'' تھا وہ جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو گاؤں کی چیزیں سبزی ترکاری اور پھل پھول وغیرہ لاتے اور بطور ہدیہ پیش کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کو کھانے پینے کا سامان اور شہر کے تحفے وغیرہ عطا فرماتے۔ آپ فرماتے کہ زاہر ہمارے لیے جنگل (دیہات) ہے اور ہم اس کے لیے شہر ہیں۔ یعنی ہم اس سے جنگل کی چیزیں پا کر مستفید ہوتے ہیں اور وہ ہم سے شہر کی اشیاء پا کر مستفید ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے خاص محبت رکھتے اور وہ ظاہری صورت کے لحاظ سے خوش شکل نہ تھے۔ ایک مرتبہ کسی جگہ کھڑے ہوئے وہ سامان جو گاؤں سے لاتے تھے فروخت کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اتفاق سے وہیں تشریف لے آئے اور اچانک پیچھے سے دونوں ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ کر ان کو آغوش میں لے لیا۔ انہوں نے کہا ارے یہ کون ہے چھوڑو مجھے؟ لیکن ہاتھوں کی ٹھنڈک اور مہک کو پہچان لیا کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو اپنی پشت کو ذرا پیچھے کر کے آپ کے سینہ انور سے لگا دیا اور (تبرکا) زور زور سے ملنے لگے اور رحمت کے خزینے سے فیض و سرور حاصل کرنے لگے آپ نے فرمایا کون ہے جو اس بندے کو خریدے؟

حضرت زاہر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر مجھے فروخت کریں تو گھٹیا اور بہت کم قیمت پائیں گے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اللہ کے

لٰكِنَّ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ اَوْقَالَ اَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ (جمع الوسائل، ج ۲، ص ۲۹)
نزدیک گھٹیا اور کم قیمت نہیں ہو بلکہ بیش قیمت ہو۔

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قبر انور میں رکھا گیا تو میں نے آخری دیدار کی غرض سے آپ کے چہرۂ انور کی زیارت کی۔

اِذَا رَاَیْتُ شَفَتَیْهِ یَتَحَرَّكُ فَاَدْنَیْتُ اُذُنِیْ عِنْدَهَا فَسَمِعْتُ وَهُوَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ فَاَخْبَرْتُهُمْ بِهٰذَا فَتَعَجَّبُوْا بِشَفْقَتِهٖ عَلٰی اُمَّتِهٖ (کنز العمال، حجۃ اللہ علی العلمین، مدارج النبوت، ج۲، ص ۴۴۲، درۃ الناصحین، ص ۷۰، بیروت)
جب میں نے دیکھا تو آپ کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے تھے میں نے اپنے کانوں کو نزدیک کر کے سنا تو آپ فرما رہے تھے اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میں نے یہ بات سب حاضرین کو سنائی تو اس شفقت امت پر سب دنگ رہ گئے۔

اس قدر ہم ان کو بھولے ہائے ہائے
ہر گھڑی جن کو ہماری یاد ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان تو بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے اور آپ بلاشبہ حقیقی جسمانی دنیاوی حیات رکھتے ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے لہٰذا اگر قبر میں بخشش امت کی دعا فرمائیں تو کیا تعجب ہے آپ کے غلاموں کو آپ کی غلامی اور اتباع کی برکت سے یہ مرتبہ اور مقام حاصل ہے کہ وہ زندہ ہیں اور وفات کے بعد کلام کرتے ہیں، اس بارے میں اس قدر صحیح اور مستند روایات ہیں کہ اگر سب قلمبند کی جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بن جائیں۔ چند روایات ہدیہ قارئین ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے حضرت ثابت بن قیس کو دفن کیا تھا، جب ان کو دفن کیا تو انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ابوبکر صدیق ہیں، عمر شہید ہیں، عثمان نیک و رحیم ہیں (رضی اللہ عنہم) یہ سن کر ہم

نے ان کو دیکھا تو وہ مردہ تھے۔ (بخاری فی التاریخ: ۱۳۴۴، ابن عساکر: ج۳۹، ص۲۲۰، شرح الصدور، ص۹۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا جب غسل کے بعد کفن دیا گیا تو انہوں نے ایک آواز دی، جب ان کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا تو وہ کہہ رہے تھے محمد رسول اللہ نبی امی، خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، یہ پہلی کتابوں میں ہے، سچ فرمایا سچ فرمایا، پھر کہا یہ رسول اللہ ہیں۔ السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ برکاتہ، پھر ویسے مردہ ہو گئے جیسے کہ پہلے تھے۔ (طبرانی: ۵۱۴۴، جمال الاولیاء، ص۳۹)

امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب تابعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت زید بن خارجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی کی صداقت کی بھی گواہی دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج۶، ص۵۵، جمال الاولیا، ص۳۸، طبرانی کبیر: ۵۱۴۵)

ف: چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے پہلے ان کی وفات ہوئی اس لیے ان کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت منہال بن عمرو تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک دمشق میں پھرایا گیا تو سر کے آگے ایک شخص سورۂ کہف پڑھتا جا رہا تھا، جب وہ اس آیت پر پہنچا اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا یعنی بلاشبہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے تو سر مبارک نے بلند آواز سے فرمایا اَعۡجَبُ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡكَهۡفِ قَتۡلِیۡ وَحَمۡلِیۡ۔

کہ اصحاب کہف کے واقعے سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجیب تر ہے۔

(خصائص کبریٰ، ج۲، ص۱۲۷، شرح الصدور، ص۸۸)

حضرت ابو معشر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ہمارے قریب ہی ایک صاحب

انتقال کر گئے۔ جب ان کو نہلانے کے لیے لٹایا گیا تو وہ اچانک اٹھ بیٹھے اور اپنی انگلیاں آنکھوں پر رکھ کر فرمایا واللہ میری آنکھوں نے دیکھا، میری آنکھوں نے دیکھا، میری آنکھوں نے دیکھا کہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف اپنی آنتیں آگ میں چکی کی طرح گماتے پھرتے ہیں، پھر وہ بدستور مردہ ہو کر لیٹ گئے۔ (شرح الصدور، ص ۳۰)

حضرت ابو محمد رضی اللہ عنہ جو کہ مروزی کے شاگردوں میں سے ہیں جن کو ''خلال'' اپنے اوپر فضیلت دیا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں ایک میت کو نہلا رہا تھا کہ اچانک اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور آنکھ کھول کر فرمایا ''اے ابو محمد ہوشیاری کے ساتھ اس موقع کے لیے سامان تیار کرو''۔ (تاریخ ابن النجار، مواہب الرحمن)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ واثق باللہ عباسی نے حضرت امام احمد بن نصر الخزاعی محدث کو کہا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرو۔ انہوں نے انکار کیا، تو اس نے آپ کو قتل کر دیا اور سر مبارک لٹکا دیا اور ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ سر کے پاس رہے۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ میں ہر روز رات کو دیکھتا تھا کہ امام صاحب کا سر مبارک قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتا تھا۔ (شرح الصدور، ص ۸۸)

حضرت ابراہیم بن اسمٰعیل فرماتے ہیں۔

کہ جب میرے ماموں احمد بن نصر کو قتل کیا گیا تھا تو مجھے خبر پہنچی کہ رات کے وقت ان کا سر قرآن پڑھتا ہے، ایک رات جب کہ لوگ سو رہے تھے میں وہاں گیا تو میں نے سنا کہ آپ کے سر مبارک نے پڑھا۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝۲ (العنکبوت) یہ سن کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ (شرح الصدور، ص ۸۸)

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ میں میرے پاس ایک مرید آیا اور اس نے کہا اے استاد میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا۔ یہ لو ایک دینار آدھے سے میری قبر کھدوانا اور آدھے سے مجھے کفن دینا۔ چنانچہ جب دوسرا روز اور ظہر کا وقت ہوا تو وہ

آیا اور بیت اللہ کا طواف کیا اور کچھ دور جا کر لیٹ گیا اور مر گیا۔

فَلَمَّا وَضَعْتُهٗ فِی اللَّحْدِ فَتَحَ عَیْنَیْهِ فَقُلْتُ اَحَیَاةٌ بَعْدَ الْمَوْتِ فَقَالَ اَنَا مُحِبٌّ وَ کُلُّ مُحِبِّ اللّٰهِ حَیٌّ

(شرح الصدور، ص ۸۶)

تو جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں تو میں نے کہا، کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہے تو اس نے کہا، میں محب ہوں اور ہر محب خدا زندہ ہے۔

حضرت شیخ نجم الدین اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک شخص کے دفن میں حاضر ہوئے تو جب تلقین کرنے والے نے تلقین شروع کی۔

فَسَمِعَ الْمَیِّتَ وَهُوَ یَقُوْلُ اَلَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ مَّیِّتٍ یُلَقِّنُ حَیًّا

(شرح الصدور، ص ۸۶)

تو اس میت سے سنا کہ وہ کہتا ہے کہ کیا تم تعجب نہیں کرتے ہو کہ مردہ زندہ کو تلقین کرتا ہے۔

حضرت ربیع بن حراش اور ربعی بن حراش رضی اللہ عنہما دونوں بھائی بڑے عابد و زاہد اور تابعی ہیں، انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک ہمیں اپنا جنتی ہونا معلوم نہ ہو جائے گا ہم ہنسیں گے نہیں، چنانچہ وہ زندگی بھر نہ ہنسے، لیکن جب ان کی وفات ہونے پر ان کو تختے پر لٹایا گیا تو وہ ہنسنے لگے۔ جس کو سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(شرح الصدور، ص ۳۰، نووی شرح مسلم، الحاوی للفتاوی، دلائل النبوۃ بیہقی، ج ۶، ص ۴۵۵، خصائص، ج ۲، ص ۱۴۹)

اور ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا

یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یَّتَکَلَّمُ بَعْدَ الْمَوْتِ

(خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۹)

کہ میری امت میں ایک مرد ہوگا جو موت کے بعد کلام کرے گا۔

چنانچہ جب ربیع بن حراش نے موت کے بعد اچانک اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا اور کہا

السلام علیکم اور ہنسے تو ان کے بھائی ربعی بن حراش نے کہا اے بھائی کیا تم زندہ ہو؟ انہوں نے کہا نہیں لیکن میں اپنے رب سے ملا تو میرا رب مجھ سے روح و ریحان اور خوشی کو مہربانی سے پیش آیا اس لیے میں ہنسا ہوں اب تم لوگ جلدی کرو کیونکہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر نماز پڑھنے کے لیے منتظر ہیں۔ (شرح الصدور)

یہ واقعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب ذکر کیا گیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میرا ایک امتی مرنے کے بعد کلام کرے گا۔ (خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۹)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں ایک نیک بی بی کا انتقال ہوا۔ غسل دینے والی غسل دیتے ہوئے جب مقام خاص پر پہنچی تو شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر بولی یہ کس قدر زنا کار تھی، اسی وقت اس کا ہاتھ وہیں چمٹ گیا، اور ایسا چمٹا کہ اس کے جدا کرنے کی سب نے بہت ہی کوشش کی مگر ہاتھ جدا نہ ہوا، آخر اس کا ذکر علماء، وفقہاء کی خدمت میں کیا گیا کہ کوئی علاج وتدبیر بتائیں، سب کے سب عاجز ہوئے لیکن امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غسل دینے والی کو حد قذف (یعنی وہ سزا جو شریعت نے زنا کی تہمت لگانے والے کے لیے مقرر کی ہے) لگائی جائے، آپ کے اس ارشاد کے مطابق جب اس عورت کو اسی درے مارے گئے تب ہاتھ جدا ہوا۔ (بستان المحدثین، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص ۱۵)

مولانا عبدالحی فرنگی محلی فرماتے ہیں کہ میرے بزرگوں میں مولانا اظہار الحق لکھنوی کی وفات ہوئی تو مرتے وقت ان کی زبان پر کلمہ جاری نہ ہوا۔ تجہیز وتکفین کے وقت عزیز و اقارب میت کے پاس سے ہٹ گئے تو بعض نے طعن دیتے ہوئے کہا کہ تھے تو بڑے متقی لیکن مرنے کے وقت کلمہ کی توفیق نہ ہوئی، پس ان کا یہ کہنا تھا کہ مولانا مرحوم نے اپنے دونوں پاؤں کو سمیٹا اور بلند آواز کے ساتھ اللہ کا نام ان کی زبان پر جاری ہوا۔

(رسالہ دارالعلوم دیوبند ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء)

یہ چند روایات ان لوگوں کے متعلق ہیں جنہوں نے وفات کے بعد قبل از دفن کلام کیا

ہے اور دفن کے بعد کلام کرنا تو بہت ہی کثرت سے آیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے پہلے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے علی جب میری وفات ہو جائے تو مجھے تم اپنے انہی ہاتھوں سے غسل دینا جن ہاتھوں سے تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا تھا اور پھر میرا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ مبارک کے سامنے رکھ دینا۔ اگر دروازہ کھل جائے اور قبر انور سے آواز آئے کہ ابوبکر کو اندر لے آؤ تب تو مجھے حجرۂ مبارکہ میں دفن کرنا، ورنہ جنت البقیع، مومنین کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ چنانچہ صحابہ کرام آپ کو حجرۂ مبارکہ کے سامنے لے گئے اور سلام عرض کرنے کے بعد کہا یا رسول اللہ! یہ ابوبکر ہیں؟ پس اسی وقت حجرہ مبارکہ کا دروازہ کھل گیا اور قبر انور سے آواز آئی

اَدْخِلُوا الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ فَاِنَّ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ مُشْتَاقٌ

(تفسیر کبیر للرازی، ج ۵، ص ۴۷۸، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۲۸۹، کنز العمال: ۳۵۷۹۲)

اور زمانہ واقعہ حرہ میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور سے برابر تین روز تک اذان و اقامت کا سننا اور اس کے مطابق نماز ادا کرنا، حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں گزر چکا ہے اور اس کے علاوہ اتنے واقعات ہے کہ بیان نہیں ہو سکتے [1]۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ حقیقی و جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کا درجہ و مرتبہ بہت ہی بلند و بالا ہے آپ کے چند غلاموں کے صحیح واقعات ہدیہ ناظرین ہیں جن سے اہل روحانیت کے مقام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَلْمُؤْمِنُ يُعْطٰى مُصْحَفًا فِىْ قَبْرِهٖ يَقْرَأُ فِيْهِ — کہ مومن کو اس کی قبر میں قرآن شریف دیا جاتا ہے تو وہ اس میں پڑھتا ہے۔

(شرح الصدور، ص ۷۹)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا مال لانے کا قصد کیا جو غابہ

---

[1]۔ اس قسم کے واقعات کی کچھ جھلک دیکھنی ہو تو حضرت والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی کتاب ''راہ عقیدت'' دیکھئے۔ (کوکب غفرلہ)

میں تھا تو مجھ کو راستہ میں رات ہو گئی۔

فَاَوَیْتُ اِلٰی قَبْرِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حِزَامٍ فَسَمِعْتُ قِرَآءَۃً مِّنَ الْقَبْرِ مَا سَمِعْتُ اَحْسَنَ مِنْھَا فَجِئْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ ذٰلِکَ عَبْدُ اللّٰہِ

(شرح الصدور، ص۷۹)

تو میں نے عبداللہ بن عمرو بن حزام کی قبر کو ٹھکانا بنایا تو میں نے ان کی قبر سے ایسی عمدہ قرأت سنی کہ اس سے بہتر میں نے نہیں سنی تھی۔ پھر میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا وہ عبداللہ ہے (پڑھنے والا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعض اصحاب نے ایک قبر پر اپنا خیمہ لگایا اور ان کو یہ گمان نہ تھا کہ وہ قبر ہے۔

وَاِذَا فِیْہِ اِنْسَانٌ یَّقْرَاُ سُوْرَۃَ الْمُلْکِ حَتّٰی خَتَمَھَا فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِیَ الْمُنْجِیَۃُ ھِیَ الْمَانِعَۃُ تُنْجِیْہِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

(ترمذی:۲۸۹۰، حاکم:۳۸۳۹، بیہقی، ج۷، ص۴۱، شرح الصدور، ص۷۹)

اچانک انہوں نے سنا کہ اس قبر میں ایک انسان سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اس کو ختم کیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت منجیہ اور مانعہ ہے کہ قاری کو عذاب قبر سے بچاتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ضمۃ مہلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ان لوگوں نے بیان کیا جو صبح کے وقت مقام حصن سے گزرتے تھے۔

قَالُوْا کُنَّا اِذَا مَرَرْنَا بِجَنْبَاتِ قَبْرِ ثَابِتِ نِ الْبَنَانِیِّ سَمِعْنَا قِرَاءَۃَ الْقُرْاٰنِ

(شرح الصدور، ص۷۹)

انہوں نے کہا کہ جب ہم حضرت ثابت بنانی کی قبر کے پاس سے گزرتے تھے تو ہم قرأت قرآن سنتے تھے۔

حضرت عاصم السقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی تو وہ دوسری قبر میں کھل گئی میں نے اس میں نظر کی

فَاِذَا شَیۡخٌ فِی الۡقَبۡرِ مُتَوَجِّہٌ اِلَی الۡقِبۡلَۃِ وَ عَلَیۡہِ اِزَارٌ اَخۡضَرُ وَ اَخۡضَرُ مَا حَوۡلَہٗ وَ فِیۡ حُجۡرِہٖ مُصۡحَفٌ وَھُوَ یَقۡرَاُ (شرح الصدور، ص ۸۰)

تو کیا دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص قبلہ رخ بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس پر سبز رنگ کی چادر ہے اور اردگرد بھی سبزہ ہے اور اس کی گود میں قرآن شریف ہے اور وہ پڑھ رہا ہے۔

حضرت ابو النضر نیشا پوری گورکن ایک نہایت صالح اور پرہیز گار بزرگ تھے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک قبر کھودی تو وہ دوسری قبر میں کھل گئی۔

فَنَظَرۡتُ فِیۡہِ فَاِذَا اَنَا بِشَابٍ حَسَنُ الۡوَجۡہِ حَسَنُ الثِّیَابِ طَیِّبُ الرِّیۡحِ جَالِسًا مُرَبَّعًا وَفِیۡ حُجۡرِہٖ کِتَابٌ مَّکۡتُوۡبٌ بِخِضۡرَۃٍ اَحۡسَنَ مَا رَاَیۡتُ مِنَ الۡخُطُوۡطِ وَ ھُوَ یَقۡرَاُ الۡقُرۡاٰنَ فَنَظَرَ الشَّابُ اِلَیَّ فَقَالَ اَقَامَتِ الۡقِیَامَۃُ؟ قُلۡتُ لَا فَقَالَ اَعِدِ الۡمُدۡرَۃَ اِلٰی مَوۡضِعِھَا فَاَعِدۡتُّھَا اِلٰی مَوۡضِعِھَا (شرح الصدور، ص ۸۰)

تو میں نے اس میں نظر کی تو اچانک میں نے دیکھا کہ ایک جوان خوب رو، خوش پوش، خوشبودار، چارزانو بیٹھا ہے اور اس کی گود میں ایک کتاب ہے جو خط سبز سے نہایت خوش خط لکھی ہوئی ہے اور وہ قرآن پڑھ رہا ہے تو اس جوان نے میری طرف دیکھا اور کہا کیا قیامت قائم ہوگئی ہے؟ میں نے کہا نہیں! تو اس نے کہا اینٹ کو اپنی جگہ برابر کر کے بند کر دے تو میں نے برابر کر کے بند کر دیا۔

امام یافعی مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَمِنَ الۡمَشۡھُوۡرِ اَنَّ الۡفَقِیۡہَ الۡکَبِیۡرَ الۡوَلِیَّ الشَّھِیۡرَ اَحۡمَدُ بۡنُ مُوۡسَی بۡنِ عَجِیۡلٍ سَمِعَہٗ بَعۡضُ الۡفُقَھَآءِ الصَّالِحِیۡنَ مِنۡ

اور یہ مشہور باتوں میں سے ہے کہ فقیہ کبیر، ولی شہیر احمد بن موسیٰ بن عجیل کو بعض فقہاء صالحین نے ان کی قبر میں سورۂ نور پڑھتے

قِرَاءَتِهٖ یَقْرَأُ سُوْرَۃَ النُّوْرِ فِیْ قَبْرِہٖ سنا ہے۔

(شرح الصدور، ص ۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہدائے احد کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا۔

اَشْھَدُ اَنَّکُمْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَزُوْرُوْھُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَیْھِمْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ اَحَدٌ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

(حاکم: ۲۹۷۷، بیہقی، ج ۳، ص ۲۸۴، شرح الصدور، ص ۸۴، کنز العمال: ۲۹۸۹۲)

میں شہادت دیتا ہوں کہ بلاشبہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو (پھر لوگوں سے فرمایا) اور تم ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام بھیجو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو بھی قیامت تک ان کو سلام کہے گا یہ اس کا جواب دیں گے۔

چنانچہ بہت سے بزرگوں نے شہدائے احد خصوصاً سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے علانیہ سلام کا جواب سنا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنت البقیع میں سے گزرے تو فرمایا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ اَخْبَارُ مَا عِنْدَنَآ اَنَّ نِسَآءَکُمْ قَدْ تَزَوَّجْنَ وَ دِیَارَکُمْ قَدْ سَکَنَتْ وَ اَمْوَالَکُمْ قَدْ فُرِّقَتْ فَاَجَابَہٗ ھَاتِفٌ یَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَخْبَارُ مَا عِنْدَنَا اِنَّ مَا قَدِمْنَاہُ فَقَدْ وَجَدْنَاہُ وَمَا اَنْفَقْنَاہُ فَقَدْ رَبِحْنَاہُ وَمَا خَلَفْنَاہُ فَقَدْ خَسِرْنَاہُ

(شرح الصدور، ص ۸۷، کنز العمال: ۴۲۹۷۷)

اے قبروں والو تم پر سلام ہو ہمارے پاس یہ خبریں ہیں کہ تمہاری عورتوں نے نکاح کر لیے۔ تمہارے گھروں میں اور لوگ بس گئے اور تمہارا مال تقسیم ہو گیا تو ایک نے ان کو جواب دیا کہ اے عمر بن خطاب ہمارے پاس یہ خبر ہے کہ ہم نے جو آگے بھیجا تھا اس کو ہم نے پا لیا ہے اور جس کو ہم نے خرچ کیا تھا اسی کا ہم نے نفع اٹھایا ہے اور جس کو ہم نے پیچھے چھوڑا تھا اس کا ہم

نے نقصان اٹھایا ہے۔

اسی قسم کی ایک روایت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے۔

(شرح الصدور، ص ۸۷)

حضرت یحییٰ بن ابی ایوب الخزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت میں ایک نوجوان عابد وزاہد تھا۔ امیر المومنین اس کو بہت پسند فرماتے۔ اس کا باپ بوڑھا تھا۔ تو جب وہ نماز عشاء سے فارغ ہو کر اپنے باپ کی طرف لوٹتا تو اس کے راستہ میں ایک عورت رہتی تھی جو اس پر فریفتہ تھی چنانچہ وہ اپنے دروازے پر اس کے گزرنے کے وقت کھڑی ہوتی اور اس کو دیکھتی۔ ایک رات اس عورت نے اس نوجوان کو بہکانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ نوجوان اس کے بہکانے میں آ کر اس کے گھر میں داخل ہو گیا تو ایک دم اس کو خدا یاد آیا اور وہ اس برائی سے بیزار ہو گیا اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾۔ (☆) اور ایسا خوف خدا اس پر طاری ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ عورت مذکورہ نے اپنی ایک باندی کو بلایا اور دونوں نے اس نوجوان کو اٹھا کر اس کے دروازے پر ڈال دیا۔ جب وہ اپنے باپ کے پاس نہ پہنچا تو اس کا باپ اس کی تلاش میں نکلا۔ جونہی اس کے باپ نے دیکھا تو اس کو دروازے کے پاس بیہوش پڑا پایا۔ اس نے اپنے بعض گھر والوں کو بلایا اور انہوں نے اس نوجوان کو اٹھا کر گھر میں داخل کیا۔ جب اس کو افاقہ ہوا تو باپ نے کہا بیٹا تجھے کیا ہوا؟ بیٹے نے کہا خیر ہے! باپ نے کہا خدا کے واسطے مجھے بتا دے؟ تو بیٹے نے باپ کو واقعہ بتا دیا۔ باپ نے کہا بیٹا تو نے کون سی آیت پڑھی تھی؟ بیٹے نے وہی آیت جو پھر پڑھی تو پھر اس پر خوف خدا طاری ہوا اور پھر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ باپ نے اس کو ہلایا مگر وہ مر چکا تھا۔ گھر والوں نے رات ہی رات میں اس کا کفن دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو یہ خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو آپ اس نوجوان کے باپ کے

☆ ترجمہ: بے شک جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کا طائفہ مس کرتا ہے تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (الاعراف: ۲۰۱)

پاس تشریف لائے اور تعزیت کی اور فرمایا مجھے کیوں نہ بلایا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین رات کی وجہ سے آپ کو تکلیف نہیں دی تو فرمایا اچھا مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔

فَاَتٰی عُمَرُ وَمَنْ مَّعَهُ الْقَبْرَ فَقَالَ عُمَرُ یَا فُلَانُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَاَجَابَهُ الْفَتٰی مِنْ دَاخِلِ الْقَبْرِ یَا عُمَرُ قَدْ اَعْطَانِیْهِمَا رَبِّیْ فِی الْجَنَّةِ مَرَّتَیْنِ

(کنز العمال: ۴۳۶۴۴، شرح الصدور، ص ۸۸)

تو حضرت عمر اور آپ کے ساتھی اس کی قبر پر آئے حضرت عمر نے فرمایا اے فلاں ''ولمن خاف مقام ربہ جنتان'' (جو اپنے رب کے دربار میں اپنے اعمال کے جواب دہی سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو جنتیں ہیں)؟ تو اس نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا اے عمر مجھ کو میرے رب نے دو جنتیں عطا فرمادی ہیں۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ سے روایت کیا ہے جو پہلے کفن چور تھے۔ فرماتے ہیں کہ:

ایک عورت فوت ہوگئی تو لوگوں نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کفن چور نے بھی پڑھی اور بوقت دفن بھی ساتھ رہا تاکہ قبر کو پہچان لے۔ جب رات کی تاریکی ہوئی تو اس نے اس عورت کی قبر کو کھودا تو عورت نے قبر کے اندر سے کہا

سُبْحَانَ اللهِ رَجُلٌ مَّغْفُوْرٌ یَاْخُذُ کَفَنَ مَغْفُوْرَةٍ قَالَ فَقُلْتُ هَبْ اَنَّهٗ غَفَرَ لَكِ فَاَنَا مَغْفُوْرٌ فَقَالَتْ اِنَّ اللهَ غَفَرَ لِیْ وَلِجَمِیْعِ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَ اَنْتَ قَدْ صَلَّیْتَ عَلَیَّ فَتَرَکَهَا وَرَدَّ التُّرَابَ ثُمَّ تَابَ وَحَسُنَتْ تَوْبَتُهٗ

(شرح الصدور، ص ۸۶، الرسالۃ القشیریہ، ج ۲، ص ۵۵۶)

سبحان اللہ! ایک بخشا ہوا آدمی ایک بخشی ہوئی عورت کا کفن لیتا ہے؟ اس نے کہا مانا کہ اللہ نے تجھے بخش دیا مگر میں کیونکر بخشا گیا! تو اس عورت نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے مجھ پر نماز پڑھی ہے بخش دیا ہے اور بلاشبہ تو نے بھی مجھ پر نماز پڑھی ہے تو اس

نے چھوڑ دیا اور مٹی کو برابر کر دیا۔ پھر اس
نے توبہ کی اور اس کی توبہ بہت اچھی ہوئی۔

امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ سے روایت کی ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ يَأْتِيْ قَبْرَ وَالِدِهٖ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ وَيَتَحَدَّثُ مَعَهٗ

کہ وہ بعض اوقات اپنے والد کی قبر پر تشریف لاتے اور ان کے ساتھ باتیں کرتے۔ (شرح الصدور، ص ۸۷)

حضرت سلیمان بن یسار الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز چند سوار قبرستان میں سے گزرے تو اچانک انہوں نے سنا کہ ایک قبر سے کوئی کہنے والا کہتا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الرَّكْبُ سِيْرُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ لَّا تَسِيْرُوْا
فَهٰذِهِ الدَّارُ حَقًّا فِيْهَا اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ
كَمْ مُنْعَمُ فِيْ نَعِيْمٍ وَ تَسْلِبُنَهُ الدُّهُوْرُ
وَاٰخِرٌ فِيْ عَذَابٍ لَبِئْسَ ذَاكَ الْمَصِيْرُ
فَكَمَا كُنْتُمْ كُنَّا فَغَيَّرَنَا رَيْبُ الْمَنُوْنِ وَ سَوْفَ كَمَا كُنَّا تَكُوْنُوْنَ

(شرح الصدور، ص ۹۱)

اے سوارو! چلو قبل اس کے نہ چل سکو یہ گھر حق ہے اس میں (تم نے بھی) ہماری طرح لوٹنا ہے۔

کتنے انعام پانے والے نعمتوں میں تھے مگر حوادث زمانہ نے ان سے وہ سب نعمتیں سلب کر لی ہیں۔

اور آخر وہ عذاب میں ہیں یہ کتنا برا انجام ہے۔ کبھی ہم بھی تمہاری طرح تھے۔ مگر ہم کو گردش زمانہ نے متغیر کر دیا اور عنقریب تم بھی ہماری طرح ہو جاؤ گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار

شریف پر برائے زیارت حاضر ہوا۔ یہ خیال کر کے کہ میں گنہگار اس قابل نہیں کہ اپنے وجود سے اس پاک مقام کو ملوث کروں دور ہی کھڑا رہا۔

درآں محل روح ایشاں ظاہر شد فرموند پیشتر بیا دوسہ قدم پیشتر رفتم و دران وقت دیدم کہ چہار فرشتہ تختے از آسمان نزدیک قبر ایشاں فرود آوردند معلوم شد کہ براں تخت خواجہ نقشبند بودند ہر دو شیخ باہم راز ہا درمیان آوردند کہ مسموع نگشت بعد ازاں تخت را فرشتگان برداشتہ بردند خواجہ قطب الدین بمن متوجہ شدند کہ پیشتر بیا دوسہ قدم دیگر پیش رفتم وہم چنیں می گفتند و قدری می رفتم تا آنکہ نہایت قرب متحقق شد آں فرموند چہ می گوئید در حق شعر؟ گفتم کلامٌ حَسنہٗ حسنٌ و قبیحہٗ قبیحٌ! فرموند بارك الله۔ چہ می گوئید در حق صوت حسن؟ گفتم ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ گفتند بارک اللہ۔ چوں ہر دو جمع شوند دراں چہ می گوئید؟ گفتم نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٌ یَھْدِی اللهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ! فرموند بارک اللہ۔ آنچہ ما میکردیم پیش ازیں نبودہ است شما ہم گاہ گاہے یکدو بیتے می شنیدہ باشید؟ گفتم در حضور خواجہ نقشبند

اس وقت ان کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور فرمایا آگے آ جاؤ۔ میں دو تین قدم آگے ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ چار فرشتے آسمان کی طرف سے ایک تخت ان کی قبر کے پاس لائے معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند تھے۔ دونوں شیخ آپس میں راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے جو سنی نہیں گئیں۔ پھر تخت کو فرشتوں نے اٹھایا اور لے گئے۔ خواجہ قطب الدین پھر میری طرف متوجہ ہوئے کہ آگے آ جاؤ میں دو تین قدم اور آگے ہو گیا اسی طرح وہ فرماتے رہے اور میں تھوڑا تھوڑا آگے ہوتا گیا یہاں تک کہ بالکل ان کے قریب ہو گیا اس وقت انہوں نے فرمایا کہ شعر کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا شعر ایک کلام ہے جو اچھا ہے وہ اچھا ہے جو برا ہے وہ برا ہے، فرمایا بارک اللہ اچھی آواز کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ فرمایا

حضرت ایں چرا نفر مودہ اند یکے از یں دو لفظ فرمودند ادب نبود یا مصلحت نبود

(انفاس العارفین، ص ۴۴)

بارک اللہ۔ جہاں یہ دونوں جمع ہو جائیں یعنی شعر بھی اچھا اور آواز بھی اچھی ہو۔ پھر کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ نور علی نور، یہ کمال پر کمال تو اللہ جس کو چاہے عطا فرما دے! فرمایا بارک اللہ! یہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اس سے پہلے نہ تھا۔ تم بھی گاہے گاہے ایک دو بیت سن لیا کرو؟ میں نے عرض کیا آپ حضرت نے یہ بات حضرت خواجہ نقشبند کی حضور میں کیوں نہ فرمائی؟ آپ نے ان دو میں سے ایک بات فرمائی کہ ادب نہیں تھا یا مصلحت نہ تھی۔

می فرمودند دیگر بار بزیارت مرقد منور ایشاں رفتم روح ایشاں ظاہر شد فرمودند ترا پسرے پیدا خواہد شد اورا قطب الدین احمد نام کن چوں زوجہ بہ سن ایاس رسیدہ بود گمان کردم کہ مراد پسر پسر ست بریں خطرہ مشرف شدند فرمودند ایں مراد من نیست ایں پسر از صلب تو خواہد بود بعد از زمانے داعیۂ تزوج دیگر پیدا شد و کاتب الحروف فقیر ولی اللہ متولد گشتہ در اول ایں واقعہ فراموش کردند بولی اللہ مسمی کردند و بعد از مدتے بیاد آمد نام دیگر قطب الدین

حضرت فرماتے تھے کہ میں ایک بار پھر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر ان کی زیارت کے لیے گیا۔ ان کی روح ظاہر ہوئی اور فرمایا تمہارے ہاں فرزند پیدا ہوگا اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ چونکہ بیوی بڑھاپے کو پہنچ چکی تھی اس لیے میں نے خیال کیا کہ مراد بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا ہوگا۔ اس خیال پر مطلع ہوئے اور فرمایا میری یہ مراد نہیں ہے بلکہ وہ فرزند تمہارے صلب سے ہوگا۔ ایک مدت کے بعد دوسری بیوی سے عقد فرمایا تو

احمد مقرر کردند (انفاس العارفین، ص ۴۴)

یہ کاتب الحروف فقیر ولی اللہ پیدا ہوا۔ شروع میں یہ واقعہ یاد نہ رہا تو ولی اللہ نام رکھ دیا اور کچھ عرصہ کے بعد یاد آیا تو دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

یہی شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ میں اکبرآباد میں مزار محمد زاہد کے درس سے واپس آتے ہوئے ایک لمبی گلی میں شیخ سدی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار ذوق وشوق سے پڑھتا ہوا آرہا تھا ؎

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست — جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالب ست
سعدی بشو لوح دل از نقش غیر حق — علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت ست[1]

چوتھا مصرع میرے ذہن سے نکل گیا۔ اس وجہ سے مجھ میں ایک قلق اور اضطراب سا پیدا ہو گیا کہ

ناگاہ مردے دوموئے فقیر وضعے ملیح روئے از جانب یمین من برآمد وگفت ع
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است
گفتم جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ چہ قدر قلق و اضطراب از دل من زائل نمودے آنگاہ دو دستہ تنبول را برآوردہ پیش آں عزیز بردم تبسم کرد وگفت ایں اجر یاد دہانیدن است گفتم نہ ولیکن شکرانہ است! گفتم من نمی خورم...... گفت مرا ز ودمی باید رفت گفتم من ہم بشتاب میروم گفت شتاب ترمی خواہم

اچانک ایک مرد فقیری وضع رکھنے والا نہایت خوبصورت دونوں طرف کندھوں تک لٹکے ہوئے بالوں والا میری دائیں طرف سے آ گیا اور آتے ہی وہ چوتھا مصرع جو مجھے بھول گیا تھا

علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

بتا دیا۔ میں نے کہا جزاک اللہ خیر الجزاء اور میرے دل میں اس مصرع کے بھولنے کے سبب جس قدر بے چینی و اضطراب تھا سب دور ہو گیا۔ میں نے فوراً پان کے دو

[1] دوست کی یاد کے سوا جو کچھ تو نے کیا ہے عمر کو ضائع کیا ہے۔ عشق کے بھید کے سوا جو کچھ تو نے پڑھا ہے باطل ہے۔ اے سعدی اپنے دل کی تختی سے باطل نقوش دھو ڈال۔ وہ علم جو حق کا راستہ نہ دکھائے وہ جہالت ہے۔

پس قدم برداشت وآخر کوچہ نہاد دانستم کہ روح مجسم است ندا کردم کہ برنام خود ہم اطلاع دہیدتا فاتحہ میخواندہ باشم گفت سعدی ہمیں فقیر است (انفاس العارفین، ص ۴۵)

پتے پیش کیے؟ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ مصرع یاد کرانے کا اجر ہے؟ میں نے کہا نہیں بلکہ ہدیہ تشکر! فرمایا میں نہیں کھاؤں گا۔ پھر فرمایا مجھے جلدی جانا ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی جلدی ہے۔ فرمانے لگے میں تو بہت ہی جلدی جانا چاہتا ہوں۔ پھر جو قدم اٹھایا تو گلی کے آخر میں جا رکھا۔ میں سمجھ گیا کہ کسی بزرگ کی روح ہے جو مجسم ہو کر آئی ہے۔ میں نے ندا کی اپنا نام تو بتاتے جاؤ تا کہ فاتحہ پڑھا کروں۔ فرمایا وہ سعدی فقیر میں ہی ہوں۔

اس قسم کے بے شمار واقعات کتب معتبرہ میں مذکور وموجود ہیں جن سے اہل قبور صالحین کا کلام کرنا، تلاوت کلام پاک کرنا، نماز پڑھنا اور تصرف کرنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے [1]۔

[1] ا۔علمائے دیوبند کی کتب سے اقتباسات پر مشتمل اس موضوع پر میری تحقیقی کتاب ''مزارات وتبرکات اوران کے فیوضات'' ملاحظہ فرمائیں۔(کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ)

دہن مبارک

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں
اس دہن کی تراوٹ پہ لاکھوں سلام

جس سے کھارے کنویں شیرۂ جاں بنے
اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موتھ مبارک فراخ، رخسارے مبارک ہموار، سب سے زیادہ خوبرو اور خوش آواز تھے، خوش آواز ہونے کے علاوہ آپ بلند آواز اتنے تھے کہ جہاں تک آپ کی آواز پہنچتی، کسی اور کی آواز نہ پہنچتی تھی، بالخصوص خطبوں میں آپ کی آواز گھروں میں پردہ نشین عورتوں تک پہنچ جاتی تھی اور ہزاروں کے اجتماع میں جس طرح آپ کی آواز مبارک کو وہ شخص سنتا جو سب سے آگے ہوتا اسی طرح وہ شخص بھی سنتا جو سب سے پیچھے ہوتا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ‏ ‏ عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

جس میں نہریں ہیں شیر و شہد کی رواں ‏ ‏ اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہن مبارک وہ دہن ہے جس سے ایک حرف بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ آپ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۴ (النجم)

اور وہ تو کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَهُوَ الَّذِیْ لَا شَكَّ فِيْهِ (درمنثور، ج ۶، ص ۱۲۲)

جو خبر بھی میں تمہیں دیتا ہوں وہ بلا شبہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا۔

انہی سے روایت ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ فَاِنَّكَ تُدَاعِبُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا (درمنثور، ج ۶، ص ۱۲۲)

میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں کہتا اس پر بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ کبھی کبھی آپ ہم سے خوش طبعی بھی تو فرماتے ہیں

فرمایا اس وقت بھی میرے منہ سے حق کے سوا نہیں نکلتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتا اسے لکھ لیا کرتا، قریش نے مجھے منع کیا کہ ہر بات نہیں لکھنی چاہیے، کیونکہ بتقاضائے بشریت ممکن ہے کہ غصہ وغضب کی حالت میں کبھی کوئی ایسی بات بھی نکل جائے جو لکھنے کے قابل نہ ہو۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں:

فَاَمۡسَکۡتُ عَنِ الۡکِتَابِ فَذَکَرۡتُ ذٰلِكَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ فَاَوۡمَا اِصۡبَعَهٗ اِلٰی فِیۡهِ فَقَالَ اُکۡتُبۡ فَوَ الَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِهٖ مَا یَخۡرُجُ مِنۡهُ اِلَّا حَقٌّ (ابو داؤد، کتاب العلم:٣٦٤٦)

پس میں لکھنے سے رک گیا اور اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک لکھو، اور انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا خدا کی قسم اس منہ سے ہر حالت میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمیرہ بنت مسعود انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میری پانچ بہنیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔

فَوَجَدۡتُّهٗ یَاۡکُلُ قَدِیۡدًا فَمَضَغَ لَهُنَّ قَدِیۡدَةً ثُمَّ نَاوَلَهُنَّ الۡقَدِیۡدَ فَمَضَغۡتُهَا کُلُّ وَاحِدَةٍ قِطۡعَةً قِطۡعَةً فَلَقِیۡنَ اللّٰهَ وَمَا وُجِدَ لِاَفۡوَاهِهِنَّ خُلُوۡفٌ

(طبرانی:٨٥٢، خصائص، ج١، ص ٦٢، زرقانی علی المواہب، ج٤، ص٩٧)

آپ اس وقت قدید (خشک کیا ہوا گوشت) کھا رہے تھے۔ آپ نے ایک پارۂ قدید کو چبا کر نرم کیا اور ان کو دیا تو انہوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے کھا لیا (آپ کے دہن مبارک کی برکت سے) مرتے دم تک ان کے مونہوں سے بدبو نہیں پائی گئی ہمیشہ خوشبو آئی۔

حضرت حارث بن سراقہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تو جب ان کی شہادت کی خبر مدینہ منورہ میں ان کی والدہ اور بہن کو پہنچی، ان کو بہت صدمہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے واپس تشریف لائے تو حارث کی والدہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو خوشی کا مقام ہے، رونے کی ضرورت نہیں، اگر دوزخ میں ہے تو خدا کی قسم میں چلا چلا کر روؤں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! تمہارا بیٹا حارث جنت الفردوس میں ہے۔ (ابن ابی شیبہ: ۳۶۷۱۳، کنز العمال: ۳۰۰۲۴) وہ بولی اب میں اس کو ہرگز نہ روؤں گی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ پانی کا طلب فرمایا۔ پھر اس میں اپنے ہاتھ مبارک دھوئے اور کلی کر کے اس میں ڈال دی اور حارث کی والدہ اور اس کی بہن کو پلایا، اور فرمایا اس میں سے تھوڑا سا پانی اپنے گریبانوں پر چھڑک لو! ان دونوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے گھر چلی گئیں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد مدینہ بھر میں کوئی عورت ان سے زیادہ خوش وخرم نہیں تھی۔ (شمس التواریخ، مقاصد الاسلام، ص ۲۵۵)

خوشی اور غم آدمی کی اختیاری چیزیں نہیں ہیں، جب خوشی اور غم کے اسباب قائم ہو جائیں تو خوشی اور غم کا ہونا لازمی امر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ اس عورت کے دل پر بیٹے کی جدائی کا سخت صدمہ ہے جس سے ضرر کا اندیشہ ہے تو آپ نے اس کی تسکین کے لیے لعاب دہن استعمال فرمایا جس کی تاثیر یہ ہوئی کہ بجائے غمی کے اس کے دل میں ایسی مسرت وشادمانی پیدا ہو گئی کہ مدینہ طیبہ میں ان سے بڑھ کر کوئی شادماں نہ تھا ؎

جلتی جانیں بجھاتے یہ ہیں روتی آنکھیں ہنساتے یہ ہیں

(اعلیٰ حضرت)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک بے شرم اور بدزبان عورت تھی ایک دفعہ وہ

فَمَرَّتْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَأْكُلُ ثَرِيْدًا فَطَلَبَتْ مِنْهُ فَنَاوَلَهَا مِنْ	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزری آپ اس وقت ثرید کھا رہے تھے، اس نے بھی

بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَتْ اِنَّمَآ اُرِيْدُ مِنَ الَّذِيْ فِيْ فَمِكَ فَنَا وَلَهَا مَا فِي فَمِهٖ وَلَمْ يَكُنْ يَسْأَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعُهٗ فَلَمَّا اسْتَقَرَّ فِيْ جَوْفِهَا اُلْقِيَ عَلَيْهَا مِنَ الْحَيَاءِ مَالَمْ تَكُنِ امْرَاَةٌ بِالْمَدِيْنَةِ اَشَدَّ حَيَاءً مِّنْهَا (شفا شریف، ج۱، ص ۲۱۴، طبرانی: ۸۱۲۷، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۶۲، زرقانی علی المواہب، ج۴، ص۹۷)

اس میں سے مانگا آپ نے اس کو اس میں سے کچھ دے دیا جو آپ کے آگے رکھا تھا، وہ بولی میں یہ نہیں چاہتی بلکہ وہ جو آپ کے مونھ میں ہے، آپ نے وہی جو آپ کے دہن مبارک میں تھا نکال کر اس کو دے دیا، کیونکہ آپ سائل کے سوال کو رد نہیں کرتے تھے، وہ کھا گئی جب وہ لقمہ اس کے پیٹ میں گیا تو اس پر ایسی حیا طاری ہوئی کہ وہ حیا میں تمام عورتوں سے بڑھ گئی۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ حج کو جا رہے تھے۔ جب ہم بطن روحاء میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا جو آپ کی طرف آ رہی تھی۔ آپ نے اپنی سواری کو روک لیا، وہ حاضر ہوئی اور عرض کی یارسول اللہ میرا یہ بچہ ہے جس روز سے پیدا ہوا ہے اس روز سے آج تک اسے ہوش نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بچہ کو پکڑا اور اس کے مونھ میں تھوکا۔

وَقَالَ اخْرُجْ يَا عَدُوَّ اللهِ فَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ ثُمَّ نَاوَلَهَا اِيَّاهُ وَقَالَ خُذِيْهِ فَلَا بَأْسَ عَلَيْهِ قَالَ اُسَامَةُ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّةً اِنْصَرَفَ حَتّٰى اِذَا نَزَلَ بِبَطْنِ الرَّوْحَاءِ اَتَتْهُ تِلْكَ الْمَرْاَةُ بِشَاةٍ قَدْ شَوَتْهَا ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِيْ ذِرَاعًا فَنَاوَلْتُهٗ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِيْ ذِرَاعًا فَنَاوَلْتُهٗ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِيْ ذِرَاعًا فَقُلْتُ يَا

اور فرمایا نکل او دشمن خدا بے شک میں رسول اللہ ہوں، پھر اس لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر کے فرمایا اب اس پر کوئی اثر نہیں ہے۔ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حج سے فارغ ہو کر اسی مقام پر واپس پہنچے تو وہی عورت ایک بھنی ہوئی بکری لے کر حاضر خدمت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّمَا ھُمَا ذِرَاعَانِ وَقَدْ نَاوَلْتُكَ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ سَكَتَّ مَازِلْتَ تُنَاوِلُنِیْ ذِرَاعًا مَا قُلْتُ لَكَ وَنَاوِلْنِیْ ذِرَاعًا

(ابویعلیٰ، بیہقی، ج ۶، ص ۲۵، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۳۶، کنزالعمال: ۳۱۸۱۶)

اس کا دست مجھے دو! میں نے دیا، پھر فرمایا اس کا دست مجھے دو! میں نے دیا، پھر فرمایا اس کا دست مجھے دو! میں نے عرض کی یا رسول اللہ دست تو دو ہی ہوتے ہیں جو میں آپ کو دے چکا۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم چپ رہتے تو جب تک میں دست مانگتا رہتا تم دیتے رہتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دست کا گوشت بہت مرغوب تھا، اس لیے صحابہ کرام اکثر دست ہی پیش کیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکرر طلب فرمایا کرتے تھے۔ جب تیسرے دست کی طلب کی نوبت پہنچتی تو بمقتضائے بشریت و عادت صحابہ بھی اسی طرح عرض کرتے کہ جانور کے دو ہی دست ہوتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے فرماتے کہ اگر دینے کا قصد کرتے تو میں جتنی بار طلب کرتا تم دیتے ہی رہتے۔ (احمد: ۵۰۸۹، دارمی: ۴۵، مشکوٰۃ: ۳۲۷)

اسی طرح حضرت اسامہ سے بھی تیسری بار بکری کا دست طلب فرمایا اور انہوں نے بر سبیل تعجب یہ کہا کہ دست تو دو ہی ہوتے ہیں اور وہ میں آپ کو دے چکا ہوں جس کا ظاہر مطلب یہی ہوا کہ یا تو آپ بھول گئے ہیں اور یا جانتے ہی نہیں کہ جانور کے دو سے زیادہ دست نہیں ہوتے۔

اب یہاں خاص طور پر توجہ کی ضرورت ہے کہ یہ کلام کوئی معمولی کلام نہیں ہے۔ بلکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلام ہے اور آپ اس امر کی خبر دے رہے ہیں کہ تم اگر تیسری بار بھی دست دینے کا قصد کرتے تو ضرور دیتے اور پھر اس خبر کو بھی قسم کے ساتھ مؤکد فرمایا اور ممکن نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی خبر معاذ اللہ جھوٹی ہو سکے ویسے یہ بات حیرت انگیز ہے کہ تیسرا دست جو یقیناً معدوم تھا، اگر اس کا وجود ہوتا، تو کس طرح ہوتا؟

ظاہری اسباب تخلیق تو بالکل مفقود ہیں، اور پھر جس سے طلب فرمایا اس میں یہ صلاحیت وقدرت نہیں کہ پیدا کر کے دے مگر دیتا ضرور، معلوم ہوا کہ حضور سید المرسلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور فرمانا ہی اس کے وجود کے لیے کافی تھا ادھر تصور ہوتا۔ ادھر حق تعالیٰ پیدا فرما دیتا جس طرح جنت میں وجود اشیاء کے لیے صرف تصور کافی ہوگا۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيَ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ (حم السجدہ)

اور تمہارے لیے جنت میں ہوگا جو بھی تمہارے جی چاہیں گے اور جو بھی تم طلب کرو گے۔

اولیاء اللہ نے یہیں سے یہ بات سلوک میں داخل کر دی کہ مرشد کامل جو کچھ ارشاد اور امر کرے اس پر بغیر چون و چرا کے عمل کرنا اور نہ ہو سکے تو کم از کم اس پر آمادگی ظاہر کرنا ضروری ہے ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید　　　که سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

کیونکہ مرشد کامل جو حکم کرے گا خالی از مصلحت و حکمت نہ ہوگا اور جب تک یہ عقیدہ نہ ہو، شیخ کامل سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک محال چیز کی فرمائش کی اور جب انہوں نے اس کو پورا نہیں کیا تو آپ نے ان کا نقص عقیدہ بیان فرمایا، اسی لیے شہنشاہ عارفاں مولانائے روم علیہ رحمۃ القیوم فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیرایں سفر　　　ہست بس پر آفت و خوف و خطر

پیر کا توسل اختیار کرو کیونکہ پیر کے بغیر سلوک وطریقت کا سفر شرور نفس وشیطان کی بڑی آفات اور خوف وخطر سے پر ہے

چون گرفتی پیرہین تسلیم شو　　　ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

جب تم کسی کامل کے مرید ہو جاؤ تو خبردار ہمہ تن تسلیم بن جاؤ۔ موسیٰ کی طرح حضرت خضر کے حکم پر چلو ؎

صبر کن برکار خضر اے بے نفاق   تانگوید خضر رو ہذا فراق

اے بے نفاق تم خضر (مرشد) کے کام پر صبر وسکونت کرو تا کہ وہ یوں نہ کہہ دے کہ جاؤ ہماری تمہاری جدائی ہے۔

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن   گرچہ طفلے راکشد تو مومکن

اگرچہ وہ کشتی توڑ ڈالے تو تم دم نہ مارو۔ اور اگر وہ کسی بچہ کو مار ڈالے تو تم بے صبری نہ کرو۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست   صد درستی در شکست خضر ہست

کیونکہ اگر حضرت خضر نے دریا میں کشتی کو توڑ ڈالا تھا تو آپ کے توڑ ڈالنے میں بھی سیکڑوں مرمتیں مخفی تھیں۔

دست اورا حق چودست خویش خواند   تا ید اللہ فوق ایدیہم براند

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا یہاں تک کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہونے کا حکم جاری کیا ہے۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ بات پیر کامل کے ساتھ متعلق ہے، ناقص خصوصاً آج کل کے بعض نام نہاد پیروں کا یہ مقام نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوم حدیبیہ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہ حدیبیہ پر نزول فرمایا، آپ کے ہمراہ چودہ سو صحابہ کرام تھے۔ لشکر اسلام نے چاہ حدیبیہ کا تمام پانی نکال لیا۔ یہاں تک کہ اس میں ایک قطرہ بھی نہ تھا۔

فَبَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَتَاھَا فَجَلَسَ عَلٰی شَفِیْرِھَا ثُمَّ دَعَا بِاِنَاءٍ فَتَوَضَّاَ ثُمَّ مَضْمَضَ وَدَعَا ثُمَّ صَبَّہٗ فِیْھَا ثُمَّ قَالَ دَعُوْھَا سَاعَۃً فَاَرْوَوْا اَنْفُسَھُمْ وَرِکَابَھُمْ حَتّٰی ارْتَحَلُوْا

(بخاری: ۴۱۵۱، ومشکوٰۃ: ۵۸۸۳)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی، پس آپ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے پر بیٹھ کر پانی کا ایک برتن طلب فرمایا پھر وضو کیا اور اس میں سے منہ میں لے کر پانی کی ایک کلی کنوئیں میں ڈال دی اور دعا فرمائی اور فرمایا تھوڑی دیر

اس کو چھوڑ دو پس اس کنوئیں میں اس قدر پانی جمع ہو گیا کہ (حدیبیہ میں قریباً بیس روز قیام رہا) فوج اور ان کے اونٹ بھی اسی سے سیراب ہوتے رہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ قبا کی طرف تشریف لے گئے اور ایک کنوئیں پر پہنچے جس سے کھیتوں کو پانی دیا جاتا تھا۔ اس کنوئیں کی یہ حالت تھی کہ ہر روز اس کا پانی تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا اور پھر دن بھر خشک رہتا۔

فَمَضْمَضَ فِي الدَّلْوِ وَرَدَّهٗ فِيهَا فَجَاشَتْ بِالرَّوَاءِ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۹۱، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۴۱، سبل الہدی والرشاد، ج ۹، ص ۴۶۰)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ڈول میں کلی کر کے وہ پانی اس کنوئیں میں ڈال دیا، چنانچہ اس کی یہ حالت ہوئی کہ اس سے وہاں کی پوری زمین سیراب ہوتی اور خوب پیداوار ہوتی۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی کی درخواست کے صرف رفاہ عام کے پیش نظر لعاب مبارک کی تاثیر سے اس کنوئیں کا پانی زیادہ فرمایا یہاں مخالفین کو معجزہ دکھا کر قائل کرنا تو مقصود ہی نہ تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کی حاجت روائی اور خوشحالی کی غرض سے ایسے امور ظاہر فرماتے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ جب لوگ سخت پیاسے ہوئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ اور ایک اور شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم دونوں جاؤ تمہیں فلاں مقام پر ایک عورت پانی کی دو پکھالیں (بڑی مشکیں) لادے ہوئے اونٹ پر سوار ملے گی، اس کو میرے پاس لے آنا! وہ دونوں حضرات گئے اور انہوں نے اسے پالیا اور پوچھا کہ پانی کہاں سے لائی ہے۔ اس نے کہا کہ میں کل اس وقت وہاں

سے چلی تھی۔ انہوں نے کہا کہ تجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بلاتے ہیں اس نے کہا کون رسول اللہ؟ وہی جنہوں نے نیا دین نکالا ہے؟ انہوں نے کہا وہ اللہ کے سچے رسول ہیں اور حق لے کر آئے ہیں، اور اس کو ساتھ لے کر آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن منگوایا اور انہیں پکھالوں سے پانی لے کر اس میں کلی کی اور اس کو انہیں پکھالوں میں ڈلوا دیا، اور لوگوں میں اعلان کر دیا کہ آؤ خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ! چنانچہ سب لشکر نے پیا اور پلایا، وہ عورت کھڑی سب کچھ دیکھتی رہی۔

حضرت عمران فرماتے ہیں جب ان پکھالوں کا منہ باندھ دیا گیا تو خدا کی قسم یوں معلوم ہوتا تھا کہ پہلے سے زیادہ بھری ہوئی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس عورت کو کچھ جمع کر دو۔ چنانچہ کھجوریں، آٹا، ستو بہت کچھ اس کو جمع کر دیا۔

فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْلَمِيْنَ وَاللهِ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكَ شَيْئًا وَلٰكِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ هُوَ اسْقَانَا قَالَ فَاَتَتْ اَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ فَقَالُوْا مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِىْ رَجُلَانِ وَ ذَهَبَا بِىْ اِلٰى هٰذَا الَّذِىْ يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ بِمَا لِىْ كَذَا وَ كَذَا الَّذِىْ قَدْ كَانَ فَوَاللهِ اِنَّهٗ لَا سْحِرُ مِنْ بَيْنَ هٰذَهٖ وَ هٰذِهٖ وَقَالَتْ بِاِصْبَعَيْهَا الْوُسْطٰى وَالسَّبَابَةِ فَرَفَعَتْهُمَآ اِلَى السَّمَآءِ تَعْنِى السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ اَوْ اَنَّهٗ لَرَسُوْلُ اللهِ حَقًّا قَالَ فَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدُ يُغِيْرُوْنَ عَلٰى مَا حَوْلَهَا مِنَ

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تو جانتی ہے کہ واللہ ہم نے تیرے پانی سے کچھ کم بھی نہیں کیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں بھی پلا دیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ وہ عورت اپنے قبیلے میں پہنچی تو اس نے ان سب کو جمع کیا لوگوں نے کہا تجھے کس نے روک لیا تھا؟ وہ بولی عجیب واقعہ پیش آیا کہ مجھ کو دو شخص اس کے پاس لے گئے جس نے نیا دین نکالا ہے اور وہ واقعات جو وہاں گزرے تھے بیان کر کے کہا یا تو زمین و آسمان کے درمیان اس سے بڑا کوئی جادوگر نہیں، یا وہ بے شک اللہ کے سچے رسول ہیں! اس واقعہ کے بعد مسلمان

الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا يُصِيْبُوْنَ الصِّرْمَ الَّذِیْ هِیَ فِیْهِ فَقَالَتْ یَوْمًا لِقَوْمِهَا مَا اَرٰی اَنَّ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمَ یَدْعُوْنَکُمْ عَمَدًا فَهَلْ لَّکُمْ فِی الْاِسْلَامِ فَاَطَاعُوْهَا فَدَخَلُوْا فِی الْاَسْلَامِ

(بخاری: ۳۴۴، مسلم: ۱۵۶۳، بیہقی، ج ۴، ص ۲۷۸، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۴۳، زرقانی، ج ۵، ص ۱۶۵)

مجاہدین اس قبیلے کے اطراف و جوانب تاخت و تاراج کرتے تھے، لیکن اس قبیلے کا قصد نہیں کرتے تھے، ایک روز اس عورت نے اپنے قبیلے سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ مسلمان تمہیں قصداً چھوڑ دیتے ہیں کیا تم مسلمان ہونا مناسب سمجھتے ہو؟ لوگوں نے اس کی اطاعت کی اور وہ کل قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

اس حدیث مبارک میں غور کیجئے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لشکر کو دو پکھالوں کے پانی سے سیراب فرمایا اور وہ بھری کی بھری رہیں۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ بھری ہوئی نظر آتی تھیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ قدرت بھی حاصل تھی کہ بغیر پکھالوں کے پانی موجود فرما دیتے، جیسا کہ بارہا آپ نے اپنی مبارک انگلیوں سے چشمے جاری کیے، لیکن دو جلیل القدر صحابی بھیج کر اس عورت کو بلانے اور پکھالوں میں کلی کر کے ڈالنے میں بے شمار حکمتیں تھیں۔

ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام عبودیت نہایت پسند تھا کیونکہ یہ مقام تمام مقامات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں پانی جاری فرما دیتے تو ممکن تھا کہ کسی کو خیال ہوتا کہ آپ پانی کے خالق ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کلمہ کن مقربین بارگاہ الٰہی کو عطا ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو موجود کرنا چاہتے ہیں تو ان کا باذن پروردگار ''کن'' کہہ دینا کافی ہوتا ہے مگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود قدرت کے کمال ادب سے اس کو گوارا نہیں فرماتے تھے تاکہ کسی کو خالقیت کا گمان نہ ہو۔ دیکھیے جنت میں ہر مومن کو یہ تصرف اور اقتدار حاصل ہوگا کہ وہ جس چیز کو چاہے گا موجود ہو جائے گی، چونکہ اس کا منشا تقرب خداوندی ہے تو اگر مقربان بارگاہ الٰہی کو یہ صفت دنیا میں بھی عطا ہو جائے تو فضل الٰہی سے

کون سی بڑی بات ہے، اس قسم کے خیالات کو مشرکانہ خیالات کہنا محرومی اور نافہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

دوسرے یہ کہ نگاہ نبوت سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ یہی واقعہ ایک قبیلے کے مسلمان ہونے کا سبب بن جائے گا۔ اس وجہ سے صحابہ کرام قصداً اس قبیلے کو چھوڑ دیتے تھے اور پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس قبیلے کی عورت کے پانی سے ایک بار نفع اٹھایا ہے، اگرچہ اس عورت نے کوئی احسان نہیں کیا تھا، کیونکہ اس کے پانی سے تو ایک قطرہ بھی خرچ نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ ہو گیا تھا، تاہم یہ تو ضرور ہوا کہ قدرتی پانی اس کی پکھالوں سے نکلتا رہا، ممکن ہے اس کا پانی اس میں شامل ہو گیا ہو۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ بِدَلۡوٍ مِّنۡ مَاءٍ فَشَرِبَ مِنَ الدَّلۡوِ ثُمَّ مَجَّ فِی الۡبِئۡرِ فَفَاحَ مِنۡهَا مِثۡلُ رَائِحَةِ الۡمِسۡكِ (ابن ماجہ:۶۵۹، احمد:۸:۱۸۸۳۸، بیہقی:۵:۶۳، ابو نعیم، خصائص، ج۱،ص۶۱، زرقانی، ج۴،ص۹۶)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ڈول میں پانی لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا، اور کلی کر کے ایک کنوئیں میں ڈال دیا تو اس میں سے کستوری کی سی خوشبو آنے لگی۔

حضور کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا اس کا پانی ایسا شیریں ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر میٹھا کنواں کوئی نہ تھا۔ (خصائص کبریٰ، ج۱،ص۶۱، شفا شریف، ج۱،ص۲۱۸)

حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمرۃ العقبیٰ کے پاس رمی فرماتے ہوئے دیکھا، پھر آپ منیٰ میں اپنے مقام پر واپس تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عورت ایک لڑکے کو جو آسیب زدہ تھا لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے اس لڑکے پر کوئی بلا مسلط ہے کہ بات نہیں کرتا۔

فَاَمَرَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَتْ بِتَوْرٍ مِّنْ حِجَارَةٍ فِیْهِ مَآءٌ فَاَخَذَ بِیَدِهٖ فَمَجَّ فِیْهِ وَ دَعَا فِیْهِ وَاَعَادَهٗ فِیْهِ ثُمَّ اَمَرَهَا فَقَالَ اسْقِیْهِ وَاغْسِلِیْهِ فِیْهِ قَالَتْ فَتَبِعْتُهَا فَقُلْتُ هَبِیْ لِیْ مِنْ هٰذَا الْمَآءِ قَالَتْ خُذِیْ مِنْهُ فَاَخَذْتُ مِنْهُ حَفْنَةً فَسَقَیْتُهٗ اِبْنِیْ عَبْدَاللّٰهِ فَعَاشَ فَکَانَ مِنْ بِرِّهٖ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ یَّکُوْنَ قَالَتْ وَلَقِیْتُ الْمَرْاَةَ فَزَعَمَتْ اَنَّ ابْنَهَا بَرِاَوَ اَنَّهٗ غُلَامٌ لَا غُلَامَ خَیْرٌ مِّنْهُ وَلَفْظُ اَبِیْ نُعَیْمٍ بَرِاَ وَ عَقَلَ عَقْلًا لَیْسَ کَعُقُوْلِ النَّاسِ (بیہقی:۷۵، احمد:۲۷۱۳۱، خصائص کبریٰ، ج۲،ص۳۸)

تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ پانی لاؤ، تو وہ ایک برتن میں پانی لے آئی، آپ نے اس سے پانی لے کر اس برتن میں کلی کی اور دعا فرمائی اور اس کو دے کر فرمایا یہ پانی اس لڑکے کو پلاؤ اور اس میں نہلاؤ، ام جندب کہتی ہیں کہ جب وہ چلی تو میں بھی اس کے پیچھے ہوگئی اور اس سے کہا کہ اس میں سے تھوڑا سا پانی مجھے بھی دے دو! اس نے کہا لے لو! میں نے وہ لے کر اپنے لڑکے عبداللہ کو پلا دیا تو وہ ماشاء اللہ زندہ رہا اور بہت نیک بخت ہوا۔ پھر میں اس عورت سے ملی تو معلوم ہوا کہ اس کا لڑکا اچھا ہو گیا تھا اور اپنے ہم عمر لڑکوں میں ایسا ہو گیا کہ اس سے بہتر کوئی لڑکا نہ تھا اور عقل فراست میں بھی اوروں سے بڑھ گیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اس آسیب کو فرماتے کہ نکل جا! تو اسکی مجال نہ تھی کہ پھر ٹھہر سکتا۔ مگر پانی اس لیے منگوایا اور اس میں کلی فرمائی تا کہ صحابہ کرام کو میرے لعاب مبارک کی تاثیر کا علم اور مشاہدہ ہو جائے، اسی لیے ام جندب نے بھی اس عورت سے پانی حاصل کیا اور اپنے لڑکے کو پلایا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب مبارک میں ہر قسم کی برکتیں ہیں۔

سبحان اللہ لعاب مبارک کی یہ تاثیر کہ جانور کو آدمی بنا دیا۔ کیونکہ وہ لڑکا جب بات ہی نہیں کرتا تھا اور اس میں عقل بھی نہ تھی تو اس کو حیوان ناطق کہنے ہی میں کلام ہے۔ صرف آدمی کی شکل وصورت اور قد وقامت کی بدولت کوئی آدمی نہیں ہو سکتا جب تک وہ ناطق و

عاقل نہ ہوا یسے کو عاقل و ناطق بنا دینا بعینہ حیوان کو آدمی بنا دینا ہے۔

حضرت عتبہ بن فرقد جنہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں موصل کو فتح کیا تھا ان کی بیوی حضرت ام عاصم فرماتی ہیں کہ عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں۔ہم میں سے ہر ایک عتبہ کی خاطر ایک دوسری سے زیادہ خوشبودار رہنے کی کوشش کرتی پھر بھی جو خوشبو عتبہ کے وجود سے آتی وہ ہماری خوشبو سے بہت زیادہ اچھی ہوتی۔

وَكَانَ اِذَا خَرَجَ اِلَى النَّاسِ قَالُوْا مَا شَمِمْنَا رِيْحًا اَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ عُتْبَةَ فَقُلْنَا لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ قَالَ اَخَذَنِيْ الشَّرٰى عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَوْتُ ذٰلِكَ اِلَيْهِ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَتَجَرَّدَ فَتَجَرَّدْتُّ عَنْ ثَوْبِيْ وَ تَعَدْتُّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَلْقَيْتُ ثَوْبِيْ عَلٰى فَرْجِيْ فَنَفَثَ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى ظَهْرِيْ وَ بَطْنِيْ بِيَدِهٖ فَعَبَقَ بِيْ هٰذَا الطِّيْبُ مِنْ يَّوْمِئِذٍ

(خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۸۴، سبل الہدی والرشاد، ج ۱۰، ص ۳۶، طبرانی: ۳۲۹)

اور جب وہ لوگوں میں جا بیٹھتا تو لوگ کہتے کہ ہم نے کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو عتبہ کی خوشبو سے اچھی ہو۔ایک دن ہم نے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلے پڑے (پھنسیاں نمودار ہوئیں) میں نے آپ کی خدمت میں اس بیماری کی شکایت کی آپ نے مجھ سے فرمایا کپڑے اتار دے۔میں نے کپڑے اتار دیئے اور اپنا سر چھپا کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔آپ نے اپنا مبارک لعاب دہن اپنے دست مبارک پر ڈال کر میری پشت اور میرے پیٹ پر مل دیا۔اس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا ہو گئی اور میری بیماری جاتی رہی۔

یہاں مقصود ان کی پھنسیوں کا علاج تھا مگر لعاب مبارک نے ان کے جسم پر وہ اثر کیا کہ بیماری کو دور کر کے جسم کو پاکیزہ اور خوشبودار بنا دیا۔اعلیٰ درجہ کی خوشبو بھی، اگر جسم پر لگا

دی جائے تو دو چار روز سے بڑھ کر اس کا اثر نہیں رہ سکتا مگر سبحان اللہ لعاب دہن کی تاثیر دیکھیے جسم میں سرایت کر گئی، مادۂ جسم کی ماہیت کو بدل کر دائمی معطر کر دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خندق کے دن کچھ تھوڑا سا کھانا پکانے کا انتظام کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ تھوڑا سا کھانا ہے چند اصحاب کو اپنے ہمراہ لے چلیں۔ فرمایا جاؤ اور اپنی بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ آؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتارے اور روٹیاں نہ پکائے اور باآواز بلند پکار کر فرمادیا کہ اے اہل خندق جابر نے ہماری دعوت کی ہے سب چلو! حضرت جابر فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں جلدی سے گھر گیا اور بیوی سے کہا اے نیک بخت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مع تمام مہاجرین اور انصار اور دیگر ہمراہیوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں، اس نے کہا کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ کھانا بہت مختصر ہے؟ فرمایا ہاں! کہا تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے۔

فَاَخۡرَجۡتُ لَہٗ عَجِیۡنًا فَبَصَقَ فِیۡہِ وَبَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ اِلٰی بُرۡمَتِنَا فَبَصَقَ وَ بَارَكَ فَاُقۡسِمُ بِاللّٰہِ لَقَدۡ اَكَلُوۡا وَھُمۡ اَلۡفٌ حَتّٰی تَرَكُوۡہُ وَانۡحَرَفُوۡا وَاِنَّ بُرۡمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا ھِیَ وَاِنَّ عَجِیۡنَنَا لَیُخۡبَزُ كَمَا ھُوَ

(بخاری: ۴۱۰۲، مسلم: ۵۳۱۵، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۲۲۷)

تو میں گندھا ہوا آٹا آپ کے روبرو لایا، آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور دعاء برکت فرمائی۔ پھر ہانڈی کی طرف بڑھے اور اس میں بھی اپنا لعاب مبارک ڈالا اور دعاء برکت فرمائی۔ جب کھانا تیار ہوا تو تقسیم شروع فرمائی۔ حضرت جابر قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایک ہزار صحابہ تھے سب نے سیری سے کھایا مگر پھر بھی کھانا اسی طرح باقی رہا۔ گویا کسی نے کھایا ہی نہیں۔

غور کیجیے کہ حضرت جابر نے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چند آدمیوں کے ساتھ دعوت دی اور آپ نے خود اپنی طرف سے تمام کو دعوت دے دی، یہ کیسی عجیب بات ہے؟ اس راز کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا، البتہ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس قسم

کے معاملات میں تصرف واقتدار دیا تھا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ اپنے وزراء اور امراء کو اقتدارات واختیارات دیتا ہے اور وہ اس اقتدار واختیار سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، باوجود اس کے جب وہ بادشاہ کے روبرو ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کسی قسم کی حکومت حاصل نہیں۔ اگر حکومت ہے تو بادشاہ ہی کو ہے۔ اسی طرح مقربان بارگاہ خداوندی کی بھی حالت ہے، ان کو اقتدارات و اختیارات سب کچھ حاصل ہوتے ہیں مگر چونکہ وہ ہمیشہ مشاہدہ اور حضوری میں ہوتے ہیں اس لیے عاجزی اور تضرع کا ان پر غلبہ ہوتا ہے۔ مگر جب کوئی وقت آ جاتا ہے تو پھر جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، فی الحقیقت مقربان بارگاہ الٰہی کی ایسی ہی کچھ نرالی حالت ہوتی ہے جس کا سمجھنا معمولی عقلوں کا کام نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس زمزم شریف کا ایک ڈول لایا گیا۔

فَمَجَّ فِيْهِ فَصَارَ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ (شفاء شریف، ج۱،ص۲۱۸)

آپ نے اس میں کلی کی تو وہ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہو گیا۔

حضرت حبیب کے والد حضرت فدیک یا فریک کی آنکھیں سانپ کے انڈوں پر پاؤں آ جانے کی وجہ سے سفید ہو گئیں۔

فَكَانَ لَا يُبْصِرُ بِهِمَا شَيْئًا فَنَفَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَاَبْصَرَ فَرَاَيْتُهٗ يُدْخِلُ الْخَيْطَ فِى الْاِبْرَةِ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِيْنَ (بیہقی، ج۶،ص ۱۷۳، طبرانی: ۳۵۴۶، شفا شریف، ج۱،ص ۲۱۳، خصائص کبریٰ، ج۲، ص ۶۹، زرقانی علی المواہب، ج۵،ص۱۸۸)

اور انہیں دونوں آنکھوں سے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں تھوک دیا تو وہ بینا ہو گئے اور سب کچھ نظر آنے لگا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اسی برس کی عمر میں سوئی میں خود دھاگا ڈالا کرتے تھے۔

سانپ کے انڈوں پر پاؤں آ جانے سے ان کی بینائی کا زائل ہو جانا ایک عجیب بات

ہے شاید ظاہر بینوں کو اس قسم کے اثر ماننے میں تامل ہوگا۔ مگر اہل علم و عقل جانتے ہیں کہ اشیاء کی تاثیرات خاص خاص مقامات پر ہوتی ہیں، ادویہ کا حال دیکھیے کوئی دوا سر میں تاثیر کرتی ہے کوئی جگر میں کوئی گردہ اور مثانہ وغیرہ میں، ستاروں کی تاثیرات کا یہ حال ہے کہ اتنی دور سے کسی کی تاثیر سے غلہ میں دودھ پیدا ہوتا ہے اور کسی کی تاثیر سے غلہ پختہ ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس سانپ کے انڈے کی تاثیر خاص آنکھوں سے متعلق ہو تو کیا تعجب ہے؟ غرض کہ معنوی آثار کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس چیز میں کس قسم کی تاثیرات رکھی ہیں۔ کسی بات کے سمجھ میں نہ آنے سے اس پر اعتراض کر دینا عقلمند کا کام نہیں جب عموماً اشیاء میں ایسی تاثیرات رکھی ہیں کہ ان کے سمجھنے میں عقل حیران ہوتی ہے۔ تو اگر حضور ﷺ کے لعاب دہن میں ہمہ اقسام کی تاثیرات رکھی گئی ہوں تو کیا تعجب ہے، وہ تو باعث ایجاد عالم ہیں، تمام عالم نے ضرور آپ کا مسخر امور ممنون ہونا تھا، اسی وجہ سے آپ کے تصرفات تمام عالم پر برابر جاری ہیں۔

ایک مبارک فضلہ میں ایسی تاثیرات ہوں تو جن پر خاص نظر مبارک تھی ان کے قوائے روحانی اور بصیرت کا کیا حال ہوگا؟ اسی وجہ سے کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ملاعب الاسنہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پیٹ میں سخت درد رہا کرتا تھا۔ میں نے ایک شخص کو نبی کریم ﷺ کے پاس بغرض شفا بھیجا۔

فَتَنَاوَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَرَةً مِّنَ الْاَرْضِ فَتَفَلَ فِيْهَا ثُمَّ نَاوَلَهَا اِيَّاهُ فَقَالَ دُفْهَا (اے خلطھا) بِمَاءٍ ثُمَّ اَسْقِهَا اِيَّاهُ فَفَعَلَ فَبَرِأَ

حضور ﷺ نے ایک ڈھیلا زمین سے لے کر اس پر تھوکا اور فرمایا کہ اس کو پانی میں گھول کر پلا دو۔ جب وہ پلایا گیا تو فوراً صحت یاب ہو گئے۔

(خصائص، ج ۲، ص ۷۱، سبل الھدی والرشاد، ج ۱۰، ص ۲۱)

اس حدیث مبارک سے یہ ظاہر ہے کہ لعاب مبارک میں خاص قسم کی تاثیر تھی اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اس کے پہنچانے کی یہ تدبیر کی کہ ڈھیلے پر ڈالا، وہ ڈھیلے میں جذب ہو گیا

اور وہ ڈھیلان پانی میں گھول کر پلایا گیا تو اس کی تاثیر یہ ہوئی کہ ایک مضر بیماری جاتی رہی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھوں پر آشوب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلایا۔

فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْہِ وَدَعَا لَہٗ فَبَرِءَ حَتّٰی کَانَ لَمْ یَکُنْ بِہٖ وَجْعٌ (بخاری شریف: ۴۲۱۰)

اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈال دیا، اور دعا فرمائی تو وہ فوراً تندرست ہوگئے گویا کبھی درد چشم ہوا ہی نہ تھا۔

امام المسلین امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَ عَلِیٌّ مِّنْ رَمَدٍ بِہٖ دَاوَیْتَہٗ فِیْ خَیْبَرَ فَشُفِیْ بِطِیْبِ لَمَاکَ

(قصیدہ نعمان)

اور خیبر کی لڑائی میں جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آشوب ہوا تو آپ کے لب مبارک لگانے سے اسی وقت شفا ہوگئی تھی۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رُمِیْتُ بِسَھْمٍ یَوْمَ بَدْرٍ فَفَقَئَتْ عَیْنِیْ فَبَصَقَ فِیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَدَعَالِیْ فَمَا اٰذَانِیْ مِنْھَا شَیْءٌ (خصائص کبری، ج۱، ص ۲۰۵، سبل الہدی والرشاد، ج ۴، ص ۵۳)

کہ بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگا تو وہ پھوٹ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں اپنا تھوک مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی۔ پس مجھے اس تیر کے لگنے کی ذرا بھی تکلیف نہ رہی اور آنکھ بالکل درست ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وَانْکَفَاتِ الْقِدْرُ عَلٰی ذِرَاعِ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ وَھُوَ طِفْلٌ فَمَسَحَ عَلَیْہِ وَدَعَا لَہٗ وَتَفَلَ فِیْہِ فَبَرَأَ لِحِیْنِہٖ (شفا شریف، ج۱، ص ۲۱۴، بخاری فی التاریخ: ۸، بیہقی، ج۶، ص ۱۷۵، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۶۹، زرقانی، ج ۵، ص ۱۹۲)

کہ محمد بن حاطب جو بچے تھے ان کے ہاتھ پر ہنڈیا گر پڑی جس سے ان کا ہاتھ جل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلی ہوئی جگہ پر ہاتھ مبارک پھیرا اور دعا فرمائی اور اس پر تھوک دیا تو وہ ہاتھ اسی وقت اچھا ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے میرے چہرے پر ایسا زخم مارا کہ سر کی ہڈیاں تک کھل گئیں۔

فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَشَفَ عَنْھَا وَنَفَثَ فِیْھَا فَمَا اٰذَانِیْ مِنْھَا شَیْءٌ (طبرانی: ۳۳۴، خصائص، ج ۲، ص ۷۰)

میں اسی حال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پٹی کھول کر اس زخم میں تھوک دیا۔ پس اس کے بعد مجھے بالکل تکلیف نہ ہوئی اور وہ زخم اچھا ہو گیا۔

چہرے پر ایسا زخم جس سے سر کی ہڈیاں کھل گئیں وہ کیسا زخم ہو گا مگر لعاب مبارک کی تاثیر سے وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

حضرت عمرو بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تھوک دیا۔ وہ پاؤں اسی وقت اچھا ہو گیا۔ (اصابہ ترجمہ عمرو بن معاذ انصاری: ۵۹۸۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ غزوۂ ذی قرد (محرم ۷ ھ) میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک تیر لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا۔

فَبَصَقَ عَلٰی اَثَرِ سَھْمٍ فِیْ وَجْہِ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ فَمَا ضَرَبَ عَلَیَّ وَلَا قَاحَ (شفاء شریف، ج ۱ ص ۲۱۲)

اور زخم پر تھوک دیا، فرماتے ہیں کہ اس وقت سے نہ تو مجھے درد ہوا اور نہ زخم میں پیپ پڑی بلکہ اچھا ہو گیا۔

اس لعاب دہن کو جاں بخش کہنا چاہیے کہ وہ زخم کاری جس کی دوا نہ ہوتی تو ہلاکت کو پہنچا دیتا، اس کو فوراً اچھا کر دیا۔

غزوۂ خیبر کے دن حضرت سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر ایسی ضرب شدید لگی کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ شہید ہو گئے، فرماتے ہیں۔

فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِیْہِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَکَیْتُھَا

کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوا آپ نے تین بار اس پر دم کر دیا پھر پنڈلی

حَتَّی السَّاعَةِ (بخاری شریف:۴۲۰۶) میں کبھی درد نہ ہوا۔

جنگ احد میں حضرت کلثوم بن حصین کے سینے میں ایک تیر لگا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے۔

فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْہِ فَبَرِءَ (شفاء شریف، ج۱،ص ۲۱۳، سبل الھدی، ج۱۰،ص ۲۴)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زخم پر تھوک دیا۔ وہ فی الفور اچھے ہو گئے۔

جنگ بدر میں ابوجہل نے حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔

فَجَآءَ یَحْمِلُ یَدَہٗ فَبَصَقَ عَلَیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَلْصَقَھَا فَلَصِقَتْ (شفا شریف، ج۱،ص ۲۱۳، سبل الھدی، ج۱۰،ص ۲۳)

تو وہ اپنا ہاتھ اٹھائے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تھوک دیا اور اس کو ملا دیا وہ اسی وقت جڑ گیا اور ایسا معلوم ہوتا کہ کبھی کٹا ہی نہ تھا۔

کیا عقلی قائدے سے ممکن ہے کہ ہاتھ کٹ کر الگ ہو جائے اور وہ پھر کسی تدبیر سے اپنی اصلی حالت پر آ جائے؟ ہرگز نہیں۔

مگر سبحان اللہ! لعاب دہن کی یہ تاثیر تھی کہ کٹا ہوا ہاتھ دوبارہ جڑ کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

اب چاہے اسے روحانی اثر یا دوا، یا معجزہ کہیے۔ معجزہ کہنے میں اس وجہ سے تامل ہوتا ہے کہ یہ تاثیر بتا کر کسی کافر کو عاجز کرنا مقصود نہ تھا۔ اگر دوا کہیں تو کوئی دوا ایسی نہیں سنی گئی کہ کٹا ہوا ہاتھ فوراً جوڑ دے اور درد بھی نہ ہو۔ دراصل بات کچھ اور تھی جس کا سمجھنا معمولی عقلوں کا کام نہیں ؂

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی سَاقِ عَلِیِّ ابْنِ الْحَکَمِ یَوْمَ الْخَنْدَقِ

کہ غزوۂ خندق کے دن حضرت علی بن حکم کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

اِذِ انْکَسَرَتْ فَبَرِئَ مَکَانَہٗ وَمَا نَزَلَ عَنْ فَرَسِہٖ (شفاء شریف، ج۱، ص ۲۱۳) پر تھوک دیا تو وہ اسی وقت اسی جگہ اچھے ہو گئے حالانکہ وہ اپنے گھوڑے سے بھی نہ اتر سکتے تھے۔

سبحان اللہ! آپ دہن مبارک عجیب نسخہ جامعہ تھا کہ ہر مرض کی دوا اور محتاج کا حاجت روا تھا۔ غور کیجئے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لعاب مبارک کی تاثیرات کا مشاہدہ کرتے ہوں گے تو ان کے نزدیک اس لعاب مبارک کی وقعت اور شان کیا ہوگی، اسی وجہ سے وہ ان برکات کے حصول کے ہر وقت طالب رہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب مبارک میں رکھی تھیں۔

جنگ بدر میں حضرت خبیب بن یساف کے مونڈھے پر ایک ایسی ضرب لگی جس سے مونڈھے کی ایک کروٹ لٹک پڑی۔

فَرَدَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ نَفَثَ عَلَیْہِ حَتّٰی صَحَّ (شفاء شریف، ج۱، ص ۲۱۳) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لٹکی ہوئی کروٹ کو اس کی جگہ پر رکھ کر اوپر تھوک دیا۔ تو وہ مونڈھا بالکل صحیح ہو گیا۔

حضرت خبیب فرماتے ہیں میں نے اسی ہاتھ سے اس کو قتل کیا جس نے میرے مونڈھے پر ضرب لگائی تھی۔ (بیہقی، ج۶، ص ۱۷۸، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۷۵، سبل الہدی، ج ۱۰، ص ۲۴)

ممکن ہے یہاں کسی کو یہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ قدرت حاصل تھی تو چاہیے تھا کہ لشکر اسلام میں کوئی شخص زخمی ہو کر نہ مرتا، حالانکہ صدہا آدمی زخموں سے شہید ہو گئے۔ فی الحقیقت یہ ایک عقیدۂ لاینحل ہے۔ اس کا سمجھنا اور سمجھانا معمولی عقلوں کا کام نہیں مگر غور و تامل سے اگر کام لیا جائے کہ کچھ نہ کچھ سمجھ میں آ جائے۔

اس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ اکثر آدمی بیماریوں سے مرتے ہیں اور ہر بیمار اپنی بیماری کا حال طبیبوں اور ڈاکٹروں سے بیان کرتا ہے اور وہ بھی اپنے اصولوں کے مطابق علاج کرتے ہیں جس سے بہت سے لوگوں کو صحت ہو جاتی ہے، اور جس طبیب کا تجربہ وسیع

اور جس کے ہاتھ پر زیادہ لوگوں کو صحت ہو جاتی ہو، اکثر لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ بھی بہ قدر امکان علاج میں کوتاہی نہیں کرتا، باوجود اس کے جس کی قضا آ جاتی ہے اس کے علاج سے وہ طبیب بھی عاجز آ جاتا ہے اور وہ مریض مر جاتا ہے، اگر طبیبوں اور ڈاکٹرں کے علاج سے موت رک سکتی تو دنیا میں کوئی بادشاہ اور مالدار نہ مرتا، بادشاہوں کے علاج کے واسطے ہر ملک کے منتخب طبیب جمع کیے جاتے ہیں اور بڑی بڑی امیدیں ان کو دلائی جاتی ہیں مگر انہیں کے زیر علاج مرنے والا مر جاتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ موت کسی حال میں ٹل نہیں سکتی مگر باوجود اس کے ڈاکٹروں اور طبیبوں پر یہ الزام نہیں لگایا جاتا کہ تم نے اس کو مار ڈالا یا علاج میں غفلت کی کیونکہ سب جانتے ہیں کہ موت کا علاج نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؂

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود   واں دوا در نفع خود گمرہ شود

جب بیمار کی قضا آ جاتی ہے تو طبیب کی عقل ماری جاتی ہے وہ کچھ کا کچھ نسخہ تجویز کر بیٹھتا ہے اور اگر نسخہ درست و مفید بھی ہو تو وہ دوا اپنے مسلمہ فائدہ کے بجائے الٹی تاثیر کرتی ہے۔

از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت   آب آتش را مدد شد ہمچو نفت

ہلیلہ جو قبض کشاہ ہے اس سے قبض ہو گئی اور کھل کے اجابت ہونا جاتا رہا، اسی طرح پانی جو ٹھنڈی چیز ہے مٹی کے تیل کی طرح آتش بخار کی مدد بن گیا۔

اس قضا ابرے بود خورشید پوش   شیر و اژدہا بود زو ہمچو موش

غرض یہ قضا ایک بادل ہے سورج کو چھپا لینے والا، جس کے آگے شیر اور اژدھے چوہے کی طرح ضعیف و عاجز ہیں۔

اللہ تعالیٰ عالم پیدا کرنے سے پہلے ہر چیز کا اندازہ کر چکا ہے کہ فلاں چیز اتنی مدت تک باقی رہے گی اور اس میں فلاں فلاں قسم کے تغیرات واقع ہوں گے اسی کو تقدیر اور قضا کہتے ہیں اور یہ قضا دو قسم کی ہے ایک معلق اور دوسری مبرم۔

معلق وہ ہے کہ کسی وجہ یعنی دعا یا دوا یا صدقات وغیرہ سے ٹل جائے، اگر وہ دعا یا دوا یا صدقہ نہ کیا جائے تو ہلاکت کی نوبت آجائے اسی وجہ سے آدمی بیماری یا مصیبت کے وقت دعا یا دوا یا صدقہ کرتا ہے اور صحت ہو جاتی ہے جس سے طبیب یا دعا کرنے والا نیک نام ہو جاتا ہے اور قضائے مبرم وہ ہے کہ نہ دعا سے ٹلے نہ دوا وغیرہ سے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کسی معاملے میں دیکھتے کہ قضائے معلق ہے تو دعا یا کسی اور قسم کا تصرف فرماتے اور جب دیکھتے کہ قضائے مبرم ہے تو کسی قسم کا تصرف نہ فرماتے بلکہ راضی برضائے الٰہی رہتے کیونکہ یہ تو منظور ہی نہ تھا کہ خدا تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کریں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی کہ حضرت امام حسین حالت غربت میں انواع واقسام کے مصائب اور سختیاں اٹھا کر شہید ہوں گے تو آپ نے اس کو قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ فرمایا۔ اسی طرح صحابہ کرام کی شہادت کے وقت آپ اپنے تصرفات ظاہر نہیں فرماتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ قضائے مبرم ہے۔

بعض لوگوں نے قضا کی تین قسمیں فرمائی ہیں معلق، مبرم اور معلق شبیہ بالمبرم، تیسری قسم کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوح محفوظ میں تو مبرم لکھی ہوتی ہے مگر اللہ کے نزدیک معلق ہوتی ہے۔ خاص محبوبان خدا کی دعاؤں سے یہ بدل جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت غوث الثقلین محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ میری دعا سے قضائے مبرم بھی ٹل جاتی ہے۔ اس سے یہی تیسری قسم ہی مراد ہے جیسا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروق سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت مجدد صاحب کے صاحبزادوں کے معلم خاص تھے) کی پیشانی کو نظر بصیرت وکشف سے دیکھا تو ان کی پیشانی پر شقی (بدبخت) لکھا ہوا تھا۔ حضرت نے اپنے صاحبزادوں سے یہ کیفیت بیان فرمائی۔ صاحبزادے ملتمس ہوئے کہ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل دے۔

فَقَالَ الْمُجَدِّدُ نَظَرْتُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ   حضرت مجدد صاحب نے فرمایا ہم نے

فَاِذَا فِیْهِ اَنَّهٗ قَضَآءٌ مُّبْرَمٌ لَا یُمْکِنُ رَدُّهٗ فَالْتَجَا وَلَدَاهُ الْکَرِیْمَانِ فِی الدُّعَآءِ لَمَّا الْتَمَسَا مِنْهُ فَقَالَ الْمُجَدِّدُ فَذَکَرْتُ مَا قَالَ غَوْثُ الثَّقَلَیْنِ السَّیِّدُ السَّنَدُ مُحْیِ الدِّیْنِ عَبْدُالْقَادِرِ الْجِیْلِیُّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ الْقَضَآءَ الْمُبْرَمَ اَیْضًا یُرَدُّ بِدَعْوَتِیْ فَدَعَوْتُ اللهَ سُبْحَانَهٗ وَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتُكَ وَاسِعَةٌ وَ فَضْلُكَ غَیْرُ مُقْتَصِرٍ عَلٰی اَحَدٍ اَرْجُوْا وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَمِیْمِ اَنْ تُجِیْبَ دَعْوَتِیْ فِیْ مَحْوِ کِتَابِ الشَّقَاءِ مِنْ نَّاصِیَةِ مُلَّا طَاهِرٍ اَنَّهٗ مَحٰی مِنْهَا کَلِمَةَ شَقِیٍّ وَ کُتِبَ مَکَانَهٗ سَعِیْدٌ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللهِ بِعَزِیْزٍ

(تفسیر مظہری، ج ۵، ص ۲۰۰، زیر آیت یمحو اللہ مایشاء ویثبت)

لوح محفوظ میں نظر فرمائی تو وہاں بھی شقی ہی لکھا ہوا تھا اور یہ بھی تھا کہ یہ قضائے مبرم ہے جس کا بدلنا ممکن نہیں مگر صاحب زادوں نے دعا کے لیے پرزور التجا کی۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت غوث الثقلین السید السند محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا قول یاد کر کے کہ بے شک میری دعا سے قضائے مبرم بھی ٹل جاتی ہے اللہ پاک سے دعا کی اور عرض کیا کہ اے اللہ تیری رحمت وسیع ہے اور تیرا فضل کسی ایک پر ہی محدود نہیں، میں امیدوار ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عمیم کا سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرما اور ملا طاہر کی پیشانی سے شقاوت مٹا دے۔ چنانچہ الحمدللہ کہ کلمہ شقی مٹ گیا اور سعید لکھا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا۔

اَکْثِرْ مِنَ الدُّعَآءِ فَاِنَّ الدُّعَآءَ یَرُدُّ الْقَضَآءَ الْمُبْرَمَ (ابن عساکر، ج ۶، ص ۲۰۸، خطیب: ۶۹۹۲، کنز العمال: ۳۱۲۰)

دعا زیادہ کرو بے شک دعا قضائے مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔

ثابت ہوا کہ محبوب خدا کی دعا سے قضائے مبرم بھی ٹل جاتی ہے۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ لوح محفوظ اولیاء کاملین کا پیش نظر ہوتی ہے۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء

(مثنوی)

فوائد

(۱) یہ کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی آپ کی احادیث لکھ لیا کرتے، اور آپ انہیں منع نہ فرماتے بلکہ فرماتے لکھو میرے منہ مبارک سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

(۲) یہ کہ آپ کا دہن بے حد خوشبودار، بہت ہی بابرکت دافع الامراض اور دافع الالام ہے۔

(۳) یہ کہ صحابہ کرام تکلیف و بیماری میں طبیب دو جہاں رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوتے اور حضور خداداد قوت و برکت سے ان کی تکلیفوں و مصیبتوں سے بیماریوں کو دور فرماتے۔

(۴) یہ کہ لوح محفوظ اولیاء اللہ کے پیش نظر ہوتی ہے۔

(۵) یہ کہ اولیاء اللہ کی دعاؤں سے تقدیر بدل جاتی ہے۔





زبان مبارک

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود
اس کی دل کش بلاغت پہ لاکھوں سلام

اس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور سید عالم ﷺ کی زبان اقدس نہایت پاکیزہ، علم و ادب، فصاحت و بلاغت، حق و صداقت اور لطف و محبت کا منبع و مظہر تھی۔ آپ کا کلام شیریں، حق و باطل میں فرق کرنے والا، واضح اور مبین اور ہر قسم کے عیوب یعنی افراط و تفریط، جھوٹ غیبت، بدگوئی اور فحش کلامی وغیرہ سے منزہ اور پاک تھا۔ گویا آپ کا کلام لڑی کے موتی ہیں جو گر رہے ہیں۔
(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۹۹)

اس کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اس قدر علوم عطا فرمائے تھے کہ آپ ہر ایک زبان میں با محاورہ کلام فرماتے تھے۔ جب آپ دوسری زبان میں گفتگو فرماتے تو اس زبان کے قواعد فصاحت و بلاغت کے مطابق فرماتے کہ زبان داں بھی حیراان رہ جاتے۔

محدثین کرام نے تصریح فرمائی کہ جب کوئی آدمی خواہ وہ کسی ملک کا ہوتا آپ کے حضور حاضر ہو کر اپنی بولی میں کچھ بولتا تو آپ اسی بولی میں اس سے باتیں کرتے، یہ آپ کی زبان میں خداداد قدرت و قوت تھی۔ (شفاء شریف، ج ۱، ص ۴۴)

آپ کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے تھے، لہٰذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام مخلوق کا علم دیا جاتا اور آپ تمام مخلوق کی زبانوں کے عالم ہوتے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک وفد کی صورت میں چند لوگ کسی ملک سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے آپ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ جب وہ لوگ مسجد میں آئے تو آپ کو پہچان نہ سکے (کیونکہ آپ بادشاہوں کی طرح امتیازی شان سے نہیں بلکہ صحابہ میں مل جل کر بیٹھا کرتے تھے) تو ان میں سے ایک شخص نے اپنی بولی میں کہا۔ ''من ابوان اسران'' یعنی تم میں سے رسول اللہ کون ہیں، حاضرین میں سے کوئی نہ سمجھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اشکد ادر'' یعنی ''آگے آؤ'' یہ سن کر وہ آگے آئے اور اپنی بولی میں جو جو پوچھتے رہے آپ اس کا جواب ان کی بولی ہی میں دیتے رہے جس کو سوائے ان کے صحابہ کرام میں سے کوئی نہ سمجھا، آخر انہوں

نے آپ کو اللہ کا رسول برحق تسلیم کرلیا، اور بعد از قبول اسلام اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔

(نسیم الریاض، مواہب لدنیہ)

محمد بن عبدالرحمن زہری اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن کسی شخص نے غیر عربی میں بایں الفاظ یا رسول اللہ ایدالك الرجل امراته سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ نعم اذا کان ملقحا۔

فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا قَالَ لَكَ وَمَا قُلْتَ لَهٗ قَالَ اِنَّهٗ قَالَ اَيُمَاطِلُ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ قُلْتُ لَهٗ نَعَمْ اِذَا كَانَ مُفْلِسًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ طُفْتُ فِى الْعَرَبِ وَ سَمِعْتُ فُصَحَاءَهُمْ فَمَا سَمِعْتُ اَفْصَحَ مِنْكَ قَالَ اَدَّبَنِىْ رَبِّىْ

(خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۳، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۱۰۱، سبل الہدی والرشاد، ج ۲، ص ۹۹)

حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ! اس نے آپ سے کیا کہا اور آپ نے اس سے کیا فرمایا؟ فرمایا اس نے مجھ سے پوچھا کہ آدمی اپنی بیوی سے قرض لے کر ادائے قرض میں دیر لگا دے تو جائز ہے۔ میں نے کہا ہاں جب کہ وہ مفلس اور نادار ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے کہ میں عرب کے شہروں میں پھرا ہوں، میں نے عرب کے بڑے بڑے فصحاء کو سنا ہے لیکن میں نے آپ سے زیادہ کوئی فصیح نہیں سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔

امام حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے شواہد النبوت سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے اور اپنا کلام سنانا شروع کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی کو بطور ترجمان طلب کیا۔ (جو تاجر اور فارسی زبان کا عالم تھا) اس نے حضرت سلمان کا کلام سنا حضرت سلمان نے اپنے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اور ان لوگوں کی برائی کی تھی جو لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ مگر ترجمان یہودی

نے یہ سمجھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو فارسی جانتے نہیں، کہا اے محمد! یہ سلمان تو آپ کو برا کہہ رہا ہے آپ نے فرمایا یہ تو ہماری تعریف اور ان کافروں کی برائی کر رہا ہے جو لوگوں کو ہمارے پاس آنے سے روکتے ہیں۔ یہ سن کر

فَقَالَ الْیَھُوْدِیُّ یَا مُحَمَّدُ قَدْ کُنْتُ قَبْلَ ھٰذَا اَتَّھِمُكَ وَالْاٰنَ تَحَقَّقَ عِنْدِیْ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْھَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ (سیرۃ الحلبیۃ، ج ۱ ص ۱۸۲)

اس یہودی نے کہا اے محمد! بے شک اس سے پہلے تو میں آپ کو برا جانتا تھا مگر اب میرے نزدیک ثابت ہو گیا ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبرئیل امین سے فرمایا کہ سلمان کو عربی سکھا دو۔

فَقَالَ قُلْ لَّهٗ لِیَغْمِضْ عَیْنَیْهِ وَیَفْتَحْ فَاهُ فَفَعَلَ سَلْمَانُ فَتَفَلَ جِبْرِیْلُ فِیْ فِیْهِ فَشَرَعَ سَلْمَانُ یَتَکَلَّمُ بِالْعَرَبِیِّ الْفَصِیْحِ (سیرۃ الحلبیۃ، ج ۱ ص ۱۸۲)

تو جبریل نے فرمایا آپ سلمان سے کہیے کہ وہ آنکھیں بند کر لیں اور منہ کھول دیں، انہوں نے ایسا ہی کیا تو جبریل نے ان کے منہ میں تھوکا۔ پس حضرت سلمان نے فصیح عربی بولنی شروع کر دی۔

حضرت زید بن ارقم اور حضرت انس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ کے ایک راستے سے گزرے تو وہاں ایک اعرابی کا خیمہ نصب تھا خیمہ کے باہر ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی اور قریب ہی وہ اعرابی زمین پر دھوپ میں سویا ہوا تھا۔ اس ہرنی نے تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارا۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا مشکل پیش آ گئی؟ ہرنی نے کہا کہ اس اعرابی نے مجھے پکڑ کر باندھ دیا ہے اور میرے بہت چھوٹے دو بچے اس جنگل کے فلاں پہاڑ میں ہیں آپ مجھے آزاد کرا دیں تا کہ میں ان کو دودھ پلا کے آ جاؤں؟

فرمایا کیا واقعی واپس آجائے گی؟ اس نے کہا اگر میں واپس نہ آؤ تو اللہ مجھے دردناک عذاب دے۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ گئی اور بچوں کو دودھ پلا کر واپس آگئی۔ آپ نے اسی طرح اس کو باندھ دیا۔ اتنے میں وہ اعرابی جاگ پڑا۔ تو اس نے آپ کو دیکھ کر کہا آپ کیسے تشریف لائے ہیں؟

قَالَ تُطْلِقُ هٰذِهِ الظَّبْيَةَ فَاَطْلَقَهَا فَخَرَجَتْ تَعْدُوْ فِی الصَّحْرَاءِ تَجْرِیْ جَرْيًا شَدِيْدًا فَرَحًا وَهِیَ تَضْرِبُ بِرِجْلَيْهَا الْاَرْضَ وَ تَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (زرقانی علی المواہب، ج۵، ص ۱۵۰، دلائل النبوت ابونعیم ص ۳۲۰، سبل الہدی، ج۹، ص۵۱۹)

آپ نے فرمایا اس ہرنی کو چھوڑ دے اس نے اسی وقت چھوڑ دیا تو وہ آزاد ہوتے ہی فرط مسرت میں بڑی تیزی کے ساتھ دوڑتی اچھلتی اور کودتی ہوئی یہ کہتی تھی اشھد ان لا الہ الا اللہ و انك لرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور اونٹ نے آپ کے حضور فریاد کی کہ میرا مالک کھانا کم دیتا ہے اور کام زیادہ لیتا ہے۔ (ابوداؤد: ۲۵۴۹) حضور نے فرمایا ہم اس پتھر کو پہچانتے ہیں جو قبل از اعلان نبوت ہم کو سلام کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ: ۵۸۵۳) ستون حنانہ نے آپ کے فراق میں گریہ فرمایا تو آپ نے اس کو سینے سے لگالیا اور فرمایا اگر ہم اس کو سینے سے نہ لگاتے تو وہ قیامت تک روتا ہی رہتا۔ (شفاء شریف)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَالذِّئْبُ جَآءَكَ وَالْغَزَالَةُ قَدْ اَتَتْ بِكَ تَسْتَجِيْرُ وَ تَحْتَمِیْ بِحِمَاكَ

اور بھیڑیئے نے آپ کے پاس آکر آپ کی تصدیق کی اور ہرنی نے بحالت قید آپ کی پناہ مانگی اور وہ اظہار شادمانی کرتی تھی۔

وَ كَذَا الْوُحُوْشُ اَتَتْ اِلَيْكَ وَ سَلَّمَتْ وَ شَكَا الْبَعِيْرُ اِلَيْكَ حِيْنَ رَاٰكَ

اور اسی طرح وحشی جانوروں نے آکر آپ کو سلام کیا اور اونٹ نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کے حضور اپنے حال کی شکایت کی۔

وَدَعَوْتَ اَشْجَارًا اَتَتْكَ مُطِيْعَةً وَسَعَتْ اِلَيْكَ مُجِيْبَةً لِنِدَاكَ

اور آپ نے درختوں کو بلایا تو وہ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے آپ کے حضور دوڑ کر حاضر ہو گئے (اور آپ کی صداقت کی گواہی دی)

وَ عَلَيْكَ ظَلَّلَتِ الْغَمَامَةُ فِى الْوَرٰى وَ الْجِزْعُ عَنْ اِلٰى كَرِيْمِ لَقَاكَ

اور بادلوں نے آپ پر سایہ کیا اور ستون حنانہ آپ کے فراق میں رو دیا۔ (قصیدۃ النعمان)

امام سیوطی اور امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہما روایت نقل فرماتے ہیں۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَ رُسُلَهٗ اِلَى الْمُلُوْكِ فَخَرَجَ سِتَّةُ نَفَرٍ مِّنْهُمْ فِيْ يَوْمٍ وَّاحِدٍ فَاَصْبَحَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ يَتَكَلَّمُ بِلِسَانِ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ بَعَثَهٗ اِلَيْهِمْ (شفاء شریف، ج ۱، ص ۲۰۸، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۲، سبل الہدی، ج ۱۱، ص ۳۴۴، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۹۸)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ صحابی ایک ہی دن مختلف ملکوں کے بادشاہوں کی طرف روانہ فرمائے تو ان میں سے ہر ایک (بغیر سیکھے پڑھے) اسی ملک کی زبان میں گفتگو کرنے لگا، جس ملک کی طرف اس کو روانہ فرمایا تھا۔

جب غلاموں کو تصرف سے مختلف زبانوں کا عالم بنا دیا تو کیا خود مختلف زبانوں کے عالم نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

معلوم ہوا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانوروں، پتھروں، لکڑیوں اور دیگر سب مخلوق کی بولیاں جانتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی انیس نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو مکہ مکرمہ میں ایک کام ہے۔ تم بکریوں کی حفاظت رکھنا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ دیر کے بعد واپس آیا تو بولا کہ میں مکہ میں ایک شخص سے ملا ہوں جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، میں نے پوچھا لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں شاعر ہے، کاہن ہے، جادوگر ہے، پھر خود ہی کہنے لگا خدا کی قسم!

لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ فَمَا هُوَ بِقَوْلِهِمْ وَلَقَدْ وَضَعْتُ قَوْلَهٗ عَلٰى اَقْرَاءِ الشِّعْرِ فَمَا

میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں، اللہ کی قسم میں نے

يَلْتَئِمُ عَلٰى لِسَانِ اَحَدٍ بَعْدِیْ اَنَّهٗ شِعْرٌوَ اللهِ اَنَّهٗ لَصَادِقٌ وَّاَنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ (مسلم شریف کتاب الفضائل: ۶۳۵۹، دلائل النبوت، ص ۲۰۸، سبل الہدیٰ، ج ۲، ص ۳۱۴)

اس کے کلام کوشعر کی تمام قسموں کے ساتھ ملا کر دیکھا ہے میرے بعد بھی کوئی یہ نہ کہے گا کہ اس کا کلام شعر ہے۔خدا کی قسم! وہ سچا ہے اور وہ لوگ جو اسے شاعر وغیرہ کہتے ہیں، جھوٹے ہیں۔

یہ سن کر حضرت ابوذر غفاری مکے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور جب اپنے بھائی انیس کے پاس واپس آئے تو ان کے اسلام کی خبر سن کر حضرت انیس اوران کی والدہ بھی ایمان لے آئے۔ پھر تینوں اپنی قوم غفار میں آئے ان کو دیکھ کران کی آدھی قوم ایمان لے آئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو باقی قوم بھی ایمان لے آئی۔ اسی طرح قبیلہ اسلم بھی مسلمان ہو گیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ غِفَارُ غَفَرَ اللهُ لَهَا وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللهُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ قبیلہ غفار کو بخش دے اور قبیلہ اسلم کوسلامت رکھے۔ (بخاری: ۳۵۱۳)

حضرت یزید بن رومان اور حضرت محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ بنی سلیم میں سے ایک شخص جس کا نام قیس بن نسیبہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سنا اور آپ سے کئی باتیں دریافت کیں، آپ نے ان کا جواب دیا، اس نے وہ سب کچھ یاد کرلیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول برحق ہونے کوتسلیم کرلیا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا اے لوگو! بے شک میں نے روم کا ترجمہ فارس کا زمزمہ، عرب کے اشعار، کاہن کی کہانت اور ملوک حمیر کا کلام سنا ہے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام، ان کے کلام میں سے کسی سے نہیں ملتا، وہ سچے نبی ہیں اس لیے تم میرا کہا مانو اور اس سے بہرہ ور ہو جاؤ۔

(سبل الہدیٰ، ج ۶، ص ۳۴۶، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص ضماد نامی (یمن کے قبیلہ) ازدشنوہ سے مکہ میں آیا تو اس نے بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد کو جن ہے یا جنون تو اس نے

کہا کہ میں ایسے بیماروں کا علاج اور منتر جانتا ہوں، میرے ہاتھ سے بہت لوگ شفایاب ہوئے ہیں مجھے دکھاؤ وہ کہاں ہے، لوگ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آئے۔ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آ کر بیٹھا۔ آپ نے اس وقت یہ پڑھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نُوْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ہم اللہ ہی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی پر ایمان لاتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں، نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے اسی کی پناہ مانگتے ہیں جس کو وہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کا کوئی ہادی نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اس کا رسول برحق ہوں۔

ضماد نے سن کر کہا پھر پڑھیے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ پڑھا، ضماد نے کہا

وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَ قَوْلَ السَّحَرَةِ وَ قَوْلَ الشُّعَرَآءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ هٰؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ وَلَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ فَهَلُمَّ يَدَكَ اُبَايِعُكَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَبَايَعَهٗ (مسلم: ۲۰۰۸، احمد: ۲۷۴۹، بیہقی، ج ۲، ص ۲۲۳، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۱۳۴، سبل الہدیٰ، ج ۹، ص ۴۰۴)

خدا کی قسم میں بہت سے کاہنوں، ساحروں اور شاعروں کا کلام سن چکا ہوں۔ لیکن ان کلمات کی مثل میں نے نہیں سنا۔ یہ تو معنی ایک بحر زخار اور دریائے بے کنار ہیں، اپنا ہاتھ بڑھایئے میں دین اسلام کو قبول کرتے ہوئے آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گیا (اور جو اس کو لائے تھے حیران و نادم ہو کر پھر گئے)

حضرت زبیر بن بکار حضرت ابراہیم بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ ذی قرد ۷ھ میں ایک چشمہ پر نزول فرمایا۔

فَقِيْلَ لَهٗ اِسْمُهٗ بَيْسَانُ وَمَآءُهٗ مِلْحٌ فَقَالَ بَلْ هُوَ نُعْمَانُ وَمَآءُهٗ طَيِّبٌ فَطَابَ (شفاء شریف، ج ۱، ص ۲۱۸، سبل الہدی، ج ۵، ص ۱۰۳)

صحابہ نے عرض کیا حضور اس چشمہ کا نام بیسان اور اس کا پانی نمکین ہے فرمایا (نہیں) بلکہ اس کا نام نعمان ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے تو وہ میٹھا ہو گیا۔

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اس کو ایک خصوصیت عطا فرماتا ہے کہ جو چیز وہ چاہے موجود ہو جائے۔ چنانچہ کل جنتیوں کو یہ خصوصیت عطا ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ (حم سجدہ) اور تمہارے لیے وہاں وہی کچھ ہے جو تمہارا جی چاہے گا۔ اور جو تم مانگو گے۔

معلوم ہوا کہ جنتی کا دل جو چاہے گا اس کی خواہش کے مطابق اس چیز کا وجود قائم ہو جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ ''کن'' عطا ہو گا یعنی جس چیز کو موجود کرنے کا تصور ہوا، کن کہا، فوراً وہ چیز موجود ہو گئی۔

چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حکم بن عاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آ جاتا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلام فرماتے تو وہ مونھ مار مار کر آپ کا سانگ لگایا کرتا تھا۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْ كَذٰلِكَ فَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتّٰى مَاتَ (طبرانی: ۳۱۶۷، مستدرک: ۴۲۴۱، بیہقی، ج ۶، ص ۲۳۹، خصائص، ج ۲، ص ۷۹)

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرما دیا ایسا ہی ہو جا (بس آپ کی زبان مبارک سے کلمہ کن کا نکلنا تھا کہ وہ ایسا ہی ہو گیا) اور مرتے دم تک مونھ مارتا رہا۔

دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کام کے لیے صاف لفظوں میں فرما دیا فوراً اس کا وجود ہو گیا۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں — اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ فَقَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ

(مسلم: ۵۲۶۸، مشکوٰۃ: ۵۹۰۴)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے کہا دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ یعنی بے کار ہے آپ نے فرمایا۔ جا آج سے بے کار ہی ہے اس نے یہ جھوٹا عذر صرف تکبر سے کیا تھا، چنانچہ اس دن سے وہ ہاتھ ایسا بیکار رہا کہ پھر کبھی مونھ تک نہ آ سکا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص وحی لکھتا تھا تو وہ مرتد ہو گیا، اور مشرکوں سے مل گیا۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَقْبَلُهٗ (بخاری: ۳۶۱۷، مسلم: ۱۴۔۲۷۸۱، مشکوٰۃ: ۵۸۹۸)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اس کو زمین قبول نہیں کرے گی (یعنی اپنے اندر نہ رکھے گی)

لہٰذا جب وہ مر گیا اور مشرکوں نے اسے دفن کیا تو زمین نے باہر پھینک دیا، کئی مرتبہ قبر کو گہرا کر کے دفن کیا گیا مگر وہ جب بھی دفن کر کے واپس لوٹتے، قبر باہر پھینک دیتی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ شخص قبر کے باہر ہی پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا جسم نیست و نابود ہو گیا مگر قبر یعنی زمین نے قبول نہ کیا ع

تمہارے مونھ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

امیر المومنین حضرت مولا علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے۔

قَالَ لَا وَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَ جَبَتْ

فرمایا نہیں، اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر

سال ہی فرض ہوجاتا۔ (ترمذی:۳۰۵۵، نسائی:۳۵۸۵، ابن ماجہ: ۲۸۸۴، دارمی:۱۸۲۹، احمد:۳۵۱۰)

ابن ماجہ میں فرمایا اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہوجائے اور پھر تم ہر سال نہ کرتے تو عذاب کیے جاتے

ہے جنبش لب قانون خدا قرآن وخبر کی گواہی ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

فَرَكِبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِاَبِىْ طَلْحَةَ بَطِيْئًا وَكَانَ يَقْطِفُ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ وَجَدْنَا فَرَسَكَ هٰذَا بَحْرًا فَكَانَ بَعْدُ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى وَفِىْ رَوَايَةٍ فَمَا سَبَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

(بخاری:۲۸۶۷، مشکوۃ:۵۹۰۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوئے اور وہ گھوڑا بہت سست رفتار تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو فرمایا ہم نے تمہارے گھوڑے کو دریا پایا یعنی خوب تیز پایا۔ اس کے بعد وہ ایسا تیز رفتار ہوگیا کہ کوئی گھوڑا اس کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اولیاء وابدال جب کمال فنائیت حاصل کر کے فنا فی اللہ باقی باللہ ہوجاتے ہیں تو اس وقت ان کو کن عطا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

وَهِىَ حَالَةُ الْفَنَاءِ الَّتِىْ هِىَ غَايَةُ اَحْوَالِ الْاَوْلِيَاءِ وَالْاَبْدَالِ ثُمَّ قَدْ يُرَدُّ اِلَيْهِ التَّكْوِيْنُ فَيَكُوْنُ جَمِيْعُ مَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ بِاِذْنِ اللهِ وَهُوَ قَوْلُهٗ جَلَّ وَعَلَا فِىْ بَعْضِ كُتُبِهٖ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اور یہی حالت فنا ہے جو اولیاء وابدال کے احوال کی انتہا ہے۔ پھر ان کو ”تکوین“ (کن کہنا) عطا ہوجاتا ہے تو پھر ان کو جس چیز کی بھی حاجت ہوتی ہے وہ سب کچھ باذن اللہ ہوجاتا ہے چنانچہ حق سبحانہ جل و

اَنَا اَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ اَطِعْنِیْ اَجْعَلُكَ تَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ (فتوح الغیب علی بہجۃ الاسرار، ص۱۰۹)

علا کا ارشاد اس کی بعض کتب میں ہے کہ اے ابن آدم میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں وہ ہوں کہ کسی چیز کو کہتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے تو بھی میری اطاعت کر میں تجھے بھی ایسا کر دوں گا تو بھی کسی چیز کو کہے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔

جب اولیاء وابدال کی یہ شان ہے کہ ان کو کن عطا ہو جاتا ہے تو سید الاولیاء والابدال بلکہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی کیا شان ہے۔ بلاشبہ سچ فرمایا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ع

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں   اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے، چلتے ہوئے آپ نے حضرت حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) کے رونے کی آواز سنی تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا بچے کیوں روتے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا پیاس کی وجہ سے، آپ نے سب کو آواز دے کر فرمایا کسی کے پاس پانی ہے؟ مگر پانی کسی کے پاس نہ تھا آپ نے سیدہ سے فرمایا کہ ایک کو مجھے دو۔ انھوں نے دے دیا۔

فَاَخَذَہٗ فَضَمَّہٗ اِلٰی صَدْرِہٖ وَھُوَ یَطْغُوْمَا یَسْکُتُ فَاَدْلَعَ لَہٗ لِسَانَہٗ فَجَعَلَ یَمُصُّہٗ حَتّٰی ھَدَأَ وَ سَکَنَ فَلَمْ اَسْمَعْ لَہٗ بُکَاءً وَ الْاٰخَرَ یَبْکِیْ کَمَا ھُوَ مَا یَسْکُتُ فَقَالَ نَاوِلِیْنِی الْاٰخَرَ فَنَا وَلَتْہُ اِیَّاہُ فَفَعَلَ بِہٖ کَذٰلِكَ فَسَکَتَا فَمَآ اَسْمَعُ لَھُمَا صَوْتًا (طبرانی: ۲۶۵۶، ابن عساکر، ج ۱۳، ص

آپ نے ان کو لے کر اپنے سینہ سے لگایا، وہ اس وقت بہت رو رہے تھے تو آپ نے ان کے منہ میں اپنی زبان ڈال دی، وہ چوسنے لگے یہاں تک کہ ان کو تسکین ہو گئی اس کے بعد وہ نہیں روئے اور دوسرے بدستور رو رہے تھے فرمایا اس کو بھی مجھے دو؟ انھوں نے دے دیا تو آپ

۲۲۲، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۶۲، سبل الہدیٰ، ج۱۰، ص ۴۲)

نے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا چنانچہ وہ دونوں تسکین پا کر چپ ہو گئے اس کے بعد ان کے رونے کی آواز نہیں سنی۔

فوائد

(۱) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کی بولیاں جانتے ہیں اور تمام مخلوق سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں۔

(۲) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو نکلتا تھا، وہی ہو جاتا تھا۔ یعنی آپ صاحب کن تھے۔

(۳) یہ کہ آپ کی زبان مبارک سے جو نکل جاتا وہی قانون الٰہی بن جاتا۔

(۴) یہ کہ اولیاء و ابدال کو بھی کن عطا ہوتا ہے۔

ریش مبارک

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام
خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی اور بہت ہی زیادہ خوش نما تھی، آپ داڑھی مبارک کو تیل لگایا کرتے اور شانہ (کنگھی) بھی کیا کرتے تھے اور اس کی لمبائی و چوڑائی سے کچھ لے لیا کرتے تھے اور مونچھیں مبارک کٹوایا کرتے تھے۔

آپ نے کبھی خضاب وغیرہ نہیں کیا کیوں کہ آپ کی ڈاڑھی اور سر مبارک میں بیس سے زیادہ سفید بال نہ تھے۔

حضرت ابن سیرین تابعی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَضَبَ فَقَالَ لَمْ يَبْلُغِ الْخِضَابَ كَانَ فِيْ لِحْيَتِهٖ شَعَرَاتٌ بِيْضٌ (مسلم شریف: ۶۰۷۴)

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خضاب کیا تھا؟ فرمایا آپ کو خضاب کی حاجت ہی پیش نہیں آئی کیونکہ آپ کی داڑھی میں (تقریباً) دس بال سفید تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لَيْسَ فِيْ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ (ترمذی: ۳۶۲۳)

آپ کے سر اور ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

چنانچہ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں کل سفید بال سترہ یا اٹھارہ تھے۔ (زرقانی علی المواہب، ص ۲۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ریش مبارک کی اصلاح کی یعنی کم اور زائد بالوں کو درست کیا تو آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی کہ

اَللّٰهُمَّ جَمِّلْهُ فَاسْوَدَّتْ لِحْيَتُهٗ بَعْدَ مَا كَانَتْ بَيْضَاءَ

(بیہقی، ج ۶، ص ۲۱۰، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۲۳، سبل الہدیٰ، ج ۱۰، ص ۲۰۷)

اے اللہ اس کو زینت دے، راوی کہتے ہیں کہ اس یہودی کی ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے مگر اس دعا کی برکت سے پھر سیاہ ہو گئے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

حَلَبَ يَهُوْدِيٌّ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَةً فَقَالَ اَللّٰهُمَّ جَمِّلْهُ فَاسْوَدَّ شَعْرُهٗ حَتّٰى صَارَا اَشَدَّ سَوَادٍ مِنْ كَذَا وَ كَذَا قَالَ مَعْمَرٌ وَ سَمِعْتُ غَيْرَ قَتَادَةَ يَذْكُرُ اَنَّهٗ عَاشَ تِسْعِيْنَ سَنَةً فَلَمْ يَشِبْ

(خصائص کبریٰ، ج ۲،ص ۸۳)

کہ ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اونٹنی کا دودھ دوہا۔آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اے اللہ اس کو حسن و جمال عطا فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کی داڑھی کے بال نہایت درجہ کے سیاہ ہو گئے اور وہ نوے سال زندہ رہا مگر ڈاڑھی اس کی سفید نہ ہوئی۔

بال سفید ہو جانے کے بعد عادۃً سیاہ نہیں ہو سکتے، اگرچہ ممکن ہے کہ کسی دوائی وغیرہ کے استعمال سے بغیر خضاب کے سیاہ ہو جائیں مگر اب تک ایسا بوڑھا شخص دیکھا نہیں گیا جس کی داڑھی سفید ہونے کے بعد پھر سیاہ ہو گئی ہو۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہے کہ بغیر کسی دوا وغیرہ کے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے ان دونوں یہودیوں کی داڑھی سفید ہونے کے بعد سیاہ ہو گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ

حضرت ایشاں می فرمودند کہ یکبارگی مرا تپ گرفت وآں مرض امتداد یافت وامید حیات بسر آمد وراں ساعت نعسہ واقع شد دراں نعسہ حضرت شیخ عبدالعزیز ظاہر شد ندمی فرمایند اے فرزند حضرت پیغامبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات بعیادت تو می آیند و شاید ازیں جہت

حضرت ایشاں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے بخار ہوا اور مرض نے طول پکڑا کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ اس وقت ایک اونگھ سی آئی اور حضرت شیخ عبدالعزیز صاحب ظاہر ہوئے اور فرمایا اے فرزند، حضرت پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات تیری بیمار پرسی کوتشریف لا رہے ہیں اور

تشریف آورند و پائے تو آں سوست سر یر
ترا بوجہے باید گزاشت کہ پائے تو باییں
جہت نہ باشد بافاقت آمدم قوت تکلم نبود
حاضرانرا اشارت کردم تا سریر مرا از آں
جا گردانیدند آں گاہ حضرت رسالت پناہ
تشریف آوردند و فرمودند کیف حالک یا
بنی! حلاوت ایں گفتار بر من مستولی شد و
جدے و بکائے و اضطرابے عجیب بر من
ظاہر گشت آنحضرت مرادر بر گرفتند بوجہے
کہ لحیۂ شریف بالائے سر من بود قمیص
مبارک از اشک من تر شد و آہستہ آہستہ
آں وجد تسکین یافت آنگاہ بخاطرم آمد کہ
مدتہاست کہ آرزوئے موئے شریف دارم
چہ قدر کرم باشد اگر دریں ساعت چیزے
ازیں قبیل مرحمت فرمایند بریں خطرہ
مشرف شدند و برلحیۂ مبارک دست فرود
آوردند دو موئے دردست من دادند
بخاطرم آمد کہ ایں دو موئے در عالم
شہادت باقی خواہند ماند یانہ، بریں خطرہ
نیز مشرف شدند و فرمود ایں دو موئے
دراں عالم باقی خواہند ماند بعد ازاں
بشارت صحت کلی و امتداد عمر دادند آں گاہ

شاید کہ اس طرف سے تشریف لائیں اور
اسی طرف تیرے پاؤں ہیں۔ چار پائی کو
ایسے طریق پر بچھانا چاہیے کہ تیرے
پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ میں بیدار ہوا
مگر کلام کرنے کی طاقت نہیں تھی حاضرین
کو اشارہ کیا کہ میری چار پائی کو اس طرف
سے پھیر دیں۔ اسی وقت حضرت رسالت
پناہ تشریف لائے۔ اور فرمایا اے بیٹے
تیرا کیا حال ہے؟ اس کلام کی شیرینی مجھ
پر ایسی غالب آئی کہ ایک عجیب قسم کا وجد
اور بکا اور اضطراب مجھ پر ظاہر ہوا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اس طریق
سے آغوش رحمت میں لیا کہ آپ کی ریش
مبارک میرے سر پر تھی۔ آپ کی قمیص
مبارک میرے اشکوں سے تر ہو گئی اور
آہستہ آہستہ اس وجد نے تسکین پائی۔ اس
وقت میرے دل میں آیا کہ مدتیں گزر
گئیں کہ موئے مبارک کی آرزو رکھتا ہوں
کتنا ہی کرم ہو اگر اس وقت کوئی چیز اس
قبیل سے مرحمت فرمائیں اس خیال پر
حضور مطلع ہوئے اور ریش مبارک پر ہاتھ
پھیرا اور دو بال مبارک میرے ہاتھ میں

افاقت واقع شد چراغ طلبیدم آں دو موئے در دست نیافتم اندوہناک شدم و بداں جناب توجہ نمودم غیبتے واقع شد و آنحضرت متمثل گشتند وفرمودند دانا وآگاہ باش اے فرزند آں دو موئے راز یر وسادۂ تو برائے احتیاط نگاہ داشتہ ام از آنجا خواہی یافت بافاقت افتادم واز آنجا یافتم درجائے بہ تعظیم مضبوط کردم بعد ازاں فرمود از خواص ایں دو موئے یکے آنست کہ اولاً باہم پیچیدہ می باشد چوں درود خواندہ می شود ہر یکے جدامی ایستد و دیگر آنکہ یک مرتبہ سہ کس از منکراں امتحان خواستند من بایں بے ادبی رضا نمیدادم چوں مناظرہ بامتداد انجامید آں عزیزاں آں ہر دو موئے را در افتاب بردند ہماں ساعت ابر پارہ ظاہر شد حال آنکہ آفتاب بسیار گرم بود وموسم ابر ہر گز نہ یکے توبہ کرد و دیگراں گفتند قضیۂ اتفاقیہ است، دیگر بار برآوردند دیگر بار ابر پارہ ظاہر شد دیگرے توبہ کرد سوئے گفت ایں نیز قضیۂ اتفاقیہ است سوم بار بآفتاب بردند دیگر بار ابر پارہ ظاہر شد سیمی در سلک تائباں منسلک

دیئے میرے دل میں گزرا کہ یہ دو بال عالم شہادت میں بھی باقی رہیں گے یا نہیں، حضور اس خیال پر بھی مطلع ہوئے اور فرمایا کہ یہ دو بال اس عالم میں بھی باقی رہیں گے۔ بعد ازاں آپ نے صحت کلی اور عمر کے لمبا ہونے کی بشارت دی، اس وقت میں بیدار ہو گیا اور میں نے چراغ طلب کیا مگر ان بالوں کو اپنے ہاتھ میں نہ پایا۔ غمناک ہوا اور حضور کی طرف توجہ کی ایک غیبت سی واقع ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متمثل ہوئے اور فرمایا اے فرزند دانا آگاہ ہو جا کہ ان دو بالوں کو ہم نے احتیاطاً تکیہ کے نیچے رکھا ہے وہاں سے تو پا لے گا۔ میں بیدار ہوا اور بالوں کو وہاں سے پا لیا اور تعظیم کے ساتھ ایک جگہ محفوظ کر دیئے بعد ازاں فرمایا ان دو بالوں کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ اولاً آپس میں ملے ہوتے ہیں جب درود شریف پڑھا جائے تو یہ دونوں الگ الگ سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ایک مرتبہ تین منکروں نے امتحان چاہا، میں اس بے ادبی سے راضی نہ تھا۔ جب

گشت۔ دیگر آنکہ برائے زیارت برآور دم مجمعی عظیم بود ہر چند کلید بر قفل می نہادم و سعی میکردم مفتوح نمی شد۔ بہ دل خود متوجہ شدم معلوم شد کہ فلاں جنب است بشامت جنابت او میسر نمی آید عیب پوشی کردم و ہمہ را بتجدید طہارت فرمودم جنب ازاں مجمع بیروں رفت آں گاہ بسہولت مفتوح گشت، زیارت کردم، حضرت ایشاں در آخر عمر تبرکات قسمت می فرمودند یکے ازاں دو موئے بکاتب حروف عنایت فرمودند۔ والحمد للہ رب العالمین (انفاس العارفین، ص ۱۴۱)

مناظرہ نے طول پکڑا تو وہ عزیز (بغرض امتحان) ان دو بالوں کو دھوپ میں لے گئے فوراً بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا اور اس نے بالوں پر سایہ کر دیا حالانکہ آفتاب بہت گرم تھا اور ابر کا موسم ہرگز نہ تھا ایک نے توبہ کی دوسرے نے کہا یہ اتفاقی واقعہ ہے، دوبارہ پھر بالوں کو نکالا پھر بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا دوسرے نے بھی توبہ کی، تیسرے نے کہا یہ اتفاقیہ قضیہ ہے۔ تیسری دفعہ پھر دھوپ میں نکالا پھر بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا۔ تیسرا بھی تائبین کی لڑی میں منسلک ہو گیا۔ تیسرا یہ کہ ایک مرتبہ بہت لوگ برائے زیارت جمع تھے۔ میں نے آ کر چند کوشش کی چابی لگ جائے اور تالا کھل جائے تاکہ ہم سب لوگ زیارت کر لیں مگر تالا نہیں کھلتا تھا۔ میں اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا، معلوم ہوا کہ فلاں آدمی جنبی ہے اس کی شامت جنابت کی وجہ سے قفل نہیں کھلتا۔ میں نے عیب پوشی کی اور سب کو تجدید طہارت کا حکم دیا جب جنبی اس مجمع سے باہر چلا گیا، قفل آسانی سے کھل گیا اور ہم سب نے زیارت کی۔

حضرت والا نے آخر عمر میں تبرکات کو تقسیم
فرمایا تو ان دو مبارک بالوں میں سے ایک
کاتب حروف (شاہ ولی اللہ) کو بھی عنایت
فرمایا۔ والحمد للہ رب العالمین

یہاں سے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق اور آپ کا موئے مبارک سے عقیدت و محبت کا بخوبی پتا چلتا ہے اور اس کے علاوہ ایک بہت بڑا مسئلہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فقط خیالی صورت نہیں دیکھی تھی بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم اقدس کے ساتھ تشریف فرما ہوئے تھے۔ کیوں کہ بال مبارک جو عطا فرمائے جز و جسم تھے اور شاہ صاحب نے بہ چشم خود دیکھا کہ آپ نے اپنی مجسم ریش مبارک سے الگ کر کے عطا فرمائے اور پھر ریش مبارک کا حسی تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے تھا جس سے ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم مقدس کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے تھے۔ گو دوسروں نے نہیں دیکھا جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام مجلس اقدس میں بذات خود تشریف لاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ان کو کوئی نہ دیکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لیے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ

''یعنی جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو بے شک اس نے مجھ ہی کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا''۔ (بخاری: ۱۱۰)

داڑھی

داڑھی رکھنا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جمیع انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی سنت قدیمہ متواترہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین، جمیع صحابہ کرام ائمہ عظام، علماء کرام اور اولیاء کرام کا اس پر دوامی واستمراری عمل رہا ہے اور کسی سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے، داڑھی منڈانا یا ایک مشت

سے کم کرنا حرام و گناہ ہے اور اس کو ہلکا و حقیر جاننے والا کافر و ملعون ہے۔

آج کل بعض لوگ فرنچ کٹ یا قرزن فیشن یا صرف ٹھوڑی پر رکھتے ہیں اور بعض بالکل ہی صفایا کر دیتے ہیں یہ سب یہود و نصاریٰ کی اتباع ہے۔

اور بعض نادان تو اس کی مشروعیت کا انکار کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قرآن میں کہیں داڑھی رکھنے کا حکم اور ثبوت نہیں ہے چوں کہ وہ احادیث مبارکہ کے منکر ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند آیات قرآنی پیش کی جائیں جن سے داڑھی رکھنا ضروری ثابت ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

(۱) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء:۵۹)
اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

(۲) مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)
جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ ہر امر و نہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے۔ داڑھی رکھنا اور بڑھانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل اور امر سے ثابت ہے اور منڈوانے اور ترشوانے کی ممانعت میں صریح نہی وارد ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ داڑھی رکھنے اور بڑھانے والے قرآن کی ان آیات پر عامل ہیں اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شاغل ہیں اور داڑھی منڈوانے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف ہیں۔

(۳) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)
جس نے حکم مانا رسول کا تو بے شک اس نے حکم مانا اللہ کا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطیع و فرمان بردار ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمان بردار ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بردار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا

نافرمان ہے۔ ثابت ہوا کہ داڑھی رکھنے والے اللہ و رسول کے مطیع و فرمان بردار ہیں اور منڈوانے والے اللہ و رسول کے نافرمان ہیں۔

(۴) فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ (النساء)

اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے اختلافات میں تمہیں حاکم نہ مانیں اور پھر جو فیصلہ آپ فرما دیں اس سے اپنے دلوں میں رکاوٹ نہ پائیں بلکہ دل و جان سے مان لیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ کو نہ مانے یا آپ کے حکم سے دل میں رکاوٹ و تنگی محسوس کرے وہ مومن نہیں ہے۔ داڑھی رکھنا اور بڑھانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہے، اس کو نہ ماننے والے، دل تنگ ہونے والے بمصداق اس آیت کے مومن نہیں ہو سکتے۔

(۵) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ (النور)

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو رسول اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ یا دردناک عذاب پہنچے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے خلاف کرنے والے دنیا میں فتنہ و بلا کے سزاوار اور آخرت میں عذاب الیم کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

(۶) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ (البقرہ)

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی جو پہلے یہودی تھے وہ مشرف با اسلام ہو کر بھی اونٹ کے گوشت سے نفرت کرتے تھے کیونکہ ان

کے سابقہ دین میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیزیں بچپن سے استعمال میں آتی ہیں ان سے رغبت ہوتی ہے اور جن چیزوں سے طبیعت بچپن سے متنفر ہو، ان کے استعمال سے طبیعت میں ضرور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور پھر اونٹ کا گوشت کھانا فرض وواجب اور سنت مؤکدہ تو ہے ہی نہیں جس کے ترک سے اسلام کی مخالفت لازم آتی صرف جائز اور مباح ہے تو حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اس خیال سے کہ اس کے ترک سے اسلام کی مخالفت بھی نہیں ہوتی اور اپنی سابقہ شریعت پر عمل بھی ہوتا ہے اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے، اور مسلمان بے تکلفی سے اونٹ کا گوشت کھاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے مسلمانوں کے ساتھ اونٹ کا گوشت کھانے میں تامل کیا اور کراہت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی اور آیت نازل فرمائی کہ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور جو چیزیں اسلام میں جائز اور حلال ہیں ان سے کراہیت نہ کرو اور جو احکام منسوخ ہو گئے ہیں ان سے تمسک نہ کرو۔

غور فرمایئے کہ ایک جائز اور مباح امر کا ترک موجب نقصان اسلام ہو تو جو امر واجب اور سنت مؤکدہ ہو اس کا ترک اور اس سے تنفر کس قدر موجب نقصان اسلام ہوگا۔ اس سے واضح ہوا کہ داڑھی منڈانے والوں کے اسلام میں نقصان ہے وہ پورے پورے اسلام میں داخل نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

(۷) وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾ (النساء)

اور جو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف کرے بعد اس کے کہ روشن ہو گئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھرنے دیں گے اسے جدھر وہ خود پھرا ہے اور ڈالیں گے اسے جہنم میں اور وہ بہت بری

جگہ ہے پلٹنے کی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حق بات واضح ہونے کے بعد جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے طریقے کو چھوڑ کر اپنی جدا راہ اختیار کرے، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

بلا شبہ تمام انبیاء و مرسلین، حضور سید عالم علیہم الصلوٰۃ والسلام، جمیع صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین و مفسرین، اولیاء کرام اور تمام مومنین، صالحین، سلف سے خلف تک سب کا داڑھی پر قولی فعلی اتفاق ہے سب نے داڑھی رکھی اور رکھنے کا حکم دیا لہٰذا جو شخص ایسی عظیم الشان سنت کی مخالفت کرے وہ لائق جہنم اور سزاوار غضب الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بیزار، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ناراض ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بہ طفیل اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کو اپنے محبوب کی محبت اور اسلامی روایات واحکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

اے کاش مسلمان قوم کا ہر فرد اسلامی تعلیمات کا آئینہ اور سلف صالحین کے اخلاق و اعمال کا نمونہ ہوتا اور اسلامی شعار کی حفاظت کرتا تاکہ دوسری اقوام پر اس کے دین و مذہب علم و عمل اور تقویٰ و پرہیزگاری کا اثر پڑتا لیکن

اس کی نظر میں دل فریب رنگ تمدن فرنگ ۔۔۔ کر دیئے محو سر بسر اپنے سلف کے واقعات
مغربی علم ہو گیا باعث فخر اب اسے ۔۔۔ مصحف پاک اور حدیث ہو گئے کہنہ واقعات
فعل نکو سے منحرف اور نہ شوق بندگی ۔۔۔ تھیٹر وسینما ہیں اب اس کے رہین التفات

اس پرفتن دور میں جب کہ چاروں طرف سے انواع واقسام کے فتنے درپے تخریب دین و شعار دین ہیں اور نفوس پر شہوات نفسانی کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنا دشوار اور شرم و عار کا باعث ہوتا جا رہا ہے ایسے دور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق ہدایت پر چلنے اور سنت پر عمل کرنے سے بے شمار اجر وثواب ملتا ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مَائَةِ شَهِیْدٍ (مشکوٰۃ:۱۷۶)

جو شخص میری سنت پر مضبوطی سے قائم رہے، جب کہ میری امت میں فتنہ وفساد پھیل جائے تو اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر وثواب ہے۔

داڑھی کی مقدار

داڑھی کا ایک مشت ہونا سنت کی آخری حد ہے۔ اس سے کم کرنا جائز نہیں اور اس سے اگر کچھ زیادہ ہو جائے تو جائز بلکہ اولیٰ ہے اور اس قدر لمبی چوڑی رکھنا کہ حد شہرت تک پہنچ جائے اور تمسخر کا سبب بن جائے مکروہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمَجُوْسَ (مسلم شریف:۶۰۳)

مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ وَفِّرُوا اللِّحٰی وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ (بخاری شریف:۵۸۹۲)

مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔

ان دونوں حدیثوں میں داڑھیاں بڑھانے، مونچھیں کٹوانے اور مشرکین و مجوس کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ائمہ حدیث نے تصریح فرمائی ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مجوس و مشرکین میں سے بعض داڑھی چھوٹی رکھتے اور بعض منڈوا دیتے اور مونچھیں بڑی بڑی رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا کہ داڑھی نہ تو چھوٹی رکھو اور نہ منڈاؤ بلکہ بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ داڑھی کی وہ کم سے کم مقدار کیا ہو جو مشرکین و مجوس کی داڑھیوں سے مختلف بھی ہو اور حکم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ ''داڑھیاں بڑھاؤ'' کے موافق بھی ہو۔

تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی مذکورہ بالا حدیثوں کی روایت کرنے

والے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے متعلق صراحۃً موجود ہے کہ وہ داڑھی کا وہ حصہ جو قبضہ سے زیادہ ہوتا کٹوا دیتے۔

چنانچہ بخاری (۵۸۹۲) میں ہے۔

كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَهٗ۔ وَ رُوِىَ مِثْلُ ذٰلِكَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ فَعَلَهٗ عُمَرُ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ بِرَجُلٍ وَعَنِ الْحَسَنِ الْبَصَرِىِّ يُؤْخَذُ مِنْ طُوْلِهَا وَ عَرْضِهَا (ارشاد الساری شرح البخاری، ج۸، ص۴۵۰)

کہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرتے تو داڑھی کا وہ حصہ جو ایک قبضہ سے زیادہ ہوتا اسے کٹوا دیتے اور اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا گیا ہے (کہ وہ بھی زائد حصہ کٹوا دیتے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا کہ اس کی ایک مشت سے زائد داڑھی کو کٹوا دیا اور حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ بھی داڑھی کے طول وعرض سے لیتے تھے۔

کیا ان جلیل القدر حضرات کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خلاف سنت کے مرتکب ہوئے؟ اور کیا ان کے اس عمل پر صحابہ میں سے کسی نے اعتراض کیا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ثابت ہوا کہ مقدار مسنون یک مشت ہے۔ چناں چہ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت فرماتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَ طُوْلِهَا

(ترمذی: ۲۷۶۲)

کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی داڑھی مبارک کو طول وعرض سے لیتے تھے۔

امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحضرت عبداللہ بن عمر وحضرت ابو ہریرہ وغیرہما۔ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے افعال و اقوال اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ ومحرر مذہب امام محمد رضی اللہ عنہما و عامہ کتب فقہ وحدیث کی

تصریح سے داڑھی کی حد یک مشت ہے۔ ابھی نصوص علماء سے گزرا کہ اس سے کم کرنا کسی نے حلال نہ جانا، قبضہ سے زائد کا قطع ہمارے نزدیک مسنون ہے۔ بلکہ نہایہ میں بلفظ وجوب تعبیر کیا۔ تفصیل اس کی بحر ونہر ودرمختار اوراس کے حواشی وغیرہا کتب فقہ اور مرقات ولمعات ومنہاج وغیرہا کتب حدیث اور قوت القلوب واحیاء العلوم وغیرہما کتب سلوک میں دیکھیے۔

اور ہر عاقل جانتا ہے۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُاَ۔ قَالَ اللهُ تَعَالٰی وَ کَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا وَقَالَ اللهُ تَعَالٰی وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا (لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحے، ص ۳۳)

فوائد

(۱) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کی ہر وقت خبر رکھتے ہیں، اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لا سکتے ہیں اور غلاموں کے درد دور فرما کر ان پر رحم وکرم کرتے ہیں۔

(۲) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک بے مثل اور بے نظیر ہیں کہ بادل ان پر سایہ کرتے ہیں۔ اوران کو درود شریف پڑھنے کا علم ہوجاتا ہے جبھی وہ سیدھے اور الگ ہوجاتے ہیں۔

(۳) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ایسے مقدس اور پاک ہیں کہ ناپاک آدمی ان کی زیارت نہیں کرسکتا۔

(۴) یہ کہ بزرگان دین اپنے تصرف اور نور فراست سے ظاہری اور باطنی حالات معلوم کر سکتے ہیں جیسے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تشریف لا کر چارپائی کا رخ بدلنے کا حکم دیا۔

(۵) یہ کہ داڑھی رکھنا سنت موکدہ ہے جس کا تارک مرتکب کبیرہ گناہ ہے اور منکر ومخالف جہنمی ہے۔



گردن، کندھے، پشت مبارک

جس میں نہریں شیر و شکر کی رواں
اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

دوش بردوش ہے جن کے شان شرف
ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام

حجر اسود کعبہ جان و دل
یعنی مہر نبوت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک نہایت خوبصورت اعتدال کے ساتھ طویل اور چاندی کی طرح چمک والی سفید تھی اور حسین ایسی کہ کَانَ عُنُقُهٗ اِبْرِيْقَ فِضَّةٍ (شمائل ترمذی، ج ۱، ص ۲۲، خصائص، ج ۱، ص ۵۷، بیہقی، ج ۱، ص ۲۷۴، ابن عساکر، ج ۳، ص ۳۹۸) گویا آپ کی گردن چاندی کی صراحی تھی۔ اور آپ کے کندھے مبارک بھی عجیب شان کے تھے نہایت خوب صورت کہ کسی انسان کے ایسے نہ تھے۔

ابن سبع اور رزین نے آپ کے خصائص میں ذکر کیا ہے۔

اَنَّهٗ كَانَ اِذَا جَلَسَ يَكُوْنُ كَتِفُهٗ اَعْلٰى مِنْ جَمِيْعِ الْجَالِسِيْنَ (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۰۰)

کہ جب آپ لوگوں میں بیٹھے ہوتے تو آپ کا کندھا مبارک سب سے اونچا ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے جب کبھی ننگے ہو جاتے۔

فَكَاَنَّمَا سَبِيْكَةُ فِضَّةٍ (بیہقی، ج ۲، ص ۲۷۵، بزار، ترمذی شمائل، ج ۱، ص ۲۵ و خصائص کبریٰ، سبل الہدی، ج ۲، ص ۴۳)

تو یوں معلوم ہوتا جیسے چاندی کے ڈھلے ہوئے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جہل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارنے کے ارادہ سے آیا تو

رَاٰى عَلٰى كَتِفَيْهِ ثُعْبَانَيْنِ فَانْصَرَفَ مَرْعُوْبًا (تفسیر کبیر، زرقانی، ج ۵، ص ۱۹۵)

اس نے دوش اقدس پر دو بڑے بڑے اژدھے دیکھے تو ڈر کر بھاگ گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت کو توڑنے کے لیے مجھ کو کندھوں پر چڑھایا تو ان کندھوں کی قوت کا یہ عالم تھا کہ

اَنِّيْ لَوْ شِئْتُ نِلْتُ اُفُقَ السَّمَاءِ (المستدرک: ۳۳۸۷، خصائص کبریٰ: ۲۶۴)

اگر میں چاہتا تو میں آسمان کے کنارے تک پہنچ جاتا۔

حضرت محرش کعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے وقت جعرانہ سے عمرہ کے ارادہ سے احرام باندھا۔

فَنَظَرْتُ اِلٰی ظَهْرِهٖ كَاَنَّهٗ سَبِيْكَةُ فِضَّةٍ (احمد، بیہقی، ج۱، ص ۲۰۷، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۷۳، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۱۸۸، سبل الہدی، ج ۲، ص ۴۵)

تو میری نظر آپ کی پشت مبارک پر پڑی تو وہ ایسی تھی کہ گویا وہ چاندی کی ڈھالی ہوئی تھی۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا وَقَدْ كَانَتْ عَلَيْهِ شَامَةُ النُّبُوَّةِ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى اِلَّا نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ شَامَةَ النُّبُوَّةِ كَانَتْ بَيْنَ كَتِفَيْهِ

(حاکم: ۴۱۰۵، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۶۱)

کہ نہیں بھیجا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مگر اس کی مہر نبوت اس کے دائیں ہاتھ پر ہوتی تھی سوائے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی مہر نبوت دونوں شانوں کے درمیان تھی۔

حضرت عباد بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ عَلٰى طَرَفِ كَتِفِهِ الْاَيْسَرِ كَاَنَّهٗ رُكْبَةُ عَنْزٍ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ اَنْ يُّرَى الْخَاتَمُ (طبرانی، ابونعیم، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۶۰)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں کندھے کی طرف مہر نبوت تھی گویا کہ وہ بکری کا گھٹنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند نہیں فرماتے تھے کہ اس کو دیکھا جائے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرْتُ اِلٰی خَاتِمِهٖ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ (بخاری ومسلم: ۶۰۸۷، ترمذی: ۳۶۴۳، طبرانی کبیر: ۶۶۸۰)

کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہوا اور میں نے آپ کی مہر نبوت کو دونوں شانوں کے درمیان پالکی کے بٹن کی مانند دیکھا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رَاَیْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ کَتِفِهٖ مِثْلَ بَیْضَةِ الْحَمَامَةِ یُشْبِهُ جَسَدَهٗ
(مسلم شریف: ۶۰۸۴، بیہقی، ج۱، ص ۲۳۵، طبرانی کبیر: ۱۹۱۸)

کہ میں نے آپ کی مہر نبوت کو آپ کے شانے کے پاس کبوتری کے انڈے کی مثل دیکھا، رنگ کے اعتبار سے وہ آپ کے جسم کے مشابہ تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَلْقٰی اِلَیَّ رِدَاءَهٗ وَقَالَ انْظُرْ اِلٰی مَا اُمِرْتَ بِهٖ فَرَاَیْتُ الْخَاتَمَ بَیْتَ کَتِفَیْهِ مِثْلَ بَیْضَةِ الْحَمَامَةِ (بیہقی، ج۱، ص ۲۶۶، خصائص کبریٰ، ج۱، ص۵۹، المستدرک: ۴۱۹۷)

کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مجھ پر ڈالی اور فرمایا جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے وہ دیکھ تو میں نے آپ کی مہر نبوت کو دونوں شانوں کے درمیان کبوتری کے انڈے کی مثل دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

کَانَ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ عَلٰی ظَهْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ الْبُنْدَقَةِ مِنْ لَّحْمٍ مَّکْتُوْبٌ فِیْهَا بِاللَّحْمِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ابن حبان: ۶۳۰۲، ابن عساکر، حاکم، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۶۰، سبل الهدی، ج۲، ص۴۶)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت اقدس پر مہر نبوت گوشت کے ٹکڑے کی مانند تھی جس میں گوشت کے ساتھ یعنی قدرتی طور پر لکھا ہوا تھا ''محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

مہر نبوت کے متعلق جو مختلف روایتیں ہیں ان میں تطبیق اس طرح کی جائے کہ جس کسی نے اس کو جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ اپنے ذہن کے مطابق دی ہے اور تشبیہ ہر شخص کی اس کے ذہن کے موافق ہوتی ہے۔

حضرت جلہمہ بن عرفطہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مکہ میں آیا۔ اس وقت ساکنان مکہ قحط کی سخت مصیبت میں گرفتار تھے۔ قریش مل کر حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہا اے ابو طالب لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہیں نکلو اور خدا سے مینہ مانگو۔

فَخَرَجَ اَبُوْ طَالِبٍ وَ مَعَهٗ غُلَامٌ كَاَنَّهٗ شَمْسُ دَجْنٍ تَجَلَّتْ عَنْهُ سَحَابَةٌ قَتْمَآءُ وَ حَوْلَهٗ اُغَيْلَمَةٌ فَاَخَذَهٗ اَبُوْ طَالِبٍ فَاَلْصَقَ ظَهْرَهٗ بِالْكَعْبَةِ وَلَاذَا الْغُلَامِ بِاِصْبَعِهٖ وَمَا فِى السَّمَآءِ قَزَعَةٌ فَاَقْبَلَ السَّحَابُ مِنْ هٰهُنَا وَ هٰهُنَا وَاَغْدَقَ وَاَغْدَوْدَقَ وَانْفَجَرَلَهُ الْوَادِىْ وَاَخْصَبَ النَّادِىْ وَالْبَادِىْ وَفِىْ هٰذَا يَقُوْلُ اَبُوْ طَالِبٍ (زرقانی علی المواہب، ج۱،ص ۱۹۰، خصائص کبریٰ، ج۱،ص ۸۶، سبل الہدی، ج ۲، ص ۱۳۷)

پس ابو طالب نکلے اور ان کے ساتھ ایک ایسا نورانی بچہ تھا کہ گو یا وہ ایک آفتاب تھا جو کالے بادلوں سے نکلا ہو اور اس کے گرد چند بچے اور بھی تھے۔ (بیت اللہ شریف پہنچ کر) ابو طالب نے اس نورانی بچہ کی پشت دیوار کعبہ سے لگا دی۔ اس نورانی بچہ نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا حالاں کہ اس وقت آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا نہ تھا، مگر اس کے اشارے سے چاروں طرف سے بادل آ گیا اور اتنا برسا کہ جنگل بہہ نکلے اور اہل شہر اور دیہات خوب سیراب ہو گئے (اور قحط کی مصیبت دور ہو گئی) ابو طالب نے اپنے اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَ اَبْيَضَّ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالَ الْيَتٰمٰى عِصْمَةً لِّلْاَرَامِلِ

وہ گورے رنگ والے کہ ان کے چہرۂ انور کے صدقے میں ابر کا پانی مانگا جاتا ہے یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کے نگہبان ہیں۔

يَلُوْذُبِهِ الْهَلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِىْ نِعْمَةٍ وَّ فَوَاضِلٖ

بنی ہاشم جیسے غیور لوگ ہلاکت و تباہی کے وقت ان سے التجا و فریاد کرتے ہیں اور وہ آپ کے پاس آ کر عظیم نعمتیں اور برکتیں پاتے ہیں۔

(زرقانی علی المواہب، ج۱،ص ۱۹۰، خصائص کبریٰ، ج۱،ص ۸۶)

منبر شریف بننے سے پہلے مسجد شریف میں کھجور کا ایک ستون تھا جس سے پشت انور لگا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ فرمایا کرتے تھے۔، منبر بننے کے بعد جب آپ منبر پر تشریف فرما

ہوئے تو اس ستون سے بڑے دردناک لہجے میں رونے کی آواز آئی ۔

استن حنانہ از ہجر رسول نالہ می زد ہم چو ارباب عقول

(رومی)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر سے نیچے تشریف لاکر اس کو اپنے سینے سے لگا لیا تو اس کو سکون حاصل ہوا اور وہ چپ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں اس کو سینے سے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک روتا ہی رہتا پھر آپ نے اس کو کٹوا کر منبر شریف کے نیچے دفن کرا دیا۔

(سبل الہدی، ج 8، ص 214۔ زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۱۳۸)

بعض نادانوں نے اس حدیث کو ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رونے کے لیے احساس، دل و دماغ، پھیپھڑوں، گلے اور دقیق نظام جسمانی کی ضرورت ہے یہ سب کچھ اس درخت میں کہاں سے آ گیا تھا اگر آپ یہ کہیں کہ یہ معجزہ تھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کو معجزہ دکھانے سے کیوں انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا تھا هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ میں تو ایک انسان ہوں جس کا کام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے نہ کہ معجزے دکھانا، اور مسلمانوں کے سامنے معجزہ دکھانے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ (بلفظہ دو اسلام مصنفہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص ۳۳۷)

اے کاش ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس احادیث کا انکار کرنے سے پہلے کسی قابل محدث استاد سے اس کو سمجھ لیا ہوتا؟ ان لوگوں کی حالت بالکل اس شخص کی سی ہے جو خود بہ خود ڈاکٹری اور طب کی کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر اور حکیم بن بیٹھے اور پھر لوگوں کا علاج بھی شروع کر دے تو خدا ایسے ڈاکٹر اور حکیم سے لوگوں کو بچائے کیونکہ ایسے ڈاکٹر اور حکیم کے علاج کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو گا کہ ''نہ مرض رہے نہ مریض''۔

یاد رکھیے جس طرح خود بخود ڈاکٹری یا حکمت کی کتابیں پڑھ لینے والے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ڈاکٹر یا حکیم ہونے کا دعویٰ کرے اور لوگوں کا علاج کرے، جب تک کہ کسی قابل ڈاکٹر اور حکیم سے تجربہ کے ساتھ ان کو نہ پڑھے۔ بالکل اسی طرح ان لوگوں کو بھی ہرگز یہ حق

نہیں پہنچتا کہ وہ حدیث دانی کا دعویٰ کریں اور حدیث میں کلام کریں جب تک کہ کسی قابل استاد سے حدیث نہ پڑھیں۔

سخت حیرت ہے یہ لوگ بزعم خود قرآن پر ایمان رکھنے اور اس کو سمجھنے کے دعویدار ہو کر اس حدیث کو کیسے نہیں سمجھے اور اس کی صحت کے کیسے منکر ہو گئے؟ حالانکہ قرآن حکیم سے اس کے صحیح ہونے کا روشن ثبوت ملتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت و تباہی کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ (الدخان:۲۹)
تو ان پر آسمان وزمین نہیں روئے۔

اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوا کہ آسمان اور زمین روتے تو ہیں مگر فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت پر نہیں روئے، اسی طرح دیگر کفار کی موت پر بھی نہیں روتے۔ ہاں مومنین وصالحین کی موت پر روتے ہیں جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ تو منکرین حدیث کو چاہیے کہ اس آیت قرآنی کا بھی انکار کردیں جس سے آسمان وزمین کا رونا ثابت ہو رہا ہے ورنہ وہ جیسا احساس دل ودماغ، گلے وپھیپھڑوں اور دقیق نظام جسمانی کا ہونا رونے کے لیے ضروری مانتے ہیں وہ آسمان زمین کے اندر ثابت کردیں۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (البقرہ:۷۴)
اور ان (پتھروں) میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر:۲۱)
اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے جھکا ہوا پاش پاش ہوتا۔

ان دونوں آیتوں سے پہاڑوں اور پتھروں میں اللہ کا خوف پایا جانا صراحۃً ثابت ہے اور خوف وحزن دونوں دل کی کیفیتیں ہیں، تو منکرین حدیث کو چاہیے کہ یا تو گوشت و پوست کا دل ودماغ جیسا کہ وہ ستون حنانہ میں چاہتے ہیں پتھروں اور پہاڑوں میں ثابت

کریں یا اس صحیح حدیث کی طرح قرآن کی ان دونوں آیتوں کا بھی انکار کردیں۔

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا (الاحزاب:۷۲)	بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔

اس آیہ کریمہ سے بھی صراحۃً ثابت ہوا کہ آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں نے بار امانت کے اٹھانے سے معذرت کی اور اس سے ڈرے، تو کیا ان کا ڈرنا اور معذرت کرنا دل ودماغ کے ذریعے سے تھا یا بغیر دل ودماغ کے؟

اسی طرح قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے بہت سی اشیاء کا اس گوشت پوست کے دل و دماغ، گوش وزبان، گلے و پھیپھڑے اور دقیق نظام جسمانی کے بغیر سننا دیکھنا نیکی و بدی کی تمیز رکھنا، اللہ کی تسبیح پڑھنا اور ہنسنا اور رونا ثابت ہے۔

تو اس حدیث کے انکار کے ساتھ ساتھ ان تمام حقائق کا بھی انکار کرنا پڑے گا، ورنہ ان حقائق کے ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ بلا شبہ وہ ستون حنانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رویا تھا ؎

فلسفی کہ منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است

(رومی)

اور منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ اگر یہ معجزہ تھا تو پھر کفار کے معجزہ طلب کرنے پر آپ نے هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا کہہ کر انکار کیوں کر دیا تھا اور معجزہ مسلمانوں کو دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔

یہ ان کی علمی استعداد اور قرآن فہمی کی وہ دلیل ہے جس نے ان کے ڈھول کا پول کھول کر رکھ دیا ہے۔

اصل بات یہ ہے جس کو منکر حدیث نہیں سمجھا کہ ایک مرتبہ کفار مکہ نے جمع ہو کر حضور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ اگر آپ مال و دولت، عزت و شہرت اور سلطنت وغیرہ کے خواہش مند ہیں تو آپ کی یہ خواہش پوری کی جا سکتی ہے اور اگر آپ کسی دماغی مرض میں مبتلا ہیں تو آپ کا علاج وغیرہ کرایا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ میں مال و سلطنت کا طلب گار نہیں بات صرف اتنی ہے کہ اللہ نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب اتاری اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کے ماننے پر اللہ کی رضا و نعمت اور آخرت میں مغفرت کی بشارت دوں اور انکار کرنے پر عذاب الٰہی کا خوف دلاؤں۔ میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔

انہوں نے کہا ہم ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دو خاص تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو جائے پھر اس میں تم بہت سی نہریں جاری کر دو یا آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا نہ کر دو یا تمہارا گھر سونے کا نہ ہو جائے یا تم ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جاؤ۔ اور ہم تو تمہارے آسمان پر چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ تم ہم پر بھی ایک کتاب نہ اتار دو جسے ہم خود پڑھ لیں وغیرہ وغیرہ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کے ہاتھ پر کوئی معجزہ بھی ظاہر نہیں ہو سکتا۔ ایسا سمجھنا جہالت و گمراہی ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر عجز و نقصان اور عیب سے پاک اور ہر چاہے پر قادر ہے ایسے نشانات دکھلانا اسے کوئی مشکل نہیں تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ فرمائشی نشانات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور جو فرمائشی نشانات و معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لاتے وہ تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں کہ جیسا کہ فرمایا۔

وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (الاسراء:۵۹)	اور ہم نے اسی لیے نشانیاں بھیجنی موقوف کر دیں کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔

اور اگر یہ بھی جھٹلاتے تو ان کا حشر بھی وہی ہوتا جو پہلوں کا ہوا تھا اور انہوں نے اس وقت یقیناً جھٹلانا تھا اور حکمت یہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کو اسی طرح تباہ کیا جائے لہٰذا فرمائشی نشانات کا

بھیجنا موقوف کر دیا گیا کہ اے محبوب آپ ان سے فرما دیجئے کہ میرا پروردگار پاک ہے اور میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں۔ محض ذاتی طور پر معجزے دکھانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور تمہارے جائز و ناجائز مطالبوں کا پابند بھی نہیں ہوں کہ جب بھی تم چاہو اور جو بھی تم چاہو تمہیں دکھاتا رہوں۔ میرا معجزے دکھانا میرے رب کی مشیت و مرضی کے تابع ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ (الرعد)

اور کسی رسول کا کام نہیں کہ کوئی نشانی و معجزہ لے آئے مگر اللہ کے اذن سے اور ہر چیز کا ایک وقت ہے لکھا ہوا۔

چنانچہ بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارادۂ الٰہی بکثرت معجزے دکھائے جن میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ستون حنانہ کا آپ کے فراق میں رونا ہے۔

اور مسلمانوں کو بھی معجزے دکھانے کی ضرورت تھی تاکہ علم الیقین کے ساتھ عین الیقین بھی حاصل ہو جائے اور ان کا ایمان بہت ہی زیادہ مضبوط و مستحکم ہو کر کامل سے اکمل ہو جائے اور وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قادر ہے اور جس کے ہاتھ مبارک پر اس کی قدرتوں کا ظہور ہو رہا ہے وہ اس کی قدرتوں کا مظہر کامل اور اس کے دعوے کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ (اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ معجزہ و کرامت دراصل فعل الٰہی ہے۔ جس کا ظہور اللہ کے پیاروں سے ہوتا ہے اور یوں حق و صداقت پر حجت قائم ہوتی ہے اور باطل کا بطلان ہوتا ہے)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا تھا رب ارنی کیف تحی الموتی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اولم تومن؟ جس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا تھا ولکن لیطمئن قلبی! جس سے ثابت ہوا کہ دیکھی ہوئی بات کا یقین سنی ہوئی بات سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

بہرصورت واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں ستون حنانہ کا رونا بالکل صحیح ہے اور اس پر اعتراض کرنا عدم تفقہ کی دلیل ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے پیارے محبوب کی گردن مبارک، کندھے اور پشت اقدس بھی نرالے اور بے مثل ہیں۔



بغل مبارک

بے سہیم و قسیم و عدیل و مثیل
جوہر فرد عزت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک بغلیں نہایت پاکیزہ صاف اور خوشبودار تھیں۔ آپ کی بغلوں کا رنگ متغیر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی آپ کی بغلوں میں بال تھے۔

(خصائص کبریٰ، جلد ۱، ص ۶۳، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۱۸۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِی الدُّعَآءِ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ اِبْطَیْہِ (بخاری: ۳۵۶۵، مسلم: ۲۰۷۴)

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعا استسقاء میں اس قدر بلند ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ رہی تھی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ یُرٰی بَیَاضُ اِبْطَیْہِ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۲۴، خصائص کبریٰ، ج ۱۱، ص ۶۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سجدہ کرتے تو آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آیا کرتی۔

گاہے گاہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک کپڑے سے یا چادر اوڑھ کر بغیر قمیص کے بھی نماز ادا فرماتے تھے اس لیے آپ کی مبارک بغلیں نظر آ جایا کرتی تھیں۔

دارمی نے بنی حریش کے ثقہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو اس کے اقرار بالزنا پر سنگسار کرنے کا حکم دیا تو اس کے بدن پر پتھر برستے دیکھ کر مجھ میں کھڑا رہنے کی طاقت نہ رہی۔ قریب تھا کہ میں گر پڑتا۔

فَضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَالَ عَلَیَّ مِنْ عِرْقِ اِبْطَیْہِ مِثْلَ رِیْحِ الْمِسْكِ (دارمی: ۶۴، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۷، زرقانی علی المواہب ج ۴، ص ۱۸۷)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ ایسا وقت تھا کہ آپ کی بغلوں کا پسینہ مجھ پر ٹپک رہا تھا جس سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی ہیں ان سے ایک مرتبہ ایسا مکروہ ترین فعل سرزد ہو گیا جو ایک صحابی کی شان رفیع کے ہرگز شایاں نہ تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بظاہر یہ واقعہ نہایت قبیح ہے لیکن غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں درس بصیرت اور خطا کاروں کے لیے ایک بہترین اسوہ و نمونہ موجود ہے۔ اس سے بہتر اور اس سے بڑھ کر توبۃ النصوح کی مثال نہیں مل سکتی۔

چنانچہ ایک مرتبہ جذبات نفس سے مغلوب ہو کر زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اس وقت تو جذبات کے طوفان میں کچھ نہ سوجھا بعد میں جب ہوش آیا تو آنکھیں کھلیں اور شدت سے احساس ہوا کہ کیا کر بیٹھے۔ اسی بے تابی کے عالم میں دوڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے؟ آپ سمجھ گئے لیکن پردہ پوشی فرماتے ہوئے فرمایا، جاؤ خدا سے مغفرت چاہو اور اس کے حضور توبہ کرو۔ یہ جواب سن کر واپس چلے گئے۔ تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے؟ آپ نے پھر وہی فرمایا جاؤ اللہ سے توبہ واستغفار کرو! پھر چلے گئے۔ تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آئے اور کہا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے؟ آپ نے پھر وہی فرمایا۔ پھر لوٹ گئے چوتھی مرتبہ پھر آ کر عرض کیا۔ مجھے پاک کیجئے؟ اب آپ نے صراحۃً پوچھا، کس چیز سے پاک کروں؟ عرض کیا زنا کی گندگی سے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جرم کے ایسے صریح اعتراف سے بہت متعجب ہوئے کیوں کہ اس کی سزا بھی بڑی دردناک تھی یعنی سنگ ساری، اس لیے آپ نے صحابہ سے فرمایا ان کو جنون تو نہیں؟ عرض کیا گیا۔ نہیں! پھر فرمایا، شراب تو نہیں پی ہے؟ ایک صاحب نے اٹھ کر منہ سونگھا تو شراب کا بھی کوئی اثر نہ تھا۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کیا تم نے واقعی زنا کیا ہے؟ حضرت ماعز نے عرض کیا ہاں! اس اقرار کے بعد آپ نے ان کو سنگ سار کرنے کا حکم دیا۔ حکم صادر ہوتے ہی ان کو لے جا کر سنگ سار کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے متعلق صحابہ کرام کی رائیں مختلف تھیں۔ بعض کا خیال تھا کہ وہ اپنی خطاؤں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے اور بعض کہتے تھے کہ ان کی توبہ سے افضل کسی کی توبہ نہیں۔ دو تین دن

تک اسی قسم کی رائے زنی ہوتی رہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے اور سلام کرکے بیٹھ گئے اور فرمایا ماعز بن مالک کے لیے سب مغفرت کی دعا کرو۔ سب نے مل کر مغفرت کی دعا کی۔ دعا کے بعد

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُم (مسلم شریف: ۴۴۳۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بے شک ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو تمام امت پر تقسیم کر دیا جائے تو تمام امت کے لیے یہی ایک توبہ کافی ہے۔

اللہ اللہ کتنا عجیب وغریب، پر درد و پرسوز، سبق آموز اور بصیرت افروز واقعہ ہے۔ غور فرمایئے یہ گناہ انہوں نے علانیہ نہیں بلکہ چھپ کر کیا تھا اور کسی کو اس کا علم بھی نہ تھا۔ اور اگر وہ چاہتے تو کسی کو علم ہونے بھی نہ دیتے۔ مگر ان کی روح کی پاکیزگی اور قلب کی صفائی کا عالم دیکھیے کہ وہ اپنے کردار کی سفید چادر پر معصیت کے اس دھبے کو برداشت نہیں کرتے اور بار بار آ کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دھبے کو دور کر دیجئے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس خیال سے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈالا ہے تو اس کو دنیا میں کیوں رسوا کیا جائے پردہ پوشی فرماتے ہوئے بار بار فرماتے ہیں جاؤ توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہو۔ لیکن ان کے دل کو تسکین نہیں ہوتی حالانکہ ان کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اس گناہ کی سزا بڑی سخت ہے۔ اگر اعتراف کیا تو رسوائی بھی ہوگی اور پتھر مار مار کر ہلاک بھی کر دیا جاؤں گا مگر وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے اور دنیا سے پاک وصاف اٹھنے کا تہیہ کرتے ہیں، تاکہ آخرت کا کوئی مواخذہ باقی نہ رہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت نے صحابہ میں کیسے کیسے جوہر پیدا کر دیئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام اخلاق حسنہ اور کردار فاضلہ کے نمونے تھے لہٰذا مجرموں، خطا کاروں کے لیے ایک ایسی مثال کی بھی ضرورت تھی جس میں ان کے لیے یہ سبق ہوتا کہ دنیا میں گناہوں کا کفارہ اس طرح ادا کیا جاتا ہے۔

زنا اور اس کی سزا

زنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ (الاسراء)

اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بے شک وہ ایک بے حیائی اور بہت بری راہ ہے۔

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ (الفرقان)

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے (خودساختہ) معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے مگر ساتھ حق کے۔ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کام کرے گا وہ بڑے سخت گناہ میں جا پڑا۔ اس کو قیامت کے دن دوگنا عذاب ہوگا اور وہ دوزخ میں ذلیل وخوار ہوکر پڑا رہے گا۔

حضرت ہیثم بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ ذَنْبٍ بَعْدَ الشِّرْكِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ نُّطْفَةٍ وَضَعَهَا رَجُلٌ فِيْ رَحِمٍ لَا يَحِلُّ لَهٗ (ابن ابی الدنیا)

شرک کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ انسان اپنا نطفہ ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لیے حلال نہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ النَّاسِ اتَّقُوا الزِّنَا فَاِنَّ فِيْهِ سِتَّ خِصَالٍ ثَلَاثٌ فِي الدُّنْيَا وَ ثَلَاثٌ فِي الْاٰخِرَةِ اَمَّا الَّتِيْ فِي الدُّنْيَا فَيَذْهَبُ الْبَهَآءُ وَ يُوْرِثُ الْفَقْرَ وَ يُنْقِصُ الْعُمُرَ

اے لوگو! زنا سے بچو، کیونکہ اس میں چھ باتیں ہیں تین دنیا میں ہوں گی اور تین آخرت میں۔ جو دنیا میں ہوں گی وہ یہ ہیں چہرے کی رونق جاتی رہے گی۔ محتاجی

وَاَمَّا الَّتِیْ فِی الْاٰخِرَۃِ فَسَخَطُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی وَ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَ عَذَابُ النَّارِ (تفسیر کبیر، ج۶،ص۲۴۹)

لاحق ہو گی۔ عمر میں کمی ہو گی۔ اور جو آخرت میں ہوں گی وہ یہ ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سخت ناراض ہو گا۔ حساب بہت برا ہوگا اور آگ کا عذاب ہوگا۔

الغرض زنا نہایت قبیح اور برا فعل ہے جس کے نتائج دنیا و آخرت میں سخت ہولناک ہوں گے۔ اسلام میں زنا کی سزائیں تین ہیں۔ پچاس درے، سو درے، سنگ ساری اگر زانی و زانیہ غلام اور لونڈی ہو خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، تو ان کی سزا صرف پچاس درے ہیں۔ اگر زانی و زانیہ آزاد عاقل بالغ ہوں اور نکاح کیے ہوئے نہ ہوں یا نکاح کے بعد ہم بستری نہ کر چکے ہوں تو ان کی سزا سو سو درے ہیں اور اگر نکاح کے بعد ہم بستری کر چکے ہوں تو ان کی سزا سنگ ساری ہے اور یہ سزائیں اس وقت دی جائیں گی جب کہ چار گواہ مرد، عاقل، بالغ، مسلم، عادل چشم دید گواہی دیں یا مجرم خود چار بار اقرار زنا کرے اور کوئی شبہ عارض نہ ہو۔ ان سزاؤں کا اجراء سلطان اسلام کے حکم کے بغیر جائز نہیں ہے اور سلطان اسلام کو ان سزاؤں میں تبدیلی یا تخفیف یا معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہاں ابتدا میں پردہ پوشی اور اعراض اولیٰ ہے لیکن جرم ثابت ہو جانے پر تخفیف و ترحم اور سفارش و عفو ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۲ (النور)

زانیہ عورت اور زانی مرد، سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درے اور اللہ کے حکم (کے پورا کرنے) میں تمہیں ان (مجرموں) پر ترس نہیں آنا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر و موجود ہو۔

یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر پورا پورا یقین و ایمان رکھتے ہو تو اس کے احکام اور حدود کے جاری کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمی نہ کرو اور ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا کو معاف یا اس میں تخفیف کرنے لگو یا سزا دینے میں ایسا ہلکا اور غیر مؤثر طریقہ اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم اور ارحم الراحمین ہے وہ اپنے بندوں پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اس کے ہر سخت و نرم حکم میں حکمت و رحمت کے دریا موجزن ہیں۔

مذکورہ بالا آیۃ کریمہ میں ان زانیوں کی سزا کا بیان ہوا ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہوں اور غیر شادی شدہ ہوں یا شادی شدہ ہوں مگر ہم بستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہوں بلکہ غلام اور لونڈیاں ہوں تو ان کی سزا اس سے نصف یعنی پچاس درے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ** (النساء: ۲۵) پس اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر آدھی سزا ہے محصنات کی سزا سے۔

اور وہ لوگ جو آزاد، عاقل، بالغ ہوں اور نکاح کے بعد ہم بستری بھی کر چکے ہوں ان کی سزا ''رجم'' یعنی سنگ سار کرنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء اربعہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ اور ان کے بعد اہل سنت و جماعت میں سے آج تک کسی ایک شخص نے بھی اس کا انکار بلکہ اس سے اختلاف تک بھی نہیں کیا۔ گویا یہ مسئلہ سنت متواترہ اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے۔

گزشتہ زمانہ میں خوارج کے ایک گروہ نے اس کا انکار کیا تھا اور دور حاضرہ کے منکرین حدیث و سنت اور بعض آزاد طبع لوگ بھی اس سزائے ''رجم'' کے بارے میں طرح طرح کی تاویلیں کر کے انکار کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سزائے رجم کے متعلق چند سطور ہدیہ قارئین کی جائیں۔

خیبر کے یہودی باشندے اسلامی حکومت کے تحت زندگی بسر کرتے تھے اور معاہدہ کی

رو سے ان کو اندرونی معاملات میں آزادی حاصل تھی۔ وہ اپنے مقدمات کے فیصلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے مقرر کردہ قاضیوں کے پاس لانے کے لیے مجبور نہ تھے بلکہ وہ اپنے مقدمات کے فیصلے اپنے مذہبی قانون کے مطابق اپنے ججوں سے کراتے تھے لیکن ان کے بعض مذہبی قانون بڑے سخت تھے۔ تو وہ اپنے مذہبی قانون کی سختیوں سے بچنے کے لیے بعض مقدمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف اس امید پر لے آتے تھے کہ شاید آپ کی شریعت میں ان کے لیے وہ سختی نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا نرم حکم ہو چنانچہ ایک مرتبہ ان کے معزز خاندانوں میں سے ایک شادی شدہ مرد و عورت نے زنا کیا۔ تورات کی رو سے ان کی سزا ''رجم'' (سنگ سار کرنا) تھی لیکن ان کو یہ سزا گوارا نہ تھی اس لیے وہ اس مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کے پاس آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا، فرمایا:

وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ (المائدہ)

اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور آپ کو کیسے حکم بناتے ہیں جب کہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے پھر وہ اس سے منہ پھیر رہے ہیں حقیقت میں یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

یعنی تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ آپ کے پاس فیصلہ کرانے کیسے آ گئے ہیں حالاں کہ ان کے پاس تورات ہے جس کو یہ خود آسمانی کتاب مانتے ہیں اور اس میں اس جرم کے بارے میں واضح طور پر اللہ کا حکم ''رجم'' موجود ہے۔ جس کتاب کو یہ مانتے ہیں جب اس کا فیصلہ ان کو گوارا نہیں تو آپ کا فیصلہ ان کو کیسے گوارا ہو گا۔ آپ کو تو یہ مانتے ہی نہیں۔ اور پھر جس اللہ نے تورات میں حکم دیا ہے اسی اللہ کے حکم سے آپ فیصلہ کریں گے۔ تو آپ اللہ

کے حکم کے مطابق ٹھیک فیصلہ فرما دیں۔ چناں چہ آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق رجم یعنی سنگسار کرنے کا فیصلہ دیا۔ کیونکہ تورات میں حکم اللہ یہی رجم تھا۔ انہوں نے اس فیصلہ و حکم کے ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس جو آسمانی کتاب تورات ہے جس کو تم ماننے کا دعویٰ رکھتے ہو اس میں بھی یہی حکم ہے انہوں نے کہا اس میں یہ حکم نہیں ہے بلکہ اس میں چالیس کوڑے مارنے اور منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھانے کا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے علماء میں ابن صوریا نامی ایک عالم فدک میں رہتا ہے وہ کیسا آدمی ہے؟ انہوں نے کہا روئے زمین پر اس کے پایہ کا کوئی عالم نہیں ہے وہ تورات کا سب سے زیادہ ماہر ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ بلایا گیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا۔ تو ابن صوریا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا تو یہود میں سب سے بڑا عالم ہے؟ اس نے کہا لوگ ایسا ہی کہتے ہیں! پھر آپ نے یہودیوں سے فرمایا۔ اس کی بات مانو گے؟ انہوں نے کہا ہاں!! آپ نے ابن صوریا سے فرمایا میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی۔ جس نے تمہیں مصر سے نکالا، دریا میں تمہارے لیے راستے پیدا کیے اور تمہارے دشمن فرعون کو غرق کر کے تمہیں اس کے ظلم وستم سے نجات دی، ابر کو تم پر سایہ بان بنایا، اور تمہارے لیے من وسلویٰ اتارا۔ سچ بتا جب چار عادل معتبر گواہوں کی گواہی سے زنا ثابت ہو جائے تو تمہاری آسمانی کتاب تورات میں اس کی سزا سنگ سار کرنا ہے یا کوڑے مارنا؟ اس نے کہا اسی کی قسم جس کی بھاری قسم آپ نے مجھے دی اگر عذاب نازل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں جھوٹ بول دیتا لیکن میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تورات میں زانی کی سزا سنگ سار کرنا ہی ہے کوڑے مارنا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا اس حکم الٰہی میں تبدیلی کس طرح واقع ہوئی؟ اس نے کہا جب ہمارے ہاں زنا کی کثرت ہوئی تو ہمارے حکام نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جب بڑے لوگ زنا کے مرتکب ہوتے تو انہیں رشوت وغیرہ لے کر چھوڑ دیا جاتا اور جب چھوٹے لوگ اسی فعل کے مرتکب ہوتے تو انہیں رجم کر دیا جاتا۔ جب عوام میں اس کے خلاف ایک ہنگامہ

اور شورش برپا ہوگئی تو ہم نے جمع ہوکر تورات کے اس قانون کو بدل کر امیر وغریب سب کے لیے چالیس کوڑے اور منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا بٹھا کے گشت کرانے کی سزا مقرر کر دی اس کے بعد یہود اگرچہ ابن صوریا پر بہت ناراض تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بولنے کی ان کو ہمت وجرأت نہ ہوئی۔ آپ نے ان دونوں کو ''رجم'' یعنی سنگ سار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کے حکم سے ان دونوں کو سنگ سار کر دیا گیا۔

آپ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ اَحْیَا اَمْرَكَ اِذَا مَاتُوْهُ۔ اے اللہ میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جب کہ وہ لوگ اسے مٹا چکے تھے (سبل الھدی والرشاد، ج ۳، ص ۴۰۷) چناں چہ اس کے بعد جس قدر بھی واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں آپ نے اور آپ کے خلفاء راشدین نے زانی محصن یعنی شادی شدہ کو یہ ہی رجم کی سزا دی اور اس کے بعد اس پر تمام اہل حق کا آج تک اجماع واتفاق رہا ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔

گویا شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تورات کے اس حکم کو باقی رکھا۔ جیسا کہ قتل عمد کی سزا کو قرآن نے بحوالہ تورات بیان فرمایا۔ و کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس الایۃ۔ اور پھر اس حکم کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی باقی رکھا گیا۔

قرآن کریم میں اس حقیقت کو واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کوئی نبی آتا تھا تو وہ پہلے انبیاء کرام کی تردید کے لیے یا ان کے دین ومذہب کو مٹا کر اپنا نیا دین و مذہب رائج کرنے کے لیے نہیں آتا تھا بلکہ ہر نبی پہلے تمام انبیاء کی تصدیق وتائید کرتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی کتاب اس کی پہلی کتابوں کی تردید کے لیے نہیں آتی تھی بلکہ اس کی ہر کتاب اس کی پہلے بھیجی ہوئی کتابوں کی تصدیق وتائید کرتی تھی، چنانچہ فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا (المائدہ: ۴۴)

بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے (اس کے بعد آنے والے) انبیاء جو مسلم تھے وہ اسی تورات

کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کو حکم دیتے رہے۔

وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾

(المائدہ)

اور ہم نے ان (نبیوں) کے بعد بھیجا عیسیٰ بن مریم کو، وہ تصدیق کرنے والا تھا اس کی جو تورات میں سے اس کے سامنے موجود تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے وہ بھی تصدیق کرنے والی تھی اس تورات کی جو اس سے پہلے تھی اور ہدایت و نصیحت تھی واسطے پرہیزگاروں کے۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ:۴۸)

اور (اے حبیب) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) اتارا ہے ساتھ حق کے۔ یہ تصدیق کرنے والا ہے کتاب میں سے جو بھی اس سے پہلے ہے اور یہ اس پر امین و محافظ ہے۔ سو آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اللہ کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق اور آپ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں چند باتیں نہایت قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق اور ان کے مضامین و احکام کا امین و محافظ ہے۔ دوسری یہ کہ **مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ** فرمایا ہے، **مِنَ الْكُتُبِ** نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ کتابیں

جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں سب کی سب اصل میں اس ایک ہی کتاب (قرآن) سے ہیں ایک سرچشمہ فیض کی نہریں اور ایک ہی نور کے انوار اور ایک ہی اللہ کا کلام ہیں۔ تیسری یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ**۔ کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا ''رجم'' کا۔ تو ثابت ہوا کہ قانون رجم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین میں سے ہے۔ چوتھی یہ کہ لوگوں کی خواہشات کا خیال کرتے ہوئے حق سے روگردانی کرنا اور اللہ کے نازل کردہ قوانین کے خلاف حکم کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں داخل ہے جس کے تین درجے ہیں۔ کفر، ظلم، فسق۔

فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ ..... وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ ..... وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ (المائدہ)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکم نہ دیں تو وہی کافر ہیں، جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکم نہ دیں وہی ظالم ہیں اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکم نہ دیں وہی فاسق ہیں۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قانون کو غلط سمجھ کر یا اس کی تحقیر کرتے ہوئے یا اس کا انکار کرتے ہوئے اس کے مطابق حکم اور فیصلہ نہیں دیتے وہ کافر ہیں اور جو اعتقاداً قانون الٰہی کو حق و صحیح سمجھتے ہیں مگر عملاً اس کے خلاف حکم و فیصلہ کرتے ہیں وہ ظالم اور فاسق ہیں۔ ظالم اس وجہ سے کہ انہوں نے اس قانون کے خلاف کیا جو عین عدل و انصاف تھا اور عدل و انصاف کے خلاف کرنا ظلم ہے اور فاسق اس وجہ سے کہ بندے ہونے کے باوجود وہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت و بندگی سے نکلے۔

ان ارشادات خداوندی کے بعد کیا کوئی مسلمان یہ تصور بھی کرسکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ''رجم'' قانون الٰہیہ کے مطابق نہیں تھا؟

اب منکرین حدیث (جو حکم ''رجم'' کے بھی منکر ہیں) کے معترضہ دلائل کو ترتیب وار نقل کر کے ان کا بالترتیب جواب ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

(۱) حکم رجم چونکہ قرآن میں نہیں ہے۔ لہٰذا قابل قبول نہیں۔

(۲) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ عام ہے اور اس کے عموم میں محصن وغیر محصن سب شامل ہیں لہٰذا سب کی سزا سو کوڑے ہو گی۔ شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا ماننا عموم آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شادی شدہ زنا کرنے والی باندیوں کی جو سزا بیان فرمائی ہے وہ محصنات کی سزا کا نصف ہے اور محصنات سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ اب اگر محصنہ کی سزا رجم قرار دی جائے تو اس کی تنصیف ناممکن ہے اس وجہ سے یہ آیت ناقابل عمل ہو جائے گی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ زنا کی سزا ہر صورت میں سو کوڑے ہی ہیں جن کا نصف پچاس ہوتے ہیں اور وہی پچاس کوڑے شادی شدہ زانیہ باندی کی سزا ہے۔

(۴) انسان کو سنگسار کرنا اس مہذب دور میں انتہائی وحشت و بربریت اور بے رحمی کا مظاہرہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے قطعاً منافی ہے۔

منکرین ومخالفین کی پہلی دلیل کا جواب گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔

جواب ۲۔

منکرین کی یہ دلیل کہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ عام ہے اور ہر زانی و زانیہ کو شامل ہے۔ خود قرآن کی روشنی میں باطل اور مردود ہے۔ منکرین بتائیں کہ شادی شدہ زانیہ باندی، الزانیۃ والزانی کے عموم میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو پھر اس کی سزا بھی سو کوڑے ہونی چاہیے حالاں کہ اس کی سزا پچاس کوڑے ہے؟ اور اگر داخل نہیں اور یقیناً داخل نہیں تو منکرین کی یہ دلیل مردود اور باطل ہو گئی اور اگر وہ یہ کہیں کہ آیت **فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ** نے آیت اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ کو خاص کر دیا تو اہل حق یہ کہتے ہیں جس وحی میں

اللہ تعالیٰ نے حکم ''رجم'' دیا اس نے بھی اس آیت کے عموم کو اسی طرح خاص کر دیا ہے۔

جواب ۳۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شادی شدہ زانیہ باندی کی سزا محصنات کی سزا کا نصف بیان فرمائی ہے مگر وہاں محصنات سے مراد شادی شدہ عورتیں نہیں بلکہ غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں اور غیر شادی شدہ آزاد عورت اگر زنا کی مرتکب ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہے۔

تعجب ہے کہ منکرین حدیث ''محصنات'' سے صرف شادی شدہ عورتیں مراد لیتے ہیں حالانکہ خود قرآن کریم میں لفظ ''محصنات'' غیر شادی شدہ آزاد عورتوں کے لیے وارد ہوا ہے۔

ملاحظہ ہو:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء:۲۵)

اور جو شخص تم میں سے اتنی طاقت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو وہ تمہاری ان لونڈیوں سے نکاح کرے جو مسلمان ہوں اور تمہارے قبضہ میں ہوں۔

دیکھیے اس آیت میں ''محصنات'' سے قطعاً غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہی مراد ہیں۔ غیر شادی شدہ اس لیے کہ ان سے نکاح کرنے کا ذکر ہے۔ شادی شدہ خاوند والی سے نکاح نہیں ہو سکتا اور آزاد اس لیے کہ ان کے بالمقابل باندیوں سے نکاح کا حکم دیا جا رہا ہے۔

جس طرح یہاں باندیوں کے بالمقابل ''محصنات'' سے مراد آزاد غیر شادی شدہ ہیں اس طرح آیت **فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ** میں بھی محصنات سے مراد آزاد غیر شادی شدہ ہیں کیونکہ وہاں بھی باندیوں کے بالمقابل ان کا ذکر ہے۔

قرآن کریم کی اس روشن تصریح سے ثابت ہوا کہ محصنات سے مراد غیر شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ محصنات سے مراد صرف شادی شدہ آزاد عورتیں ہیں، قطعاً غلط ہے کیونکہ ''احصان'' تزویج میں منحصر نہیں بلکہ تزویج کے علاوہ اسلام، عفاف حریت سے بھی

احصان ثابت ہوجاتا ہے چنانچہ لسان العرب میں ہے وَاَصْلُ الْاِحْصَانِ الْمَنْعُ۔ وَالْمَرْاَۃُ تَکُوْنُ مُحْصَنَۃً بِالْاِسْلَامِ وَالْعَفَافِ وَالْحُرِّیَّۃِ وَ التَّزْوِیْجِ (لسان العرب، ج ۱۳، ص ۱۲۰)
یعنی ''احصان'' کے اصل معنی ''منع'' ہیں اور عورت اسلام، عفاف، حریت اور تزویج (سب کے ساتھ) محصنہ ہوسکتی ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ لَفْظَ الْاِحْصَانِ جَآءَ فِی الْقُرْاٰنِ عَلٰی وُجُوْہٍ اَحَدُھَا۔ اَلْحُرِّیَّۃُ وَ ثَانِیْھَا اَلْعَفَافُ وَ ثَالِثُھَا اَلْاِسْلَامُ وَرَابِعُھَا: کَوْنُ الْمَرْاَۃِ ذَاتَ زَوْجٍ وَاعْلَمْ اَنَّ الْوُجُوْہَ الْاَرْبَعَۃَ مُشْتَرَکَۃٌ فِی الْمَعْنَی الْاَصْلِیِّ اللُّغَوِیِّ وَھُوَ الْمَنْعُ وَ ذٰلِکَ لِاَنَّا ذَکَرْنَا اَنَّ الْاِحْصَانَ عِبَارَۃٌ مِّنَ الْمَنْعِ فَالْحُرِّیَّۃُ سَبَبٌ لِتَحْصِیْنِ الْاِنْسَانِ مِنْ نَّفَاذِ حُکْمِ الْغَیْرِ فِیْہِ وَالْعِفَّۃُ اَیْضًا مَانِعَۃٌ لِّلْاِنْسَانِ عَنِ الشُّرُوْعِ فِیْمَا لَا یَنْبَغِیْ وَ کَذٰلِکَ الْاِسْلَامُ مَانِعٌ مِّنْ کَثِیْرٍ مِّمَّا تَدْعُوْآ اِلَیْہِ النَّفْسُ وَالشَّھْوَۃُ وَالزَّوْجُ اَیْضًا مَانِعٌ لِّلزَّوْجَۃِ مِنْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاُمُوْرِ وَ الزَّوْجَۃُ مَانِعَۃٌ مِّنَ الْوُقُوْعِ فِی الزِّنَا وَ لِذٰلِکَ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ حَصَنَ ثُلُثَیْ دِیْنِہٖ فَثَبَتَ اَنَّ الْمَرْجِعَ بِکُلِّ ھٰذِہٖ

جان لو بے شک لفظ ''احصان'' قرآن میں چند وجوہ پر آیا ہے۔ پہلی حریت دوسری عفاف تیسری اسلام چوتھی ازدواجی رشتہ، اور چاروں وجوہ اصلی لغوی معنی میں مشترک ہیں اور وہ اصلی لغوی معنی ہیں ''منع'' یعنی روکنا اور یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ ''احصان'' کے اصلی معنی روکنے کے سب میں مشترک ہیں تو وہ اس طرح کہ حریت انسان پر غیر کے حکم کے نفاذ کو روکنے کا سبب ہے۔ ایسے ہی عفت و پاک دامنی انسان کو نا مناسب اور بری راہوں سے روکتی ہے اور اسی طرح اسلام ان کثیر چیزوں سے روکتا ہے جن کی طرف نفس وشہوۃ دعوت دیتے ہیں اور ایسے ہی زوج زوجہ کے لیے بہت سے امور کو روکنے اور زوجہ زوج کے لیے زنا وغیرہ سے روکنے والی ہے اسی لیے حضور

اَلْوُجُوْهِ اِلٰی ذٰلِكَ الْمَعْنَى اللُّغَوِيِّ
(تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۱۹۴)

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جس نے نکاح کیا اس نے اپنے دین کا دو تہائی حصہ محفوظ کر لیا۔ پس ثابت ہوا کہ ان تمام وجوہ کا مرجع یہی لغوی معنیٰ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ثابت ہو گیا کہ ''احصان'' تزویج میں منحصر نہیں اس کو تزویج میں منحصر ماننا کس قدر ناواقفی اور نافہمی کی دلیل ہے۔

جواب ۴۔

رہا یہ امر کہ انسان کو سنگ سار کرنا اس مہذب دور میں سخت بے رحمی اور بربریت کا مظاہرہ ہے تو اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ جن لوگوں کی اصطلاح میں بے حیائی و بے شرمی کا نام تہذیب ہو ان کے نزدیک فاحشہ و بدکار کی سزا بے رحمی اور بربریت ہی کہلائے گی۔

اے کاش! یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھتے کہ انسان کا شادی شدہ ہونا اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کی ضمانت ہے اور ''احصان بالتزویج'' گویا اس کی پاک دامنی کے لیے ایک حصن حصین اور مضبوط قلعہ ہے ایسا محصن جب فاحشہ کا مرتکب ہو کر کسی کی آبروریزی کرتا ہے تو صرف یہ نہیں کہ اس نے انسانی عفت کے دُرِ آبدار کو شکستہ کر ڈالا بلکہ اس سے پہلے اس نے خود اپنے حصار عفت کو سنگ ہائے معصیت سے ریزہ ریزہ کر دیا ایسے شخص کی سزا کا سنگساری سے کم ہونا اسلامی معاشرہ میں انسانی ناموس کے ساتھ سخت بے رحمی اور انتہائی وحشت و بربریت کا مظاہرہ ہے۔

بلاشبہ جب انسان پر ہوا و ہوس اور جاہ طلبی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پیش نظر خالق و مالک اللہ جل شانہ کی رضا و خوشنودی نہیں ہوتی بلکہ بندوں کی رضا ہوتی ہے پھر وہ ان کو خوش کرنے اور اپنا ذاتی مفاد حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کے معانی اور اسلام کے احکام میں ہیر پھیر اور واضح تصریحات کا انکار شروع کر دیتا ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں

حرص وہوا کا غلبہ ہو جائے وہاں عدل وانصاف نہیں رہتا پھر قرآن کریم اس کے لیے موجب نصیحت و ہدایت اور رحمت و شفا نہیں ہوتا بلکہ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا اور وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا کا موجب ہو جاتا ہے۔

فوائد

(۱) یہ کہ آپ کی مبارک بغلوں کا رنگ دیگر آدمیوں کی طرح متغیر نہیں ہوتا تھا۔
(۲) یہ کہ آپ کی مبارک بغلیں اوران کا پسینہ کستوری کی طرح خوشبودار تھے۔
(۳) یہ کہ آپ کی مقدس بغلوں میں دیگر آدمیوں کی طرح بال بھی نہیں تھے۔
(۴) یہ کہ زنا بہت برا فعل ہے اوراس کی سزائیں کتاب وسنت کے عین مطابق ہیں۔

دست و بازو مبارک

جس کو بار دو عالم کی پرواہ نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستون
ساعدین رسالت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا
موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم
اس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں
انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کف دست اور بازوئے مبارک پُر گوشت تھے ریشم سے بڑھ کر نرم اور بے حد خوشبو دار تھے جس شخص سے آپ مصافحہ کرتے وہ دن بھر اپنے ہاتھوں سے خوشبو پاتا اور جس بچے کے سر پر آپ اپنا دست مبارک رکھ دیتے وہ خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہو جاتا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی جب آپ مسجد سے باہر تشریف لائے تو میں بھی آپ کے ساتھ تھا بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار پر ہاتھ مبارک پھیرنے لگے۔ میرے رخسار پر بھی آپ نے ہاتھ پھیرا۔

فَوَجَدْتُّ لِیَدِهٖ بَرْدًا وَّ رِیْحًا کَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ

(مسلم شریف: ٦٠٥٢)

تو میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچہ سے نکالا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا مَسَسْتُ دِیْبَاجَةً وَّلَا حَرِیْرًا اَلْیَنَ مِنْ کَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمَمْتُ مِسْکًا وَّلَا عَنْبَرَةً اَطْیَبَ مِنْ رَّآئِحَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(بخاری: ١٩٧٣، مشکوٰۃ: ٥٧٨٧)

کہ میں نے کسی ریشم اور دیبا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کف دست سے نرم نہیں پایا اور نہ کسی مشک وعنبر وغیرہ خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کُنْتُ اُصَافِحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ یَمَسُّ جِلْدِیْ جِلْدَهٗ فَاَتَعْرِفُهٗ بَعْدُ فِیْ یَدِیْ وَاَنَّهٗ لَاَ طْیَبُ رَآئِحَةً مِّنَ

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کرتا یا میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد ازاں بھی پاتا کہ میرا ہاتھ

اَلْمِسْكِ (بیہقی، ابن عساکر، ج ۴، ص ۷۴، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۱۸۳) — کستوری سے زیادخوشبودار ہوتا۔

حضرت جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ کر تشریف لائے۔

اَلنَّاسُ فَجَعَلُوا يَأْخُذُوْنَ يَدَيْهِ فَيَمْسَحُوْنَ بِهِمَا وُجُوْهَهُمْ قَالَ فَاَخَذْتُ بِيَدِهٖ فَوَضَعْتُهَا عَلٰى وَجْهِىْ فَاِذَا هِىَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَ اَطْيَبُ رَآئِحَةً مِّنَ الْمِسْكِ (بخاری: ۳۵۵۳)

تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کو پکڑ پکڑ کر اپنے چہروں پر ملنے لگے میں نے بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

اور یہی وہ نورانی ہاتھ ہیں کہ کونین کی نعمتیں ان ہی مبارک ہاتھوں میں مستور ہیں اور کائنات کی ساری برکتیں ان ہی بے مثل ہاتھوں میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اِنِّىْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ (بخاری: ۱۳۴۴، مسلم: ۵۹۷۶)

بے شک میں زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دیا گیا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اُتِيْتُ خَزَآئِنَ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِىْ يَدَىَّ (بخاری: ۷۰۳۷، مسلم: ۱۱۷۱)

میں زمین کے تمام خزانے دیا گیا ہوں اور وہ میرے ہاتھ میں رکھ دیئے گئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اُتِيْتُ بِمَقَالِيْدِ الدُّنْيَا عَلٰى فَرَسٍ اَبْلَقَ جَآءَنِىْ بِهَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ مِّنْ سُنْدُسٍ (خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۹۵، زرقانی علی المواہب، ج ۵، ص ۲۶۰، سراج

میں ساری دنیا کی کنجیاں دیا گیا ہوں۔ جبریل امین ان کو ابلق گھوڑے پر رکھ کر میرے پاس لائے اور ان کنجیوں پر ریشمی چادر پڑی ہوئی تھی۔

المنیر ،ج۱،ص ۴۳،فیض القدیر:۱۵۸)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد ایک کہنے والا۔

يَقُوْلُ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلٰى مَفَاتِيْحِ النُّصْرَةِ وَ مَفَاتِيْحِ الرِّبْحِ وَ مَفَاتِيْحِ النُّبُوَّةِ- بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا لَمْ يَسْبَقْ خَلْقٌ مِّنْ اَهْلِهَآ اِلَّا دَخَلَ فِيْ قَبْضَتِهٖ (خصائص کبریٰ،ج۱،ص۴۸)

کہہ رہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نصرت کی کنجیوں اور نفع کی کنجیوں اور نبوت کی کنجیوں پر قبضہ فرمالیا ہے...... واہ واہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری دنیا پر قبضہ کرلیا۔ کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو آپ کے قبضہ میں نہ آئی ہو۔

حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْاَحْمَرَ وَ الْاَبْيَضَ (مسلم:۷۲۵۸،مشکوٰۃ:۵۷۵۰)

کہ مجھ کو دو خزانے سرخ اور سفید یعنی سونا اور چاندی عطا فرمائے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ كُلِّ شَيْءٍ (مسند احمد: ۵۵۷۹، طبرانی: ۱۳۳۴۴ خصائص کبریٰ، ج۱،ص۱۹۵)

مجھے ہر چیز کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اِذْ يَيِسُوا الْكَرَامَةَ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَلِوَآءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ (دارمی:۴۹،مشکوٰۃ شریف:۵۷۶۵)

قیامت کے دن جب لوگ ناامید ہوں گے عزت و کرامت اور کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد کا جھنڈا بھی اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے محبوب کیا، مالک و مختار بنایا

یہ مشہور واقعہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بیت اللہ شریف میں تشریف لے گئے، وہاں کافروں نے تین سو ساٹھ پتھر کے بت اس طرح مضبوط نصب کیے ہوئے تھے کہ کلہاڑیوں اور کدالوں سے ان کا اکھڑنا مشکل تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ایک چھڑی تھی وہ چھڑی جس بت سے لگا دیتے اور فرماتے جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ وہ بت اوندھے مونھ زمین پر آ جاتا تھا، جس سے سب لوگ تعجب کرتے۔ (سیرت ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۹)

مقام غور ہے کہ صرف لکڑی کی چھڑی لگا دینے سے ان بتوں کا گر جانا جو نہایت مضبوط طریقہ سے زمین میں جمائے ہوئے تھے کس قدر حیرت انگیز ہے لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ وہ چھڑی کس کے ہاتھ میں تھی تو کوئی حیرت نہ رہتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک دست قدرت الٰہی تھا ؎

دست احمد عین دست ذوالجلال آمدہ در بیعت و اندر قتال

(اعلیٰ حضرت)

اس چھڑی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی قوت وتاثیر تھی جس کے صرف لگنے سے زمین اور دیوار میں گڑے ہوئے مستحکم بت اوندھے مونھ گر جاتے تھے ؎

تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

دیکھنے میں تو وہ دست مبارک ہی تھا مگر اس دست مبارک کی حقیقتوں کا ادراک بغیر عرفان الٰہی ممکن نہیں۔

حضرت جعیل بن زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میں ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ میری گھوڑی جس پر میں سوار تھا، نہایت ضعیف اور دبلی تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ میں بہت پیچھے رہ گیا ہوں تو تشریف لائے اور فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟

قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَجْفَاءُ ضَعِیْفَةٌ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِخْفَقَةً مَّعَهٗ فَضَرَبَهَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ

میں نے عرض کی یا رسول اللہ میری گھوڑی دبلی اور ضعیف ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں جو چھڑی تھی اس سے

بَارِكْ لَهٗ فِيْهَا فَلَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مَا اَمْلِكُ رَأْسَهَا اَنْ تَقَدَّمَ النَّاسَ وَلَقَدْ بِعْتُ مِنْ بَطْنِهَا بِاِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا (بیہقی، ج٦، ص ١۵٣، خصائص کبریٰ، ج ٢، ص ٦٣)

آپ نے اس کو مارا اور فرمایا اے اللہ اس (جعیل) کے لیے اس میں برکت فرما۔ حضرت جعیل فرماتے ہیں اس کے بعد وہ ایسی تیز ہوگئی کہ میں اس کی لگام نہیں تھام سکتا تھا اور سب سے آگے بڑھ جاتی۔ اور اس سے اتنی اولاد ہوئی کہ میں نے ان کو بارہ ہزار میں بیچا۔

دبلی اور ضعیف گھوڑی کا بغیر خوراک اور مسالا وغیرہ کھلانے کے صرف چھڑی مارنے سے چست اور چالاک ہوجانا کس قدر حیرت انگیز ہے۔

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ اور چھڑی مارنے سے اس کی فطرت ہی بدل گئی اور ایک نئی روح اور نئی طاقت اس کے اندر پیدا ہوگئی اور آپ کی دعائے برکت کا اثر پورے طور پر یوں ظاہر ہوا کہ اس کی اولاد اتنی ہوگئی کہ اس کے بارہ ہزار ملے۔

اہل ایمان اس قسم کے واقعات سے بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبیب مکرم ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ آپ کی حرکت سے برکتوں کا ظہور ہو اور ثابت ہوجائے کہ آپ کا مثیل ونظیر کوئی نہیں ہے۔

اور یہی وہ دست قدرت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت فرمایا ہے اور اسی دست اقدس پر بیعت کرنے والوں کو یوں بشارت دی ہے ید اللہ فوق ایدیھم کہ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے اور یہی وہ دست شفا ہے کہ جس کے محض چھونے سے وہ بیماریاں دور ہوجاتی ہیں جن کے علاج سے اطباء عاجز ہیں، اور یہی وہ دست قدرت ہے کہ جس کے اشارے سے چاند دو پارہ ہوگیا تھا اور ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹ آیا تھا،

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے منکر دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

(اعلیٰ حضرت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

کہ حضرموت کے باشندے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جن میں اشعث بن قیس بھی تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایک بات ہم نے اپنے دل میں چھپائی ہے بتایئے وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! یہ تو کاہن کا کام ہے اور کاہن و کہانت کا مقام دوزخ ہے۔

فَقَالُوْا کَیْفَ نَعْلَمُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللهِ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفًّا مِنْ حَصًى فَقَالَ هٰذَا يَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ فَسَبَّحَ الْحَصٰى فِيْ يَدِهٖ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ (دلائل النبوۃ، ابو نعیم: ۱۹۰، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۷۵، سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۹، ص ۵۰۳)

تو انہوں نے کہا کہ پھر ہم کس طرح جانیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ تو آپ نے ایک مٹھی کنکر زمین سے اٹھا کر فرمایا دیکھو یہ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں چنانچہ حضور کے دست مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی یہ سنتے ہی انہوں نے کہا کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اسی قسم کی بہت سی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں نے بلند آواز سے تسبیح اور کلمہ طیبہ پڑھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلوب کی کیفیتوں پر مطلع تھے جس کا ثبوت متعدد احادیث میں ملتا ہے مگر اس موقعہ پر جو فرمایا کہ یہ کاہن کا کام ہے، اس میں ایک بہت بڑی مصلحت تھی اور وہ یہ تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سوچی ہوئی بات بتا دیتے تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ یہ کام تو کاہن بھی کیا کرتے تھے، اور ممکن تھا کہ ان کو اس قسم کا کوئی واقعہ شبے میں ڈال دیتا، چونکہ انہوں نے نبوت و رسالت کے پرکھنے کا معیار، دل کی بات جان لینے کو قرار دیا جو اتنی بڑی بات نہ تھی۔

اس لیے فرمایا کہ یہ کام تو کاہن بھی کر لیتے ہیں، ہم تمہیں وہ معجزہ دکھاتے ہیں کہ کسی اور

سے ممکن ہی نہ ہو، چنانچہ کنکریوں سے کلمہ پڑھوا دیا۔

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ انہوں نے ریشمی لباس پہنا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

فَمَا بَالُ هٰذَا الْحَرِيْرِ فِيْ اَعْنَاقِكُمْ قَالَ فَشَقُّوْهُ مِنْهَا فَاَلْقَوْهُ (ج،۲،ص ۳۴۵)

کہ تمہارا کیا حال ہے کہ تم نے یہ ریشم اپنی گردنوں میں پہن رکھا ہے جو نا جائز ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی انہوں نے اس لباس کو پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیا۔

سبحان اللہ یہ ہے مسلمان ہونا کہ ریشمی لباس کا نا جائز ہونا سنتے ہی اسے پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیا، اور ہم ہیں کہ جانتے تو سب کچھ ہیں مگر عمل کچھ بھی نہیں، اے اللہ تبارک وتعالیٰ بہ طفیل اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو سچا مسلمان بنا، آمین۔

حضرت عمر بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ نے حضرت عمار بن یاسر کو آگ میں ڈال دینا چاہا تو تیار تھے کہ آگ میں پھینک دیتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور اپنا دست کرم حضرت عمار کے سر پر رکھ دیا۔

فَيَقُوْلُ يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ (طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۸۸، کنز العمال: ۳۱۷۶۲، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۸۰، زرقانی، ج ۵، ص ۱۹۳، سبل الہدی، ج ۱۰، ص ۲۶۷)

اور فرمایا اے آگ عمار پر ٹھنڈی ہو جا جیسے کہ تو ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی، اے عمار! تیرے مرنے کا یہ وقت نہیں بلکہ باغیوں کا ایک گروہ تجھے قتل کرے گا۔

ف: آپ کا فرمان سن کر آگ ٹھنڈی ہو گئی اور بعد ازاں حضرت امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں حضرت عمار شامی باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور آپ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

حضرت عباد بن عبد الصمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ہم ایک روز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، انہوں نے اپنی لونڈی سے فرمایا کہ دستر خوان لاؤ ہم کھانا کھائیں گے، اس نے لاکر بچھا دیا، فرمایا کہ رومال بھی لا، وہ ایک رومال لے آئی جو کہ میلا تھا، فرمایا اس کو تنور میں ڈال دے! اس نے تنور میں ڈال دیا جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اسے

فَخَرَجَ اَبْیَضَ کَاَنَّهُ اللَّبَنُ فَقُلْنَا مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذَا مِنْدِيْلٌ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ بِهٖ وَجْهَهٗ فَاِذَا اَنْسَخَ صَنَعْنَا بِهٖ هٰكَذَا لِاَنَّ النَّارَ لَا تَاْكُلُ شَيْئًا مَرَّ عَلٰى وُجُوْهِ الْاَنْبِيَآءِ (ابو نعیم، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۸۰، سبل الہدی والرشاد، ج ۱۰، ص ۲۴۲)

نکالا گیا تو وہ ایسا سفید تھا جیسا کہ دودھ۔ ہم نے حیران ہو کر کہا کہ یہ کیا راز ہے؟ حضرت انس نے فرمایا کہ یہ وہ رومال ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مونھ مبارک کو صاف کیا کرتے تھے۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اس کو اسی طرح آگ میں ڈال کر صاف کر لیتے ہیں، کیونکہ جو چیز انبیاء کرام کے چہروں پر گزرے آگ اسے نہیں جلاتی۔

عارف اکمل حضرت مولانا روم علیہ رحمۃ القیوم مثنوی شریف میں اس واقعہ مبارک کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ؎

اے دل ترسندہ از نار و عذاب — باچناں دست و لبے کن اقتراب
چوں جما دے را چناں تشریف داد — جان عاشق را چہا خواہد کشاد

اے وہ دل جس کو نار جہنم اور عذاب دوزخ کا ڈر ہے ان پیارے پیارے ہونٹوں اور مقدس ہاتھوں سے نزدیکی کیوں نہیں حاصل کر لیتا جب کہ بے جان چیز دستر خوان کو ایسی فضیلت و بزرگی عطا فرمائی کہ وہ آگ میں نہ جلے، تو جو ان کے عاشق و صادق اور بندۂ بارگاہ بے کس پناہ ہیں ان پر جہنم کیوں نہ حرام ہو۔

یہاں ایک معرکۃ الآراء فطرت کا مسئلہ پیش ہو جاتا ہے کہ ہر چیز کا اپنی فطرت کے

مطابق کام کرنا ضروری ہے۔ آگ کا کام ہے جلانا، اس کی کتنی ہی خوشامد کیجئے وہ اپنا جلانا نہ چھوڑے گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں لیکن مومن کا یہ ایمان ہے کہ آگ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس میں جلانے کی تاثیر بھی اسی نے رکھی ہے۔ جب خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو اس کی صفت احراق کو فنا کرنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو گلزار بنا کر یہ ثابت کر دیا کہ ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ جب چاہیں۔ آگ کی صفت کو بیکار کر دیں۔ غرض کہ جب خدا تعالیٰ کی قدرت مان لی جائے تو فلسفہ اور سائنس کا جھگڑا خود بخود مٹ جاتا ہے

فلسفی کو اپنی عقل نارسا پر ناز ہے   مرد مومن کو خدا و مصطفی پر ناز ہے

خدا تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی چیز اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتی، اور جو لوگ خدا کی قدرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کو مانتے ہی نہیں ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں۔

الحاصل ہر مسلمان کے لیے یہ ماننا ضروری ہے کہ آگ حکم الٰہی کے خلاف نہیں کرتی اسی کو جلاتی ہے جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے مگر عادت اللہ جب یونہی جاری ہے کہ جلانے کا کام آگ ہی سے لیا جاتا ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سے بچے، اگر اس میں کود جائے یا اپنا مال اس میں ڈال دے تو گناہگار ہوگا کیونکہ حسب عادت خودکشی یا اتلاف مال کا شرعاً اس پر الزام عائد ہوگا۔

ایک بات اس میں اور قابل غور یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رومال کی صفائی کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ اور کیا کسی روایت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہو؟ ہرگز نہیں! تو جب کسی روایت سے یہ ثابت نہیں اور نہ ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسی بات فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ طریقہ انہیں بتایا تھا تو

ثابت ہوا کہ رومال صاف کرنے کا یہ طریقہ انہوں نے اپنی ذات سے ایجاد کیا تھا

کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک اور روئے انور کا مساس اس رومال کو حاصل ہے لہٰذا آگ اسے ہرگز نہیں جلائے گی ورنہ وہ متبرک رومال جو ان کو جان سے عزیز تھا، اگر اس کے جلنے کا خوف یا خیال بھی ہوتا، تو وہ کبھی ایسا نہ کرتے کیونکہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

یہ تھے صحابہ کرام کے مستحکم اعتقاد جنہوں نے شان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا آج کل کے بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ ان کی نظروں میں تبرکات تو کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی معاذ اللہ کچھ وقعت نہیں جس طرح اس زمانے کے کفار کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نعوذ باللہ ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہیں۔ یہ بھی وہی کہتے ہیں رہنمائے عارفاں حضرت مولانا روم علیہ رحمۃ القیوم فرماتے ہیں ؎

کافراں دیدند احمد را بشر ایں ندانستند کاں شق القمر

کافروں کی نظروں میں حضرت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک بشر ہیں۔ بصیرت کے اندھوں نے یہ نہ دیکھا کہ انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وقعت و محبت جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی اس نے اسلام میں بڑے بڑے کرشمے دکھائے، اور جب سے وہ بات جاتی رہی تنزل اور خرابی کا سامنا ہے اگرچہ ایک جماعت مسلمانوں کے اندر اب بھی ایسی ہے جس کے احوال و افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وقعت و محبت ان کے دلوں میں اس قدر زیادہ ہے کہ مخالفین نے ان کو بدعتی وغیرہ مشہور کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی وقعت اور سچی محبت ہمارے دلوں میں مستحکم کرے۔ آمین ثم آمین

ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

ذرۂ عشق نبی از حق طلب   سوز صدیق و علی از حق طلب

روح راجز عشق او آرام نیست   عشق کو روزیست اورا شام نیست

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست   بحر و بر در گوشہ دامان اوست

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عتیک ابو رافع یہودی (جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا دشمن تھا) کو قتل کر کے اس کے اونچے مکان سے اترنے لگے تو زینے سے گر گئے اور ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی انہوں نے اسی وقت گرم گرم پنڈلی اپنے عمامہ سے باندھ لی اور رحمۃ للعالمین آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر اپنا حال عرض کر دیا۔

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُّ رِجْلِیْ فَمَسَحَهَا فَكَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَكِهَاقَطُّ (بخاری شریف: ۴۰۳۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤ فرماتے ہیں میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا۔ حضور نے اس پر اپنا دست شفا پھیر دیا، آپ کے دست کرم کے پھیرتے ہی میری پنڈلی ایسی درست ہوگئی کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔

ابن عساکر اور مدائنی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اَنَّ اُسَیْدَ بْنَ اَبِیْ اَیَاسٍ مَسَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهَهٗ وَاَلْقٰى يَدَهٗ اِلٰى صَدْرِهٖ فَكَانَ اُسَيْدٌ يَدْخُلُ الْبَيْتَ الْمُظْلِمَ فَيُضِیْءُ (ابن عساکر: ۴۵۸۷، کنز العمال: ۳۶۸۲۳، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۸۵، سبل الہدی، ج ۶ ص ۱۷۲)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسید بن ایاس کے چہرہ اور سینہ پر اپنا دست مبارک پھیرا تو (ان کا چہرہ اور سینہ اس قدر روشن ہو گیا کہ) وہ اندھیری کوٹھری میں داخل ہوتے تو وہ روشن ہو جاتی۔

وہ روشنی بظاہر آپ کے دست مبارک میں محسوس نہ تھی جو ان کے چہرہ میں منتقل ہوئی اور نہ ان کے چہرہ میں پوشیدہ تھی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر فرما دیا تھا، بلکہ دست مبارک کے فیض و اثر سے وہ روشنی پیدا ہوگئی تھی، یہ تھی دست مبارک کی تاثیر جس کی دسترس معدومات تک تھی۔

حضرت ابو العلاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجْہَ قَتَادَۃَ ابْنِ مِلْحَانَ فَکَانَ لِوَجْہِہٖ بَرِیْقٌ حَتّٰی کَانَ یُنْظَرُ فِیْ وَجْہِہٖ کَمَا یُنْظَرُ فِی الْمِرْاٰۃِ (شفاء شریف، ج۱، ص ۲۲۰، سبل الہدیٰ، ج۱۰، ص ۳۵، مسند احمد: ۲۰۳۱۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتادہ بن ملحان کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا تو ان کے چہرہ میں اتنی چمک پیدا ہوگئی کہ ان کے چہرے میں اشیاء کا عکس اسی طرح دیکھا جاتا جس طرح کہ آئینے میں دیکھا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف میں قابل غور بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ان کے چہرے پر دست مبارک پھیرا وہ محض محبت کی وجہ سے تھا یا یہ مقصود تھا کہ ان کا چہرہ روشن ہو جائے، کچھ بھی ہو دست مبارک کی تاثیر ضرور ثابت ہوتی ہے۔ اگر محض محبت کی وجہ سے بغیر قصد روشنی دست مبارک پھیرنے سے چہرہ روشن ہوگیا تو اور زیادہ پر لطف بات ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخواست کے آپ کی حرکات پر وہ اثرات مرتب کردے جو دنیا میں کسی سے نہ ہوسکیں جن سے آپ کا نام تمام دنیا میں روشن رہے۔ اور اگر روشنی کے قصد سے دست مبارک کے پھیرنے سے چہرہ روشن ہوا تو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا ارادہ فرماتے ویسا ہی ہوجاتا ہے

قدرت نے ازل میں یہ لکھا ان کی جبیں پر جو ان کی رضا ہو وہی خالق کی رضا ہو

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن میں گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کیا حضور میں ناتجربہ کار ہوں، مقدمات کے فیصلے وغیرہ کیسے کروں گا؟

قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ فِیْ صَدْرِیْ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ وَ ثَبِّتْ لِسَانَہٗ قَالَ فَوَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ فَمَا شَکَکْتُ فِیْ قَضَآءٍ بَیْنَ الِاثْنَیْنِ (ابن ماجہ: ۲۳۱۰، حاکم: ۴۶۵۸، خصائص

حضرت علی کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست کرم میرے سینے پر مارا اور دعا کی اے اللہ اس کے دل کو ہدایت پر قائم رکھ اور اس کی زبان کو حق پر ثابت رکھ حضرت علی فرماتے ہیں کہ خدا

کبریٰ، ج ۲،ص ۳۷)

کی قسم اس وقت سے تا دم حیات فریقین کے مقدمات کے فیصلے کرنے میں ایک ذرہ کے برابر بھی مجھے غلطی کا شبہ نہیں ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا صحابہ کرام میں کوئی نہ تھا، اس میں شبہ نہیں کہ ایسے مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو دعا فرمایا کرتے تھے وہ ضرور قبول ہوتی تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان امور کا اظہار بھی ہو جاتا تھا مگر ایسے موقعوں پر دست مبارک جو رکھا جاتا تھا اس کا رکھنا بھی بے سبب نہ ہوتا تھا چونکہ شرح صدر بغیر حکم الٰہی نہیں ہوسکتا تھا اس لیے دعا بھی فرمائی اور عالم اسباب میں ظاہری سبب کی بھی ضرورت ہے اس لیے اپنا دست مبارک بھی رکھا تا کہ اس کی بھی تاثیر ہو، اس سے ظاہر ہوا کہ جس طرح دوائیں وغیرہ عالم اسباب میں تاثیر کیا کرتی ہیں اسی طرح دست مبارک میں بھی تاثیر رکھی گئی تھی جس کا ظہور بے شمار مقامات پر ہوا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس تھا کہ سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اس وقت ان کا چہرہ زرد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چہرہ دیکھ کر پہچان گئے کہ بھوک کے سبب ایسا ہے۔

فَرَفَعَ یَدَہٗ فَوَضَعَهَا عَلٰی صَدْرِهَا فِیْ مَوْضِعِ الْقِلَادَةِ وَ فَرَّجَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ مُشْبِعَ الْجَاعَةِ وَرَافِعَ الْوَضِیْعَةِ ارْفَعْ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ قَالَ عِمْرَانُ فَنَظَرْتُ اِلَیْهَا وَقَدْ ذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ مِنْ وَّجْهِهَا فَلَقِیْتُهَا بَعْدُ فَسَاَلْتُهَا فَقَالَتْ مَا جُعْتُ بَعْدُ یَا

تو آپ نے اپنا دست مبارک ان کے گلے کے نیچے جہاں ہار ہوتا ہے رکھ کر انگلیوں کو کشادہ کیا اور فرمایا اے اللہ بھوکوں کو سیر کرنے اور پست کو بلند کرنے والے فاطمہ بنت محمد کو بلند کر۔ عمران کہتے ہیں کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ان کے چہرے سے بھوک کے آثار جاتے

عِمْرَانُ (بیہقی، ج٦،ص ١٠٨، دلائل النبوۃ ابو نعیم: ٣٩٠،خصائص کبریٰ، ج ٢،ص ٧١،سبل الہدی، ج١٠،ص ٢٠١)

رہے اور اس کے کئی روز بعد میں سیدہ کو ملا اور اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اے عمران اس کے بعد مجھے بھوک سے کبھی اذیت نہیں ہوئی۔

اس حدیث شریف سے اہل بیت کے گزران کا حال ظاہر ہے کہ حضرت سیدہ پر کتنے وقت کا فاقہ گزرا ہوگا کہ جسم کا خون تحلیل ہو کر چہرے پر زردی نمایاں ہوئی باوجود اس کے ایک روز بھی زبان پر نہ لائیں کہ ہم تو ایسے فقر و فاقے میں مبتلا ہیں اور آپ خزانے کے خزانے لٹا دیتے ہیں جن سے دوسرے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ ہیں وہ لوگ جن کو نفوس قدسیہ کہتے ہیں ؎

خود اپنی سادگی دیکھو کھجوروں پر گزرا ہے
شہنشاہی جہاں کی بٹ رہی ہے خاکساروں میں

اب یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ایک بار دست مبارک کے رکھنے سے عمر بھر کی اذیت کا بندوبست ہو گیا، ایسے کام خدائی طاقت سے متعلق ہیں، اس میں قوت بشری کا کوئی دخل نہیں۔ جب یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے ظاہر ہوا تو اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر قدرت الٰہی ٹھہرے۔

چاند کو دو ٹکڑے کرنا اور عالم علوی و سفلی میں تصرف کرنا اسی قدرت سے متعلق ہے جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں ان کو بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرت مان لی جائے تو شرک لازم آ جاتا ہے۔ اس لیے وہ اکثر معجزات کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔

زمانہ سابقہ میں معتزلہ نے اس قسم کے اصول قائم کیے تھے مگر اہل سنت و جماعت برابر معجزات کے قائل رہے چنانچہ اسی جماعت کثیرہ کی وجہ سے یہ معجزے ہم تک پہنچے اگر وہ حضرات معجزوں کی ان احادیث کو موضوع خیال کر کے اپنی کتابوں میں نہ لکھتے تو ہم تک یہ

معجزے ہرگز نہ پہنچ سکتے۔

جو لوگ جھوٹے مدعی نبوت پچھلے زمانے میں گزرے وہ سب جانتے تھے کہ مسلمان جب تک خوارق عادت نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے، اس لیے وہ خوارق عادات ظاہر کرنے کی تدابیر سوچتے اور لوگوں کو شعبدے وغیرہ دکھا بھی دیتے جس سے بعض لوگ ان کے معتقد بھی ہو جاتے اور بہت سے ان کی جعل سازیوں پر مطلع ہو کر ان کی تکذیب کر دیتے۔

چنانچہ قادیانی مرزا صاحب نے اس قسم کے معجزات کا قطعی طور پر انکار ہی کر دیا اور ان سے متعلق احادیث کو موضوع ٹھہرایا تاکہ معجزے دکھانے کا جھگڑا ہی جاتا رہے۔

حضرت مدلوک فرازی فرماتے ہیں کہ میرا آقا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گیا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے لیے دعائے برکت فرمائی اور میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ میرے سر کا وہ حصہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک نے مس کیا تھا سیاہ ہی رہا، باقی تمام سفید ہو گیا۔ (اصابہ: ۷۸۷۷)

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

فَمَسَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْهَهُ فَمَا زَالَ وَجْهُهُ جَدِيْدًا حَتّٰى مَاتَ (خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۸۴، سبل الہدیٰ، ج ۱۰، ص ۳۵)	تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے چہرے پر دست مبارک پھیرا اس کا اثر یہ ہوا کہ مرتے دم تک ان کا چہرہ تر و تازہ رہا۔

یعنی بڑھاپے سے جو تغیرات واقع ہوتے ہیں وہ نہ ہونے پائے، گویا دست مبارک کے فیض و اثر سے ہر وقت ان کے چہرے سے تازگی اور جوانی نمایاں تھی۔ دست مبارک کا یہ اثر کہ ہمیشہ جوانی باقی رہے، ایک روحانی اثر ہے ورنہ ہر سن کے فطرتی آثار و لوازم کسی طرح بھی رک نہیں سکتے۔

یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے اسلام لاتے ہی ان کے چہرے پر خصوصیت سے دست مبارک کیوں پھیرا؟ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اندرونی راز کوئی ضرور تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ ان کا چہرہ ہمیشہ تر و تازہ رہے۔

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَاْسِیْ وَلِحْیَتِیْ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ قَالَ فَبَلَغَ بِضْعًا وَّمِائَۃً سَنَۃً وَّمَا فِیْ لِحْیَتِہٖ بَیَاضٌ وَلَقَدْ کَانَ مُنْبَسِطُ الْوَجْہِ وَلَمْ یَنْقَبِضْ وَجْھُہٗ حَتّٰی مَاتَ (ترمذی: ۳۶۲۹، بیہقی، ج ۶، ص ۲۱۱، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۸۳، سبل الہدی، ج ۱۰، ص ۲۰۸)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر اور داڑھی پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا کی کہ الٰہی اسے زینت بخش! راوی کہتے ہیں کہ وہ ایک سو اوپر کتنے سال جیئے لیکن ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید نہیں ہوئے، سیاہ رہے اور چہرہ پر ایک ذرہ بھر شکن نہ تھی، صاف اور روشن جیسے جوانوں کا چہرہ ہوتا ہے۔

بڑھاپے میں بالوں کا سفید ہو جانا فطرتی امر ہے اور یہ کوئی معیوب بات نہیں بلکہ ضعیفی کی زینت اور وقار ہے۔

مگر خدا تعالیٰ کو یہ دکھانا منظور تھا کہ جن بالوں پر میرے محبوب کا دست مبارک پہنچا ہے ان پر طبعی امر کی دسترس نہ ہوگی۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فطرتی امور پر بھی غالب تھی۔

حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے بعد ہوازن سے جنگ کے ارادہ سے نکلے تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ انتقام کا بہترین موقعہ ہے شاید گڑبڑ میں میں آپ کو قتل کر کے اپنے باپ اور چچا اور بنی اعمام کے جنگ احد میں قتل ہونے کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس وقت میرے خیالات ایسے تھے کہ اگر تمام عرب وعجم کے لوگ آپ کے تابع ہو جائیں تو بھی میں ہرگز آپ کے تابع نہ ہوں گا بلکہ آپ سے میری عداوت اور بھی بڑھتی ہی جائے گی۔

چنانچہ جب میدان جنگ میں خوب زور شور سے گڑبڑ ہوئی تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیادہ ہو گئے اور میں اس وقت بالکل آپ کے قریب تھا۔ میں نے وار کرنے کے ارادہ سے تلوار

اٹھائی تو یکا یک مثل برق ایک شعلہ آگ میری طرف آیا جس سے میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور مجھے کچھ نہ سوجھا۔ میں نے بے اختیار آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا حضرت نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا شیبہ میرے قریب آؤ! میں قریب ہوا تو آپ نے تین بار میرے سینے پر دست مبارک مارا، جس سے میرے دل میں آپ کی اتنی محبت پیدا ہوگئی کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی۔ حضور نے مجھے جنگ کرنے کا حکم دیا میں نے آگے بڑھ کر تلوار چلانا شروع کر دی۔ خدا تعالیٰ کی قسم اس وقت میری حالت یہ تھی کہ اگر کوئی وار حضرت پر آئے تو میں اسے اپنے اوپر لے لوں، اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا اور میرے سامنے آتا تو میں اس پر بھی تلوار چلاتا۔ غرض کہ میں اختتام جنگ تک حضرت کے ساتھ رہ کر جہاد کرتا رہا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے میں بھی وہاں حاضر ہو گیا دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر آثار مسرت نمایاں تھے۔ فرمایا اے شیبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو ارادہ فرمایا وہ بہتر ہے اس سے جو تم نے ارادہ کیا تھا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ان تمام خیالات کو بیان فرما دیا جو میں نے کسی سے نہ کہے تھے۔ میں نے توحید و رسالت کی گواہی دے کر عرض کی، حضور میرے لیے بخشش کی دعا فرما دیں۔ ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا۔ (سیرۃ النبویہ، مقاصد الاسلام، ج۹، ص ۵، زرقانی، ج ۳، ص ۵۱۵، سبل الہدی والرشاد، ص ۵، ج ۳۲۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت شیبہ کے سینہ پر تین مرتبہ جو دست مبارک سے ضرب لگائی، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلی ضرب سے ان کے دل سے کفر نکال دیا، دوسری ضرب سے ایمان داخل کر دیا، تیسری ضرب سے محبت بھر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کافر کے دل میں کبھی جاگزین نہیں ہو سکتی اس کے لیے ایسا برگزیدہ سینہ و دل درکار ہے جو کہ نور ایمان سے منور ہو۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ مجھے قرآن شریف یاد نہیں رہتا۔ فرمایا اس کا سبب ایک شیطان ہے جس کو خنزب کہتے ہیں پھر فرمایا میرے قریب آؤ، میں قریب ہوا۔

ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِىْ فَوَجَدْتُّ بَرْدَهَا بَيْنَ كَتِفَيَّ وَقَالَ اخْرُجْ يَا شَيْطَانُ مِنْ صَدْرِ عُثْمَانَ فَمَا سَمِعْتُ بَعْدَ ذَالِكَ شَيْئًا اِلَّا حَفِظْتُهٗ (بیہقی، ج ۵، ص ۳۰۷، ابونعیم: ۳۹۶، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۵، سبل الہدیٰ، ج ۶، ص ۲۹۹)

تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا میں نے اس کا فیض ٹھنڈک کی صورت میں اپنے شانوں کے درمیان پایا۔ پھر آپ نے فرمایا اے شیطان! عثمان کے سینہ سے نکل جا۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میری یہ حالت ہوگئی کہ جو کچھ بھی میں سنتا تھا وہ مجھے یاد رہتا۔

یہاں اطباء کو حیرانی ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک نسیان کی وجوہات کچھ اور ہیں اور اس حدیث سے ثابت ہے کہ شیطان بھی بھلا دیا کرتا ہے اور اس کی تائید قرآن شریف سے بھی ثابت ہوتی ہے (فرمایا فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ) یہ حیرانی اس وقت تک دفع نہیں ہوسکتی جب تک خدا تعالیٰ کی قدرت پر پوری طرح ایمان نہ لایا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا فَاَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَآءَكَ فَبَسَطْتُّهٗ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّهٗ فَضَمَمْتُهٗ فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدُ (بخاری: ۱۱۹)

کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ سے بہت کچھ سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ فرمایا اپنی چادر پھیلا۔ میں نے پھیلا دی تو آپ نے لپ بھر بھر کر اس میں ڈال دیئے، اور فرمایا اسے سینے سے لگا لے۔ میں نے ایسا ہی کیا پس اس کے بعد میں کبھی کچھ نہیں بھولا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حرکت مبارک بظاہر اس قسم کی تھی کہ دیکھنے والوں کی عقل اس کے ادراک میں متحیر ہوگئی ہوگی کہ خالی ہاتھ سے کپڑے میں کوئی چیز ڈال دینا کیسی بات ہے۔ مگر جب حضرت ابو ہریرہ کی شکایت رفع ہوگئی اور اس قدر ان کا حافظہ قوی ہوگیا کہ اس

کے بعد ان کو کبھی کوئی چیز نہ بھولی تھی تو دیکھنے والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ خالی نہ تھے بلکہ ان میں قوت حافظہ بھری ہوئی تھی جو حضرت ابو ہریرہ کی جھولی میں ڈال رہے تھے۔

اب رہی یہ بات کہ قوت حافظہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی کے ہاتھ میں آئے اور اس سے منتقل ہو کر دوسرے کے دماغ میں پہنچ جائے۔ اگرچہ یہ بات عقل سے خارج ہے مگر جب اس کا مشاہدہ صحابہ کرام کو ہو گیا کہ ادھر تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے کپڑے میں ڈالا اور ادھر ان کی قوت حافظہ بڑھ گئی تو اب اس کے یقین کرنے میں ان کو ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ مشاہدہ سے بڑھ کر یقین دلانے والی کوئی چیز نہیں ہو سکتی البتہ سننے والوں کو اس میں ضرور حیرانی ہوتی ہے کیونکہ ان کو اس امر کا مشاہدہ نہیں ہوا۔

غور کیجئے کہ مثلاً ایک شخص کی عمر سو برس کی ہے اور اس کا حافظہ اس قدر قوی ہے کہ جو کچھ وہ سنتا ہے یاد رکھتا ہے اور ہر قسم کے علوم اور مضامین اس کے حافظے میں جمع ہیں وہ اس طرح کہ جب اس نے پہلی مرتبہ کسی چیز کو سنا یا دیکھا تو وہ اس کے دماغ میں نقش ہو کر محفوظ ہو گئی اس کے بعد جب دوسری بات دماغ میں پہنچی تو وہ بھی اسی طرح پہلی بات کے ساتھ نقش ہو گئی، اسی طرح وقتاً فوقتاً جو چیزیں اس کے دماغ میں پہنچیں وہ سب کی سب نقش ہوتی گئیں اور دماغ میں معلومات کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اگر وہ تمام معلومات تحریر میں لائی جائیں تو صدہا جلدوں کی ایک کتاب بن جائے کیونکہ ہر وقت کوئی نہ کوئی ادراک ہوتا ہی رہتا ہے۔

کیا یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ایک چھوٹا سا دماغ اتنا بڑا کتب خانہ بن جائے اور پھر ان محفوظات دماغ سے اگر کوئی کتاب لکھی جائے تو اس میں تقدیم و تاخیر مضامین کی ضرورت ہو گی۔ پہلے صفحے کا مضمون دوسرے صفحے پر نہ ہو گا۔ اگر کوئی بات اس میں دیکھنا منظور ہو تو صدہا بلکہ ہزارہا ورق الٹنے کی ضرورت ہو گی؟ ہرگز نہیں۔

بلکہ دماغ میں جو جو چیزیں محفوظ ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ جس وقت جو مضمون نکالنا چاہیں، چاہے وہ کتنی ہی مدت کا واقعہ کیوں نہ ہو فوراً پیش نظر ہو جاتا ہے حالانکہ دماغ میں

جس قدر مضامین ومعلومات ہیں وہ یکے بعد دیگرے جمع ہوئے تھے۔عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس طرح کتاب کی ورق گردانی کر کے مضمون نکالا جاتا ہے یہاں بھی اسی طرح تفحص کیا جاتا،مگر ایسا نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ عادت نہ ہونے کی وجہ سے ایسے امور کی طرف خیال نہیں کیا جاتا مگر تدبر اور تفکر سے کام لیا جائے تو اس میں عقل کو کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتے ہوئے کہہ دیا جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے قوت حافظہ کی تخلیق ہی اس طرح کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس کو جس طرح چاہے پیدا کرے اس طرح خدا کی قدرت پر ایمان کامل ہو جائے گا۔اس حدیث کے مضمون کو بھی اگر خدا تبارک وتعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے اور کہا جائے کہ جس طرح خدا تبارک وتعالیٰ نے قوت حافظہ کو عجیب الخلقت بنا کر دماغ میں رکھا ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں بھی بے شمار برکات موجود تھیں، جب چاہتے، جو چاہتے، دست مبارک سے اس کا ظہور ہو جاتا۔ چنانچہ قوت حافظہ جو قدرت نے آپ کے دست قدرت میں رکھی تھی آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دماغ میں رکھ دی۔بات یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہیں جان سکتا۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سواری کی حالت میں گھوڑے سے گر جاتا تھا۔ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنا یہ حال بیان کیا۔

فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى صَدْرِىْ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَيَدِهٖ عَلٰى صَدْرِىْ وَقَالَ اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا فَمَا سَقَطْتُ عَنْ فَرَسِىْ بَعْدُ (دلائل النبوۃ ابونعیم: ۳۷۹، خصائص، ج۲،ص۲۱، بخاری شریف: ۳۰۲۰)

تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا یہاں تک کہ میں نے آپ کے دست مبارک کے مارنے کا نشان اپنے سینہ پر دیکھا اور فرمایا اللہ اس کو ثابت رکھ اور اس کو ہدایت کرنے والا

ہدایت کیا ہوا کر دے۔ حضرت جریر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

اگر سلاطین کے روبرو کوئی سپاہی اپنی اس قسم کی کوئی کمزوری ظاہر کر دے تو مورد عتاب ہو جائے مگر سبحان اللہ حضور سید عالم ﷺ کے حضور پر نور ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

دراصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام جان گئے تھے کہ حضور ﷺ کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ جو چاہیں سو کریں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آپ کے حضور ایسے ایسے امراض وحوائج پیش کرتے تھے کہ سوائے آپ کے کوئی دوسرا ان کا علاج اور حاجت روائی نہ کر سکے اور آپ ﷺ بھی ان کے خیال کے مطابق ان کی حاجت روائیاں فرماتے تا کہ ان کا اعتقاد راسخ اور ایمان مستحکم ہو جائے اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور ﷺ فرما دیتے کہ گھوڑے پر سے گر جانا تمہارا طبعی امر ہے مجھے اس سے کیا تعلق ہے۔ بخلاف اس کے حضور نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر مار کر ثابت فرما دیا کہ ہمارے دست قدرت میں حق تعالیٰ نے یہ بات رکھی ہے کہ ہمیشہ کے لیے تمہاری یہ شکایت دفع کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ ہمیشہ معرکوں میں گھوڑوں پر سوار ہوتے اور شہ سواری کی داد لیتے۔

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ حضور ﷺ کے حضور حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کو ایک سوکھی لکڑی عطا فرما کر کہا کہ جاؤ لڑو۔

فَعَادَ فِیْ یَدِهٖ سَیْفًا صَارِمًا طَوِیْلَ الْقَامَةِ اَبْیَضَ شَدِیْدَ الْمَتْنِ فَقَاتَلَ بِهٖ ثُمَّ لَمْ یَزَلْ عِنْدَهٗ یَشْهَدُ بِهِ الْمَوَاقِفَ اِلٰی اَنِ اسْتُشْهِدَ فِیْ قِتَالِ اَهْلِ الرِّدَّةِ وَکَانَ هٰذَا السَّیْفُ یُسَمَّی الْعَوْنُ

جب وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں گئی تو وہ ایک نہایت شاندار، لمبی، چمکدار مضبوط تلوار بن گئی تو انہوں نے اسی کے ساتھ جہاد کیا پھر وہ ان کے پاس رہی اور وہ ہمیشہ اسی کے ساتھ جہاد کرتے رہے

یہاں تک کہ قتال اہل الردۃ میں شہید ہو گئے اور وہ تلوار عون (یعنی مددگار) کے نام سے موسوم ہوئی۔

(بیہقی، ج ۳، ص ۹۹، ابن عساکر، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۴۷، شفا شریف، ج ۱، ص ۶۴۲، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۲۰۵، سبل الہدیٰ، ج ۴، ص ۵۳)

جنگ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی:

فَاَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَسِيْبًا مِّنْ نَّخْلٍ فَرَجَعَ فِيْ يَدِهٖ سَيْفًا

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی جب وہ ان کے ہاتھ میں گئی تو ایک نہایت عمدہ تلوار تھی (جس کو عرجون کہتے تھے اور وہ عمر بھر اسی سے جہاد کرتے رہے)

(شفاء شریف، ج ۱، ص ۶۴۳، استیعاب، ج ۳، ص ۸۷۹، اصابہ: ۴۶۰۱، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۷، سبل الہدیٰ، ج ۱۰، ص ۹)

ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک سے جو مختلف آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ بحسب استعداد مقامات ہوں جیسے آگ تر چیز کو نہیں جلاتی اور خشک کو جلا دیتی ہے، اور بعض چیزوں کو پگھلا دیتی ہے اور کبھی پتلی چیز کو گاڑھا کر دیتی ہے جیسے انڈے کی زردی وسفیدی وغیرہ کو اور کسی میں اس کا اثر کچھ نہیں ہوتا جیسے ابرک کو بالکل نہیں جلاتی اور کسی کو جلا کر سیاہ کر دیتی ہے جیسے گھاس لکڑی وغیرہ کو۔ یہ سب آثار ہر چند آگ کے ہیں مگر قابلیت مادہ کے لحاظ سے مختلف طور پر ان کا ظہور ہوتا ہے لیکن ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہاں استعداد کو بھی کوئی دخل نہیں کیونکہ دست مبارک کی تاثیر سے چھڑی تلوار ہوگئی اور اس قسم کے مختلف آثار ظاہر ہوئے حالانکہ چھڑی میں نہ لوہا بننے کی صلاحیت ہے نہ استعداد، بلکہ اس صورت میں یہی کہنا پڑے گا کہ دست مبارک کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارادے کے تابع تھا۔ اس میں مادہ کی ذاتی صلاحیت اور عدم صلاحیت کو کوئی دخل نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ایک اندھیری رات میں جب کہ بارش ہورہی تھی، دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بیٹھے رہے جب جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو ایک

کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔

وَقَالَ انْطَلِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيُضِيْءُ لَكَ مِنْ بَيْنَ يَدَيْكَ عَشْرًا وَّمِنْ خَلْفِكَ عَشْرًا فَاِذَا دَخَلْتَ بَيْتَكَ فَسَتَرٰى سَوَادًا فَاضْرِبْهُ حَتّٰى يَخْرُجَ فَاِنَّهُ الشَّيْطَانُ فَانْطَلَقَ فَاَضَآءَ لَهُ الْعُرْجُوْنُ حَتّٰى دَخَلَ بَيْتَهٗ وَوَجَدَ السَّوَادَ فَضَرَبَهٗ حَتّٰى خَرَجَ (شفاء شریف، ج۱، ص ۲۱۹، زرقانی علی المواہب، ج۵، ص ۱۹۵، سبل الہدی، ج۱۰، ص ۴۳، طبرانی:۱۹)

اور فرمایا اس کو لے جاؤ یہ تمہارے لیے دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ تمہارے پیچھے روشنی کرے گی اور جب تم اپنے گھر میں داخل ہو گے تو تم ایک سیاہی کو دیکھو گے تو اس کو اتنا مارنا کہ وہ نکل جائے کیونکہ وہ شیطان ہے پھر حضرت قتادہ وہاں سے چلے تو وہ شاخ ان کے لیے روشن ہو گئی یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے اور اندر جاتے ہی انہوں نے اس سیاہی کو پالیا اور اتنا مارا کہ وہ نکل گئی۔

دست مبارک کی برکت سے شاخ کا روشن ہو جانا اور اس کے مارنے سے شیطان کا گھر سے نکل جانا بظاہر تعجب خیز ہے مگر جب ایمانی نگاہ سے دست مبارک کی برکتوں اور تاثیروں کو دیکھا جائے تو کوئی تعجب نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک دست قدرت ہے اور اس دست مبارک میں ہر قسم کی قدرت عطا کی گئی، یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ارادہ سے دست مبارک کو عمل میں لاتے دست مبارک سے فوراً اس کا ظہور ہو جاتا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کے کس قدر خیر خواہ ہیں کیونکہ حضرت قتادہ نے کوئی شکایت نہیں کی کہ میرے گھر میں شیطان یا آسیب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی ارشاد فرما کر اس کے دفع کرنے کی تدبیر بھی بتلا دی، بلکہ ایسی چیز ان کو عطا فرمائی جس کے استعمال سے شیطان خود ہی بھاگ جائے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت قتادہ کا مکان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ سے فاصلے پر تھا اور جس وقت آپ نے ان کو شیطان کی خبر دی سخت اندھیری رات تھی، خصوصاً

ان کے گھر کے اندر تو روشنی کا گزر ہی نہ تھا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ تمہیں سیاہ رنگ کی چیز نظر آئے گی وہ شیطان ہے۔ گویا ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا مضمون صادق آتا ہے مگر پھر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی تاریکیوں میں اتنی دیواروں کی آڑ میں شیطان کو دیکھ لیا جو بصیرت ایسی ہو جو چند دیواروں اور تاریکیوں کے حائل ہونے پر بھی دیکھ سکے تو اس کے لیے ہزاروں دیواریں اور ہزاروں تاریکیاں بھی حائل نہیں ہوسکتیں کیونکہ دیکھنے کے لیے جو شرطیں تھیں کہ خارجی رشنی ہو، کوئی کثیف چیز حائل نہ ہو وغیرہ وہ یہاں نہیں پائی گئیں۔ باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شیطان کو دیکھ لیا تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھنا دوسرے لوگوں کے دیکھنے جیسا نہ تھا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب و بعد، روشنی اور اندھیرا یکساں تھا۔ (زیادہ تفصیل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا بیان ملاحظہ فرمائیے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک مشکیزہ بھرا اور اس کا مونھ باندھ کر دعا فرمائی اور صحابہ کرام کو عطا فرمادیا۔

فَلَمَّا حَضَرَتْهُمُ الصَّلٰوةُ نَزَلُوْا فَحَلُّوْهُ فَاِذَا بِهٖ لَبَنٌ طَيِّبٌ وَّ زُبْدَةٌ فِيْ فَمِهٖ (شفاء شریف، ج ۱، ص ۲۲۰، طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۱۳۶)

جب ان کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے اس کو کھولا تو وہ نہایت عمدہ تازہ دودھ تھا اور اس کے موںھ پر مکھن تھا۔

حضرت بشیر بن عقربہ جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ جنگ احد میں میرے والد شہید ہو گئے تو میں روتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، فرمایا کیوں روتے ہو؟

اَمَا تَرْضٰى اَنْ اَكُوْنَ اَنَا اَبَاكَ وَ عَآئِشَةُ اُمُّكَ فَمَسَحَ عَلٰى رَاْسِيْ فَكَانَ اَثَرُ يَدِهٖ مِنْ رَاْسِيْ اَسْوَدُ وَ سَائِرُهٗ اَبْيَضُ وَ كَانَتْ فِيْ لِسَانِيْ عُقْدَةٌ فَتَفَلَ فِيْهَا فَانْحَلَّتْ وَقَالَ لِيْ مَا اسْمُكَ قُلْتُ بُجَيْرٌ، قَالَ بَلْ

کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا باپ اور عائشہ تمہاری ماں ہو جائیں پھر آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا جس کا اثر یہ ہوا کہ میرے سر کا وہ حصہ جہاں دست مبارک پھیرا سیاہ

اَنْتَ بُشَيْرٌ (ابن عساکر: ۲۵۶۲، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۸۳، سبل الہدیٰ والرشاد، ج۱۰،ص ۴۲)

ہی رہاباقی ساراب‌ڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گیا اور میری زبان میں گرہ تھی (جس کی وجہ سے میں برابر بات نہیں کرسکتا تھا) آپ نے اس پر تھوکا تو وہ گرہ اسی وقت کھل گئی اور اس کے بعد فرمایا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا، بحیر۔ فرمایانہیں بلکہ تم بشیر ہو

آپ کے لعاب مبارک سے حضرت بشیر کی جو گرہ کھل گئی یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس قسم کی عقدہ کشائیاں ہمیشہ ہوا کرتی تھیں، آپ نے ان کا نام اس لیے بدل دیا کہ بحیر کے معنی بدی اور عیب کے ہیں اور آپ کو ایسا نام پسند نہ تھا جس کے معنی برے ہوں۔

حضرت ہلب بن یزید بن عدی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہ گنجے تھے۔

فَمَسَحَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ فَنَبَتَتْ شَعْرُهٗ فَسُمِّیَ الْهُلْبُ (طبقات ابن سعد: ۱۸۷۴، شفاء شریف، خصائص کبریٰ، ج۲،ص ۸۴)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا پس ان کے سر پر بکثرت بال اگ آئے اسی وجہ سے ان کا نام ہلب ہو گیا۔

امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَاْسِ صَبِیٍّ بِهٖ عَاهَةٌ فَبَرأَ وَاسْتَوٰی شَعْرُهٗ (شفاء شریف، ج۱،ص ۲۲۰)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گنجے بچے کے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا تو اس کا گنجا پن جاتا رہا اور سارے بال برابر ہو گئے۔

حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَاْسَهٗ بِيَدِهٖ وَقَالَ بُوْرِكَ فِيْكَ قَالَ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا تجھ میں برکت دی گئی۔

الذِّيَالُ فَرَاَيْتُ حَنْظَلَةَ يُؤتٰى بِالشَّاةِ الْوَارِمِ ضَرْعُهَا وَ الْبَعِيْرِ وَالْاِنْسَانِ بِهِ الْوَارَمُ فَيَتْفَلُ فِيْ يَدِهٖ وَيَمْسَحُ بِصَلْعَتِهٖ وَ يَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى اَثَرِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَمْسَحُهٗ ثُمَّ يَمْسَحُ مَوْضِعَ الْوَرَمِ فَيَذْهَبُ الْوَرَمُ

(بخاری فی التاریخ: ۱۵۲، احمد: ۲۰۶۶۶، ابن سعد: ۲۹۳۰، ابویعلیٰ، شفاء شریف، خصائص ج ۲، ص ۸۳، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۱۸۶)

حضرت ذیال فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ کسی بکری کے تھنوں یا اونٹ یا انسان کے کسی مقام پر ورم ہو جاتا تو اس کو حضرت حنظلہ کے پاس لے آتے اور وہ اپنے ہاتھ پر اپنا لعاب دہن ڈال کر اپنے سر پر ملتے اور فرماتے بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى اَثَرِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور پھر وہ ہاتھ ورم کی جگہ پر مل دیتے تو ورم فوراً اتر جاتا۔

یہاں یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حنظلہ کے بچپن میں ان کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور ان کا اثر ان میں عمر بھر رہا اور وہ بھی کیسا کہ فقط وہی اس سے مستفید نہ تھے بلکہ دوسرے انسان وحیوان بھی اس سے فائدہ اور شفا حاصل کرتے۔

غور فرمایئے کہ دست مبارک کی برکت ان کے سر کے پوست پر قائم ہوئی اور جب وہ اپنا ہاتھ اس پر لگاتے تو ان کے ہاتھ میں آجاتی اور پھر وہ برکت بیمار تک پہنچتی اور وہاں جا کر یہ اثر کرتی کہ اس کو صحت ہو جاتی۔

خیال کیجئے کہ کیسی دیر پا وہ برکت تھی کہ اس کا سمجھنا عقول متوسطہ کے احاطہ ادراک سے خارج ہے کیوں نہ ہو عقول متوسطہ کا تعلق جسمانیات سے ہے روحانیات سے ان کو کیا تعلق؟

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ پانی کے کنارے تشریف فرما تھے کہ عکرمہ بن ابوجہل وہاں آنکلا۔

فَقَالَ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَادْعُ ذٰلِكَ

اور کہنے لگا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اس پتھر

اَلْحَجَرَ الَّذِیْ فِی الْجَانِبِ الْاٰخِرِ فَلْیَسْبَحْ وَلَا یَغْرُقْ فَاَشَارَ اِلَیْهِ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فَانْقَلَعَ الْحَجَرُ مِنْ مَّکَانِهٖ وَسَبَحَ حَتّٰی صَارَ بَیْنَ یَدَیِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ شَهِدَ لَهٗ بِالرِّسَالَةِ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکْفِیْكَ هٰذَا فَقَالَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی مَکَانِهٖ (تفسیر کبیر و انوار المحمدیہ، زرقانی علی المواہب، ج ۵، ص ۱۹۱)

کو بلائیے جو پانی کے دوسرے کنارے پر پڑا ہوا ہے کہ وہ پانی پر تیرتا ہوا آجائے اور ڈوبے نہیں پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پتھر کو اشارہ فرمایا تو وہ اپنے مقام سے اکھڑا اور پانی کے اوپر تیرتا ہوا آپ کے آگے آ گیا اور بزبان فصیح اللہ کے ایک ہونے اور آپ کے رسول برحق ہونے کی شہادت دی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عکرمہ سے فرمایا کیا یہ تیرے لیے کافی ہے؟ بولا ہاں بشرطیکہ یہ اسی طرح وہیں چلا جائے جہاں سے آیا ہے تو وہ پتھر پھر وہیں چلا گیا۔

نوٹ: عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میں نے آپ کی ایک بات دیکھی تھی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتی تھی اور میرے مسلمان ہونے میں اس کو بڑا دخل حاصل ہے اور وہ یہ ہے۔

رَاَیْتُكَ فِی الْمَهْدِ تُنَاغِی الْقَمَرَ وَ تُشِیْرُ اِلَیْهِ بِاِصْبَعِكَ فَحَیْثُ اَشَرْتَ اِلَیْهِ مَالَ قَالَ اِنِّیْ کُنْتُ اُحَدِّثُهٗ وَ یُحَدِّثُنِیْ وَ یُلْهِیْنِیْ عَنِ الْبُکَآءِ وَاَسْمَعُ وَجْبَتَهٗ حِیْنَ یَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ (بیہقی، ج ۲، ص ۴۱، ابن عساکر: ۱۱۱۰، خصائص کبریٰ، ص ۵۳، سبل الہدی، ج ۱۰، ص ۴۸۱)

کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ گہوارے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور جس طرف آپ انگلی سے اشارہ کرتے تھے، چاند اسی طرف ہو جاتا تھا، فرمایا میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور میں اس

کے گرنے کی آواز سنتا تھا جب کہ وہ عرش
الٰہی کے نیچے سجدہ میں گرتا تھا۔

کھیلتے تھے چاند سے بچپن میں آقا اس لیے
یہ سراپا نور تھے وہ تھا کھلونا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

(اعلیٰ حضرت)

کفار مکہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ جادو کا اثر اجرام فلکی پر نہیں ہوتا تو چونکہ وہ اپنے زعم باطل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ جادوگر سمجھتے تھے اس لیے ایک روز جمع ہو کر آپ کی خدمت میں آئے اور نشان نبوت طلب کیا۔ فرمایا کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایئے۔ آپ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو اور اپنی مبارک انگلی سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ فرمایا گواہ رہو! انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہماری نظر بند کر دی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیہ کریمہ نازل فرمائی۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② (القمر:۱،۲)

قریب آ گئی قیامت اور شق ہو گیا چاند اور اگر یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے جسے ''شق القمر'' کہتے ہیں، صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے صحیح احادیث مبارکہ میں اس معجزہ عظیمہ کا بیان ہے (☆)۔ بعض محدثین ومفسرین نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور ساری امت میں سلف سے خلف تک یہ اس قدر مشہور ہے کہ اس کا انکار کرنا بے دینی ہے اور عقل اور انصاف سے دشمنی ہے۔ آج کل کے بعض فتنہ پرور لوگ جہاں اور بہت سی چیزوں کے منکر ہیں وہاں اس عظیم الشان معجزے کے بھی منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو ساری دنیا کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا اور تواریخ کی کتابوں میں اس کا بیان ہونا ضروری تھا۔ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ

☆ (دیکھو بخاری: ۳۶۳۶ ومسلم باب علامات نبوت: ۴۳۔۲۸۰۰)

کسی واقعے کا تاریخ میں نہ ہونا اس کی تکذیب کا باعث نہیں ہوسکتا۔ بہت سے ایسے واقعات ظہور میں آئے جن کا تاریخ میں نام ونشان تک نہیں ملتا اور پھر اس واقعہ سے تو کتب احادیث وتفسیر بھری پڑی ہیں مگر ان کو ان سے کیا تعلق؟

یاد رکھیے جس وقت یہ واقعہ ظہور میں آیا تھا وہ وقت رات کا تھا، تو اس وقت بعض مقامات پر دن اور بعض مقامات پر آدھی رات ہوگی اور پھر جہاں لوگ بیدار ہوں گے وہاں بھی ضروری نہیں کہ سب کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی ہوں کیونکہ اس کا کوئی اعلان وغیرہ تو ہوا ہی نہیں تھا کہ لوگ خصوصاً اس وقت خیال رکھتے۔ اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ رسد وغیرہ کے بڑے بڑے وسیع اور بے شمار انتظامات اور ذرائع ہیں جب کبھی چاند گہن ہوتا ہے تو لاکھوں انسانوں کو خبر نہیں ہوتی تو اس وقت تو رسد وغیرہ کے اتنے ذرائع بھی نہ تھے اور پھر یہ تھوڑی دیر کا معاملہ تھا مگر باوجود اس کے اہل مکہ نے سفر سے آنے والے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی مگر وہ جاہلانہ طور پر جادو ہی کہتے رہے اور کہا گیا ہے کہ ہندوستان کے مہاراجا ''مالیبار'' کے مسلمان ہونے کا سبب یہی عظیم الشان واقعہ ہے۔

اہل ایمان کا اس پر ایمان ہے اور جس کے قلب میں ایمان راسخ ہوگا وہ کبھی بھی اس کے ماننے میں تامل نہیں کرے گا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

پنجہ او پنجہ حق می شود ماہ از انگشت او شق می شود

معلوم ہوا کہ آپ کا تصرف عالم علوی میں بھی جاری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَ كَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا (بخاری شریف: ۵۱۹۷)	کہ میں نے (بحالت نماز) جنت کو دیکھا اور اس کا ایک خوشہ پکڑا، اگر میں وہ خوشہ توڑ لیتا تو تم اس میں سے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن پانی کا لایا گیا۔

فَوَضَعَ يَدَهٗ فِی الْاِنَآءِ فَجَعَلَ الْمَآءُ یَنْبَعُ مِنْ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ فَتَوَضَّاَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ قُلْتُ لِاَنَسٍ کَمْ کُنْتُمْ؟ قَالَ ثَلٰثُمِائَةٍ

(بخاری شریف: ۳۵۷۲، مسلم شریف: ۵۹۴۳)

تو آپ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھ دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے جس سے تمام لوگوں نے وضو کیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں میں نے انس سے پوچھا کہ تم کتنے آدمی تھے؟ فرمایا تین سو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم معجزات کو باعث برکت سمجھتے تھے یہ کہہ کر فرمایا کہ ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے پانی ختم ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی فرمایا بچا ہوا تلاش کرو خواہ وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔

فَجَآؤُا بِاِنَآءٍ فِیْہِ مَاءٌ قَلِیْلٌ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِی الْاِنَآءِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الطَّھُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَکَةُ مِنَ اللہِ فَلَقَدْ رَاَیْتُ الْمَآءَ یَنْبُعُ مِنْ بَیْنَ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ کُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الطَّعَامِ وَھُوَیُؤْکَلُ

(بخاری شریف: ۳۵۷۹)

چنانچہ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی حاضر کیا گیا آپ نے اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا آؤ، وضو کرو، پیو، یہ برکت والا، طیب و طاہر پانی اللہ کی طرف سے ہے پس بلاشبہ میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں میں سے پانی کے چشمے چل رہے تھے اور جب ہم آپ کے روبرو کھانا کھاتے تو کھانے سے تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔

حضرت ابوعمرہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ایک غزوے میں ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے، ایک روز بہت پیاسے ہوئے آپ نے ایک ڈولچی منگوا کر اس کو اپنے روبرو رکھا اور تھوڑا سا پانی اس میں ڈال کر اس میں کلی کی اور جو کچھ اللہ نے چاہا کلام پڑھا۔

ثُمَّ اَدۡخَلَ خِنۡصَرَہٗ فِیۡھَا فَاَقۡسَمَ بِاللّٰہِ لَقَدۡ رَاَیۡتُ اَصَابِعَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ تَتَفَجَّرُ بِیَنَا بِیۡعِ الۡمَآءِ ثُمَّ اَمَرَ النَّاسَ فَشَرِبُوۡا وَ سَقُوۡا وَ مَلَئُوۡا قِرَبَھُمۡ وَاَدَاوِیۡھِمۡ فَضَحِکَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی بَدَتۡ نَوَاجِذُہٗ ثُمَّ قَالَ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ لَا یَلۡقَی اللّٰہُ بِھِمَآ اَحَدٌ یَّوۡمَ الۡقِیَامَۃِ اِلَّا دَخَلَ الۡجَنَّۃَ (ابو نعیم خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۴۳، سبل الہدی، ج۹،ص ۴۵۰)

پھر آپ نے اپنی چھوٹی انگلی اس میں رکھ دی، خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ آپ کی تمام انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا تو حسب ارشاد لوگوں نے خود پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا اور مشکیں ڈولچیاں بھر لیں یہ دیکھ کر آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک نظر آ گئے پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جو شخص ان دونوں باتوں کے ساتھ قیامت کے دن اللہ کو ملے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

عرب کے جنگل میں جہاں پانی منزلوں تک نہیں ملتا۔ جب تمام لشکر اسلام پیاسا ہوگا تو کس قدر پریشانی کا وقت ہوگا۔ ایسی حالت میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے خوشگوار پانی کے چشموں کا جاری ہو جانا کس قدر مسرت و شادمانی کا باعث ہوا ہوگا اور صحابہ کرام کے نزدیک اس دست مبارک کی کس قدر وقعت ہوگی اور وہ کس عقیدت و محبت سے دست اقدس کو دیکھتے ہوں گے اس وقت کا تبسم فرمانا کچھ اسی طرح تھا جس کی ترجمانی اس شعر میں ہے۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑے   اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کے بعد جو خدا کے معبود ہونے اور اپنے رسول ہونے کی گواہی دی۔ گویا اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جس

کے ہاتھ پر اس کی قدرتوں کا ظہور ہوا وہ اس کی قدرتوں کا مظہر اور اس کے دعوے کی صداقت کی دلیل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ میں لوگ پیاس کی شدت سے بہت پریشان تھے۔ دربار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور! ہمارے پاس پانی نہیں ہے جس کو پئیں اور وضو کریں، سوائے اس پانی کے جو آپکے پاس ایک لوٹے کے برابر برتن میں ہے۔

فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَآءُ يَفُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ قَالَ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّاْنَا قِيْلَ لِجَابِرٍ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةً (بخاری شریف: ۳۵۷۶، سبل الہدی، ج۹، ص۴۴۸)

پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست قدرت اسی برتن میں رکھ دیا (جو آپ کے پاس تھا) تو آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ تمام صحابہ کرام نے پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر سے پوچھا گیا کتنے لوگوں نے پیا اور وضو کیا؟ فرمایا اگر ہم لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے جنہوں نے پیا اور وضو کیا

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

یہ بخاری و مسلم کی وہ احادیث ہیں جن کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ دیکھیے ان احادیث میں یہ ہرگز مذکور نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی ہو کہ الٰہی! تو میری انگلیوں سے پانی پیدا کر کے سب کو سیراب فرما، بلکہ برتن میں ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا کہ آؤ، وضو کرو، پیو، یہ برکت والا طیب و طاہر پانی ہے۔ کون سا پانی جو اب تک معدوم تھا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے وجود میں آیا۔ حالانکہ آپ کے جسم مبارک میں کوئی پانی کا چشمہ تو تھا ہی نہیں جس کو جاری کر دیا گیا ہو اور وہ بھی کس قدر کہ سینکڑوں آدمی اس سے

سیراب ہوئے۔

کیا اس مقام پر کہا جاسکتا ہے کہ ایسی احادیث بیان کرنے والے اور ایسی حدیث پر ایمان رکھنے والے مشرک ہیں کیونکہ اس سے شرک فی التخلیق لازم آتا ہے۔ ایسا کہنا سخت بے ادبی و گستاخی ہوگی کیونکہ اگر ایسے خیالات مشرکانہ ہوتے تو حضور ﷺ کا فرض تھا کہ آپ پانی کی زیادتی کیلئے دعا فرما کر اس سے لوگوں کو شرک کے وہم سے بچاتے، اس قسم کے شرک و بدعت کے حملے اور فتوے علماء کرام پر نہیں بلکہ در باطن حضور ﷺ پر ہیں۔ (معاذ اللہ)

بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کے تصرف سے جو پانی پیدا ہو گیا تھا وہ مستقلاً آپ کا تصرف نہیں تھا بلکہ ہر مسلمان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ وہ تصرف و اقتدار منجانب اللہ آپ کو عطا ہوا تھا۔ شرک تو اس وقت لازم آئے کہ آپ کو یا دوسرے انبیاء و اولیاء کو مستقل بالذات با اقتدار مانیں۔ یعنی یہ عقیدہ ہو کہ اگر خدا بھی ان کے تصرف کو روکنا چاہے تو نہ روک سکے۔ چونکہ آپ نے خدا کی قدرت کو ذاتی اور دوسروں کی قدرت کو عطائی ہونا بار ہا بیان فرما دیا تھا تو اب اس کی ضرورت نہ رہی کہ ہر وقت دعا کر کے مسلمانوں کو معلوم کرائیں کہ ہماری قدرت مستقل نہیں ہے۔

حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ حضور ﷺ ایک سفر میں طلوع فجر سے پہلے رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا بہت تھوڑا ہے جو آپ کو کافی نہ ہوگا۔ فرمایا اس کو ایک برتن میں ڈال کر لے آؤ! فرماتے ہیں میں لے آیا۔

فَوَضَعَ كَفَّهُ فِي الْمَآءِ فَرَاَيْتُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِهٖ عَيْنًا تَفُوْرُ فَقَالَ نَادِ فِيْ اَصْحَابِيْ مَنْ كَانَ لَهٗ حَاجَةٌ فِي الْمَآءِ فَنَادَيْتُ فِيْهِمْ فَاَخَذَ مَنْ اَرَادَ مِنْهُمْ

تو آپ نے اپنا دست مبارک اس میں رکھا میں نے دیکھا کہ آپ کی دو انگلیوں کے بیچ میں سے چشمہ جوش مارنے لگا تو آپ نے فرمایا لوگوں میں پکار دو جس کو

فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ اَنَّ لَنَا بِیْرًا اِذَا کَانَ الشِّتَآءُ وَسِعَنَا مَاءُھَا وَاجْتَمَعْنَا عَلَیْھَا وَاِذَا کَانَ الصَّیْفُ قَلَّ مَآءُھَا فَتَفَرَّقْنَا عَلٰی مِیَاہٍ حَوْلِنَا وَقَدْ اَسْلَمْنَا وَ کُلَّ مَّنْ حَوْلَنَا لَنَا عَدُوٌّ فَادْعُ اللہَ لَنَا فِیْ بِیْرِنَا اَنْ یَّسَعَنَا مَآءُھَا فَنَجْتَمِعُ عَلَیْھَا وَلَا نَتَفَرَّقُ فَدَعَا بِسَبْعِ حَصَیاتٍ فَعَرَکَھُنَّ فِیْ یَدِہٖ دَعَا فِیْھِنَّ ثُمَّ قَالَ اذْھَبُوْا بِھٰذِہِ الْحَصَیَاتِ فَاِذَا اَتَیْتُمُ الْبِیْرَ فَاَلْقُوْا وَاحِدَۃً وَاحِدَۃً وَاذْکُرُوا اسْمَ اللہِ قَالَ الصَّدَآئِیُّ فَفَعَلْنَا مَا قَالَ لَنَا فَمَا اسْتَطَعْنَا اَنْ نَّنْظُرَ اِلٰی قَعْرِھَا یَعْنِی الْبِیْرَ

(بیہقی، ج ۴، ص ۱۲۶، ابونعیم: ۳۲۱، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۱، طبرانی: ۵۲۸۵)

پانی کی حاجت ہو آ جائے میں نے پکارا، چنانچہ بہت سے لوگوں نے اس پانی میں سے لیا یہ دیکھ کر ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمارے قبیلہ میں ایک کنواں ہے موسم سرما میں تو اس کا پانی ہم سب کو کافی ہوتا ہے اور جب موسم گرما آتا ہے تو اس کا پانی بہت کم ہو جاتا ہے تو ہم لوگ متفرق ہو کر جہاں پانی پاتے ہیں وہاں چلے جاتے ہیں اب چونکہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اس وجہ سے اطراف کے قبیلے ہمارے دشمن ہو گئے ہیں آپ دعا فرمائیں کہ ہمارے کنوئیں کا پانی ہمیں کافی ہو جائے اور ہم ایک ہی جگہ جمع رہیں متفرق ہونے کی ضرورت نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات کنکریاں منگوائیں اور ان کو اپنے ہاتھ میں لے کر دعا فرمائی پھر فرمایا کہ یہ کنکریاں لے جاؤ اور جب اس کنوئیں پر پہنچو تو اللہ کا نام لے کر ایک ایک اس میں ڈال دو! فرماتے ہیں جب وہ کنکریاں اس میں ڈال دی گئیں تو اس کنویں میں اتنا پانی آیا کہ ہم اس کی تہہ تک دیکھ نہیں سکتے تھے۔

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کو ہاتھ میں مل کر کنوئیں میں

ڈالنے کا حکم فرمایا اور اس سے بے حد پانی بڑھ گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دست مبارک کا اثر کنوئیں میں پہنچانا منظور تھا جس کی تدبیر یہ کی گئی کہ کنکریوں کو دست مبارک سے متاثر فرمایا اور وہ اثر کنوئیں میں پہنچا اور پانی فوراً بڑھ گیا۔ ظاہراً دست مبارک کا اثر کنکریوں میں نہ تھا مگر معنوی طور پر اس قدر تھا کہ اس کنوئیں کے پانی کو حد سے بڑھا دیا۔

غرض کہ اس سے حضور ﷺ کا تصرف و اقتدار ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کا ارادہ فرمایا اس کا وجود ہو گیا۔ ان لوگوں نے جب دست مبارک کا اثر دیکھا کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے تو اپنے کنوئیں کا پانی زیادہ کرنے کی درخواست کی اس وقت حضور ﷺ کا بنفس نفیس خود تشریف لے جانا متعذر تھا اور ان کی درخواست کو رد کرنا بھی مناسب نہ سمجھا اس لیے کنکریوں کے ذریعے سے دست مبارک کی برکت کو وہاں پہنچا دیا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں ایک رات حضور سید عالم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے بلال تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور آپ کے رب کی قسم! ہم تو اپنے توشہ دان خالی کیے بیٹھے ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا اچھی طرح دیکھو اور اپنے توشہ دان جھاڑو شاید کچھ نکل آئے۔ سب نے اپنے اپنے توشہ دان جھاڑے تو کل سات کھجوریں برآمد ہوئیں آپ نے ان کو ایک صحفہ (بڑے پیالہ) پر رکھا۔

ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ عَلَى التَّمَرَاتِ وَ قَالَ كُلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ اَعُدُّ فَاَ كَلْنَا ثَلَاثَةَ اَنْفُسٍ فَاَحْصَيْتُ اَرْبَعًا وَّ خَمْسِيْنَ تَمْرَةً اَعُدُّهَا عَدًّا وَ نَوَاهَا فِيْ يَدِي الْاُخْرٰى وَصَاحِبَايَ يَصْنَعَانِ كَذٰلِكَ فَشَبِعْنَا وَرَفَعْنَآ اَيْدِيْنَا فَاِذَا التَّمَرَاتُ السَّبْعُ كَمَا هِيَ فَقَالَ يَا بِلَالُ ارْفَعْهَا فَاِنَّهٗ لَا يَاْكُلُ

پھر ان پر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ کھاؤ! ہم تینوں نے (حضور کے دست مبارک کے نیچے سے ایک ایک اٹھا کر) کھائیں حضرت بلال کہتے ہیں کہ میں گٹھلیاں بائیں ہاتھ میں رکھتا جاتا تھا۔ جب میں نے سیر ہو کر ان کو شمار کیا تو وہ چون تھیں۔ اس طرح ان دو شخصوں

مِنْهَا آحَدٌ اِلَّا نَهَلٌ مِّنْهَا شَبْعٌ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ دَعٰى بِلَالًا بِالتَّمَرَاتِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهِنَّ ثُمَّ قَالَ كُلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ فَاَكَلْنَا حَتّٰى شَبِعْنَا وَاَنَا الْعَشَرَةُ رَفَعْنَآ اَيْدِيْنَا وَاِذَا التَّمَرَاتُ كَمَا هِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَآ اَنِّيْ اَسْتَحْيِيْ مِنْ رَبِّيْ لَاَ كَلْنَا مِنْ هٰذِهِ التَّمَرَاتِ حَتّٰى نَرِدَّ الْمَدِيْنَةَ عَنْ اٰخِرِنَا وَاَعْطَاهُنَّ غُلَامًا فَوَلّٰى وَهُوَ يَلُوْكُهُنَّ (ابو نعیم: ۴۴۹، ابن عساکر، ج ۴۰، ص ۱۸۹، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۲۷۴، سبل الھدی والرشاد، ج ۹، ص ۴۷۱)

نے بھی سیری سے کھائیں۔ جب ہم نے سیر ہو کر ہاتھ اٹھا لیا تو حضور نے بھی اپنا دست مبارک اٹھا لیا۔ وہ ساتوں کھجوریں اسی طرح موجود تھیں حضور نے فرمایا اے بلال ان کو سنبھال کر رکھو! اور ان میں سے کوئی نہ کھائے پھر کام آئیں گی۔ حضرت بلال فرماتے ہیں ہم نے ان کو نہ کھایا۔ جب دوسرا دن ہوا اور کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے وہی سات کھجوریں لانے کا حکم دیا۔ آپ نے پھر اسی طرح ان پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا بسم اللہ کھاؤ! اب ہم دس آدمی تھے سب سیر ہو گئے۔ حضور نے اپنا دست مبارک اٹھایا تو کھجوریں بدستور سات موجود تھیں۔ آپ نے فرمایا اے بلال اگر مجھے حق تعالیٰ سے شرم وحیاء نہ ہوتی تو واپس مدینہ پہنچنے تک ان ہی سات کھجوروں سے کھاتے پھر وہ آپ نے ایک لڑکے کو عطا فرما دیں۔ وہ انہیں کھا کر جاتا رہا۔

اس حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فقر اختیاری تھا کیونکہ آپ کو یہ اقتدار حاصل تھا کہ ان سات کھجوروں میں جتنی چاہتے برکت فرماتے مگر خدا تبارک وتعالیٰ سے شرم کر کے ان کھجوروں کو خرچ فرما دیا۔ اور اسی فقر اور بے سروسامانی کو ترجیح دی۔ یہ تو

ظاہر ہے کہ ان سات کھجوروں کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ جن کھجوروں پر بھی آپ اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیتے ان میں برکت ہو جاتی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیارات عطا فرمائے تھے اور جب چاہتے ان کو کام میں لاتے۔

درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جو راز و نیاز اور خصوصیات ہیں ان میں ممکن نہیں کہ عقل راہ پا سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ایک غزوہ میں لشکر اسلام کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ توشہ دان میں چند کھجوریں ہیں، فرمایا لے آؤ! میں نے حاضر کر دیں جو کل اکیس تھیں۔ آپ نے ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی۔

ثُمَّ قَالَ ادۡعُ عَشَرَةً فَدَعَوۡتُ عَشَرَةً فَاَكَلُوۡا حَتّٰى شَبِعُوۡا ثُمَّ كَذٰلِكَ حَتّٰى اَكَلَ الۡجَيۡشُ كُلُّهٗ وَبَقِيَ مِنۡ تَمۡرِ الۡمِزۡوَدِ قَالَ يَا اَبَا هُرَيۡرَةَ اِذَآ اَرَدۡتَّ اَنۡ تَاۡخُذَ مِنۡهُ شَيۡئًا فَاَدۡخِلۡ يَدَكَ فِيۡهِ وَلَا تَكۡفَهٗ فَاَكَلۡتُ مِنۡهُ حَيَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيۡ بَكۡرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثۡمَانَ فَلَمَّا قُتِلَ عُثۡمَانُ انۡتَهَبَّ مَافِيۡ بَيۡتِيۡ فَانۡتَهَبَّ الۡمِزۡوَدُ اَلَا اُخۡبِرُكُمۡ كَمۡ اَكَلۡتُ مِنۡهُ اَكۡثَرُ مِنۡ مِّاٰتَيۡ وَسۡقٍ وَّ اَخَذۡتُ مِنۡهُ خَمۡسِيۡنَ وَسۡقًا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (بیہقی، ابونعیم: ۳۴۲، خصائص کبریٰ، ج۲، ص ۵۱، سبل الہدی، ج۹، ص۱۷۴)

پھر فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ! میں نے بلایا۔ وہ آئے اور سیری سے کھا کر چلے گئے۔ پھر دس شخصوں کو بلانے کا حکم دیا وہ بھی کھا کر چلے گئے۔ اس طرح دس آدمی آتے اور سیری سے کھا کر اٹھ جاتے یہاں تک کہ تمام لشکر نے کھائیں اور جو باقی رہ گئیں فرمایا اے ابو ہریرہ ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور جب چاہو ہاتھ ڈال کر ان میں سے نکال لیا کرو۔ لیکن توشہ دان نہ انڈیلنا! حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر صدیق و

عمر فاروق وعثمان غنی کے عہد خلافت تک
ان ہی کھجوروں سے کھاتا رہا اور خرچ کرتا
رہا۔ تخمیناً پچاس وسق تو فی سبیل اللہ دیں
اور دوسو وسق سے زیادہ میں نے کھائیں۔
جب عثمان غنی شہید ہو گئے تو وہ توشہ دن
میرے گھر سے چوری ہو گیا۔

نوٹ: وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع چار سیر سات چھٹانک۔ (بہار شریعت)

اکیس کھجوروں سے لشکر اسلام کا سیر ہونا اور تخمیناً پندرہ ہزار من کھجوریں خرچ ہونا صرف خدا تعالیٰ کی قدرت سے متعلق ہے، جس چیز کو وہ چاہتا ہے برکت دے کر زیادہ کر دیتا ہے اور جس کو نہ چاہے اس میں برکت نہیں دیتا، بلکہ زیادہ کو کم کر دیتا ہے۔

برگد کے درخت کو ہی دیکھ لیجئے کہ کتنا بڑا ہوتا ہے اور جس تخم سے اس کی نشوونما ہوتی ہے وہ کس قدر چھوٹا ہوتا ہے وہ تخم جو خشخاش کے دانے سے کسی قدر بڑا ہوتا ہے۔ اس سے اتنا بڑا درخت پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کا وزن کیا جائے تو ہزاروں من ہو جائے اور جسامت دیکھی جائے تو ہزاروں آدمی اس کے سائے میں آ سکتے ہیں۔ یہ نشوونما کیسی قدرت نمائی ہے دراصل یہاں بھی وہی برکت ہے۔

اگر یہ کہا جائے درخت کی مدد مٹی سے ہوتی ہے جس سے وہ بڑھتا ہے تو جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ جب خدا تعالیٰ برکت دیتا ہے تو اندرونی مدد ضرور ہوتی ہے لیکن درخت کے بارے میں یہ کہنا بلا دلیل ہے کہ مٹی اس کی جسامت میں شریک ہو کر اسے بڑھاتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی جڑیں زمین میں گڑی رہتی ہیں اور زمین اپنی حالت پر رہتی ہے اگر زمین کے اجزا درخت کی جسامت میں صرف ہوتے تو جتنا درخت بڑا ہوتا اتنا ہی غار اس کی جڑوں کے قریب ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ ہرگز ثابت نہ ہو سکے گا کہ درخت کے جتنے اجزاء ہیں وہ صرف مٹی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ سلالہ زمین

اس میں داخل ہوتا ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ کل سلالہ ہی ہے اور اس میں برکت الٰہی کو دخل نہیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

صَنَعْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَامًا فَاَتَیْتُہٗ وَھُوَ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَقُمْتُ حَیَاءً لَہٗ فَلَمَّا نَظَرَ اِلَیَّ اَوْمَاْتُ اِلَیْہِ فَقَالَ وَھٰٓؤُلَآءِ قُلْتُ لَا فَسَکَتَ وَقُمْتُ مَکَانِیْ فَلَمَّا نَظَرَ اِلَیَّ اَوْ مَاْتُ اِلَیْہِ فَقَالَ وَھٰٓؤُلَآءِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا فَقُلْتُ نَعَمْ وَاِنَّمَا کَانَ شَیْءٌ یَّسِیْرٌ صَنَعْتُہٗ لَکَ فَاَکَلُوْا وَ فَضَلَ مِنْھُمْ (ابونعیم، خصائص کبریٰ، ص ۲، ص ۴۹، سبل الہدی، ج ۹، ص ۴۷۸)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھوڑا سا کھانا پکایا اور بلانے کے لیے حاضر ہوا تو آپ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے مارے شرم کے کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش کھڑا رہا آپ نے میری طرف دیکھا میں نے اشارہ سے کھانے کے لیے چلنے کو کہا فرمایا اور یہ لوگ؟ میں نے کہا نہیں! حضور خاموش ہو گئے اور میں اسی مقام پر کھڑا رہا۔ حضور نے میری طرف نظر کی۔ میں نے اسی طرح پھر اشارہ سے عرض کیا۔ فرمایا یہ لوگ؟ میں نے کہا نہیں! دوسری یا تیسری مرتبہ کے جواب میں میں نے کہا۔ بہت اچھا یعنی ان کو بھی لے چلیے اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ کھانا صرف آپ ہی کے لیے تھوڑا سا پکایا ہے آپ ان تمام صحابہ کے ساتھ تشریف لائے سب نے اچھی طرح کھایا اور کھانا پھر بھی بچ رہا۔

حضرت صہیب کا بار بار اصرار کہ تنہا تشریف لے چلیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر بار انکار

کہ جب تک سب صحابہ نہ چلیں تنہا نہ جائیں گے ایک عجیب لطف خیز واقعہ ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا اصرار بھی درست تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کھانا تو ایک آدمی کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے خلاف اصرار اس لیے تھا کہ تم ان کو اپنے گھر سے کہاں کھلاؤ گے بلکہ وہ تو ہمارے طفیلی ہیں ہم ان کو کھلائیں گے جس میں تمہارا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو بسیریٔ تمام کھلا دیا۔ یہاں تک کہ کھانا بچ رہا اور صاحب دعوت بھی نیک نام ہو گئے۔ اگرچہ کسی کا طفیلی بن کر کسی کے گھر کھانے کے لیے جانا غیور طبع کو پسند نہیں مگر ایسی طفیلیت اگر حاصل ہو تو غیور طبائع کو بھی ناگوار نہیں ہو سکتا۔

جب ایک غریب صحابی کی دعوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر طفیلیوں کے تشریف لے جانا گوارا نہیں کیا تو خدا تعالیٰ جو غنی مطلق ہے اس کے خوان نعمت پر تنہا جانے کو کس طرح گوارا فرمائیں گے۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف و کرم سے قوی امید ہے کہ ہم طفیلیوں کو بھی بارگاہ الٰہی میں ضرور ہم راہ رکاب رکھیں گے۔

مگر یاد رہے کہ طفیلی ہونا بھی آسان نہیں۔ صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا جب تک دلی عقیدت و محبت اور نسبت نہ ہو۔

یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل سنت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس قسم کے امور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے تھے۔ آج کل کے بعض مشائخ جب کسی کے ہاں دعوت میں تشریف لے جاتے ہیں تو اکثر طفیلیوں کو ساتھ لے جاتے ہیں جس سے صاحب دعوت پر ایک مصیبت ہو جاتی ہے لہٰذا مشائخ اور طفیلیوں کو اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ایک روز حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ام سلیم کے پاس آئے اور کہا کہ آج میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی ہے اس میں بھوک کی وجہ سے ضعف پایا جاتا ہے کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اور چند جو کی روٹیاں نکالیں اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بلانے کو بھیجا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ثُمَّ ذَهَبْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرْسَلَكَ اَبُوْ طَلْحَةَ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِمَنْ مَّعَهٗ قُوْمُوْا فَجِئْتُ اَبَا طَلْحَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ لَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ قَالَتْ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلُمِّيْ مَا عِنْدَكِ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ فَاَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَاَمَرَ بِهٖ فَفُتَّ وَ عَصَرَتْ عَلَيْهِ عُكَّةً لَهَا فَاَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ حَتّٰى اَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَ شَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا اَوْ ثَمَانُوْنَ ثُمَّ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلُ الْبَيْتِ وَاَفْضَلُوْا مَا بَلَغَ جِيْرَانَهُمْ (بخاری: ۳۵۷۸، مسلم: ۵۳۱۶، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۴۶)

پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے تمام صحابہ سے فرمایا کہ اٹھو میں نے آگے آگے آ کر ابوطلحہ کو اطلاع دی کہ حضور تو مع صحابہ کے آ رہے ہیں یہ سن کر حضرت ابوطلحہ نے اپنی بیوی ام سلیم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے لوگ بھی ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں جو ان سب کو کھلا سکیں۔ ان کی بیوی نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہماری حالت کو خوب جانتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا۔ ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ! وہ اپنی چند روٹیوں کو لے کر حاضر ہو گئیں۔ حضور نے ٹکڑے کرنے اور ان پر کچھ گھی نچوڑنے کا حکم دیا۔ پھر حضور نے ان ٹکڑوں پر جو اللہ نے چاہا پڑھا۔ پھر دس آدمیوں کے بلانے کا حکم دیا وہ آئے اور خوب سیر ہو کر گئے۔ پھر دس آدمیوں کے بلانے کا حکم دیا وہ بھی آئے اور خوب

پیٹ بھر کر نکلے۔ پھر دس آدمیوں کو بلانے کا حکم دیا وہ بھی آئے اور خوب سیر ہو کر نکلے یہاں تک کہ وہ تمام صحابہ جو ستر یا اسی تھے سب شکم سیر ہو گئے اس کے بعد آپ نے اور سبھی گھر والوں نے کھایا اور اس کے بعد بھی کھانا بچ گیا جو پڑوسیوں میں تقسیم کیا گیا۔

دیکھیے! ان چند روٹیوں کے ٹکڑوں سے اتنے لوگوں کا پیٹ بھر جانا کیسی عجیب بات ہے۔ سبحان اللہ! یہ تھے حضور کے تصرفات اور برکات ؎

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

(اعلیٰ حضرت)

ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ جب صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرفات کا ہر وقت مشاہدہ کرتے تھے تو پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پریشان کیوں ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ پریشان ہونا بتقاضائے بشریت تھا۔ یا اس وقت توجہ نہیں رہی تھی اس سے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرف معنوی میں کوئی شک آ گیا تھا۔

دیکھیے غزوۂ بدر میں کفار کی کثرت وشوکت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا حالت طاری تھی جب کہ حضرت صدیق اکبر نے آپ کو تسکین دی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے ایفائے وعدہ میں کوئی شک ہو گیا تھا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے قائل تھے اور بجائے اللہ اعلم کے اللہ ورسولہ اعلم کہنے میں ان کو کچھ تامل نہ تھا چنانچہ اکثر صحابہ کا یہی دستور تھا کہ وہ اللہ ورسولہ اعلم کہتے تھے۔ (کما ورد فی الاحادیث) اور اس زمانہ کے لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ورسولہ اعلم کہنے سے شرک آ جاتا ہے (معاذ اللہ) چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ ہی

جانے رسول کو کیا خبر۔(تقویۃ الایمان، ص ۸۴)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے تو آپ کا چہرہ متغیر پایا، یہ دیکھ کر اسی وقت وہ اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ متغیر دیکھا ہے اور میرا گمان ہے کہ بھوک کے سبب سے ایسا ہے کیا تیرے پاس کچھ موجود ہے؟ بیوی نے کہا واللہ اس بکری اور کچھ بچے ہوئے آٹے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اسی وقت بکری کو ذبح کر دیا اور فرمایا کہ جلدی جلدی گوشت اور روٹیاں تیار کر دو! جب کھانا تیار ہو گیا تو ایک بڑے پیالے میں رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور وہ کھانا حاضر کر دیا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ اجْمَعْ لِيْ قَوْمَكَ! فَاَتَيْتُهٗ بِهِمْ فَقَالَ اَدْخِلْهُمْ عَلَيَّ اِرْسَالًا فَكَانُوْا يَاْكُلُوْنَ فَاِذَا شَبِعَ قَوْمٌ خَرَجُوْا وَ دَخَلَ اٰخَرُوْنَ حَتّٰى اَكَلُوْا جَمِيْعًا وَّ فَضَلَ فِي الْجَفْنَةِ شَبِهَ مَا كَانَ فِيْهَا وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُوْلُ لَهُمْ كُلُوْا وَلَا تَكْسِرُوْا عَظْمًا ثُمَّ اِنَّهٗ جَمَعَ الْعِظَامَ فِيْ وَسْطِ الْجَفْنَةِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهَا ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ فَاِذَا لَمْ اَسْمَعْهُ فَاِنَّ الشَّاةَ قَدْ قَامَتْ تَنْفُضُ اُذُنَيْهَا امْرَاَتِيْ فَقَالَتْ مَا هٰذِهٖ؟ قُلْتُ هٰذِهٖ وَاللّٰهِ شَاتُنَا الَّتِيْ ذَبَحْنَا هَادَعَى اللّٰهَ فَاَحْيَا هَالَنَا قَالَتْ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے جابر اپنی قوم کو جمع کر لے۔ پس میں ان کو لے کر آپ کی خدمت میں آیا، آپ نے فرمایا ان کو جدا جدا ٹولیاں بنا کر میرے پاس بھیجتے رہو۔ اس طرح وہ کھانے لگے۔ جب ایک ٹولی سیر ہو جاتی تو وہ نکل جاتی اور دوسری آ جاتی یہاں تک کہ سب کھا چکے اور برتن میں جتنا پہلے تھا اتنا ہی سب کے کھانے کے بعد تھا۔ حضور فرماتے تھے کھاؤ اور ہڈی نہ توڑو۔ پھر آپ نے برتن کے بیچ میں ہڈیوں کو جمع کیا اور ان پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور کچھ کلام پڑھا، جسے میں نے نہیں سنا، ناگاہ وہ بکری کان جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ

(بیہقی دلائل نبوت، ص ۵۴۳، ابونعیم: ۵۶۰، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۷، زرقانی علی المواہب، ج ۵، ص ۱۸۴، سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۱۰، ص ۱۴)

نے مجھ سے فرمایا اپنی بکری لے جا، میں بکری اپنی بیوی کے پاس لے آیا وہ بولی یہ کیا؟ میں نے کہا۔ واللہ یہ ہماری وہی بکری ہے جس کو ہم نے ذبح کیا تھا۔ رسول اللہ کی دعا سے اللہ نے اسے زندہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر ان کی بیوی نے کہا میں گواہی دیتی ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

عارف ربانی عاشق محبوب سبحانی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے جب بکری کو ذبح کیا تو اس وقت آپ کے دو چھوٹے چھوٹے فرزند بھی وہیں موجود تھے جنہوں نے بکری کو ذبح ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جب حضرت جابر تشریف لے گئے تو وہ دونوں چھری لے کر چھت پر چلے گئے۔

پسر بزرگ مرخوردرا گفت بیا تا بتو نمایم کہ پدر ما ایں برہ را چگونہ بسمل کرد بچہ خوردرا بہ بست و کارد بر حلق او بر اندو بنا دانی ویرا بسمل کرد۔ وسر برادر را برادر برداشت عیاں چوں آنرا بدید از پس بد وید پسر بترسید و بر بام گریخت مادر بر اثر وے می آمد از بیم مادر آں پسر دیگر نیز از بام بیفتاد و ہلاک شد آں زن فزع نکرد و گفت اگر بنالم وفریاد کنم خاطر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول شد صبر کرد و جزع نہ کرد و ہر دو فرزند آنرا بخانہ برد و گلیم بر ہر دو پوشید و کسے را از انحال

بڑے لڑکے نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا کہ آؤ میں بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی کروں جیسا کہ ہمارے والد نے اس بکری کے ساتھ کیا ہے، بڑے نے چھوٹے کو باندھا اور حلق پر چھری چلا دی اور نادانی سے اس کو ذبح کر دیا اور اس کا سر جدا کر کے اس کو اٹھایا۔ جونہی حضرت جابر کی بیوی نے اس کو دیکھا تو وہ اس کے پیچھے دوڑی وہ اس کے خوف سے چھت سے گرا اور مر گیا۔ حضرت جابر کی بیوی نے اس وجہ سے چیخ و پکار اور واویلا نہ کیا

خبر نکرد و روئے خود تازہ داشت ولیکن بدل خونیں مینالید تا برہ را بریاں کرد و جابر را از حال فرزنداں خبرے نہ داد چوں برہ را بیاور دو در پیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہاد جبریل امین بیامد و گفت یا محمد خدائے تعالیٰ می فرماید کہ جابر را بگوئی تا فرزندان خود را بیارد تا با تو طعام خورند، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جابر را گفت فرزنداں را بیار جابر بروں آمد و عیال را پرسید کہ فرزنداں کجا اند؟ عیال او گفت مہتر را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بگوئی کہ غائب اند۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت فرمان خدائے تعالیٰ است تا ایشاں را حاضر کنی! جابر بروں آمد و عیال خود را گفت کہ از خدائے تعالیٰ فرمان آمد کہ زود ایشاں را بخواں! آں ضعیفہ گریاں شد و گفت اے جابر نمی آرم! جابر گفت چہ افتادہ است ترا ہر دو پسر را بجابر نمود و گلیم از ایشاں برداشت۔ جابر ہر دو پسر را دید مردہ گریاں شد کہ از حال ایشاں بے خبر بود۔ پس ہر دو بیامدند و در پائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افتادند و خروش از خانہ برآمد خدائے تعالیٰ جبریل علیہ السلام را فرستاد

تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان اور ملول نہ ہوں (اور دعوت بے لطف نہ ہو جائے) نہایت صبر و استقلال سے دونوں فرزندوں کو اندر لا کر ان پر کپڑا ڈال دیا اور کسی کو ان کے حال کی خبر نہ کی یہاں تک کہ حضرت جابر کو بھی نہ بتایا۔ اگرچہ دل صدمہ سے خون کے آنسو رو رہا تھا مگر باوجود اس کے چہرے کو تازہ و شگفتہ رکھا اور کھانا وغیرہ پکایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور کھانا آپ کے آگے رکھا گیا۔ اسی وقت جبریل امین آ گئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جابر سے کہو کہ اپنے فرزندوں کو لائے تا کہ وہ آپ کے ساتھ کھانا کھانے کا شرف حاصل کر لیں۔ آپ نے حضرت جابر سے فرمایا کہ اپنے فرزندوں کو لاؤ! وہ فوراً باہر آئے اور بیوی سے پوچھا کہ فرزند کہاں ہیں۔ اس نے کہا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو کہ وہ موجود نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا ہے کہ ان کو جلد بلاؤ! غم کی ماری بیوی رو پڑی اور کہا اے جابر

کہ خدائے رب العزت می فرماید کہ اے محمد برسر ایشاں رودازتو دعا کردن وازما زندہ گرد انیدن رسول اللہ ﷺ برخاست و برسر ایشاں آمد و دعا کرد و ہر دو فرزندان جابر رضی اللہ عنہ فی الحال زندہ شدند بفرمان خدائے تعالیٰ (مدارج النبوت وشواہد النبوت للجامی،ص ۸۴)

اب میں ان کونہیں لاسکتی حضرت جابر نے فرمایا بات کیا ہے؟ روتی کیوں ہو۔ بیوی نے اندر لے جا کر سارا ماجرا سنایا اور کپڑا اٹھا کر بچوں کو دکھایا تو وہ بھی رونے لگے کیونکہ وہ اس کے حال سے بے خبر تھے۔ پس حضرت جابر نے دونوں فرزندوں کولا کر حضور ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا اس وقت گھر سے چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں اللہ تعالیٰ نے جبریل امین علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا اے جبریل میرے محبوب علیہ السلام سے کہو کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے اے پیارے حبیب آپ دعا فرمائیں ہم ان کو زندہ کر دیں گے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی وہ اللہ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہو گئے۔

اس قسم کی باتوں کو وہ لوگ نہیں مانتے جو اپنے آپ کو عقل مند سمجھتے ہیں۔ درحقیقت ان کا خدا کی قدرت پر ایمان نہیں ہوتا۔ اگر وہ مان لیں کہ خدا تبارک وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو کبھی نہ کہیں کہ مردوں کا زندہ ہونا خلاف عقل اور خلاف عادت ہے برخلاف ان کے وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کی ذات اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں انہوں نے مان لیا کہ خدا تعالیٰ مردے زندہ کرنے پر قادر ہے اور قیامت کے ہونے میں ان کو کوئی شبہ نہ رہا۔ جولوگ خدا کی قدرت اور قیامت کونہیں مانتے ،ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں۔ جولوگ خدا کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے

بعد سب کو زندہ کرے گا ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ یہ قدرت اس کو ہر وقت اور ہر آن حاصل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مردوں کو زندہ کرنا یہ بھی قدرت خداوندی کا ظہور ہے کیونکہ آپ اللہ کے حبیب ہیں اور اس کی قدرتوں کے مظہر اتم ہیں۔ آپ تو آپ ہیں، آپ کے غلاموں نے مردوں کو زندہ کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ہم صفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے۔ ایک عورت ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اس کے ساتھ اس کا جواں سالہ بیٹا تھا۔ چند دنوں کے بعد وہ ایک وبائی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آنکھیں بند کیں اور تجہیز و تکفین کے لیے فرمایا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کر کے غسل دینا چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ماں کو بھی خبر کر دو۔ ہم نے خبر کر دی وہ آ کر لڑکے کے قدموں کے پاس بیٹھ گئی اور کہا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ لَكَ طُوْعًا وَّ خَلَعْتُ الْاَوْثَانَ زُهْدًا وَّهَاجَرْتُ اِلَيْكَ رَغْبَةً اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَبَدَةُ الْاَوْثَانِ وَلَا تَحْمِلْنِیْ مِنْ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةِ مَالَا طَاقَةَ لِیْ بِحَمْلِهَا قَالَ فَوَاللهِ مَا تَقْضِیْ كَلَامُهَا حَتّٰی حَرَّكَ قَدَمَيْهِ وَ اَلْقَی الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهٖ وَ عَاشَ حَتّٰی قَبَضَ اللهُ رَسُوْلَهٗ وَ حَتّٰی هَلَكَتْ اُمُّهٗ (خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۶۷، بیہقی، ج ۶، ص ۵۲، دلائل النبوۃ ابونعیم، ص ۵۴۴، سبل الہدیٰ، ج ۱۰، ص ۱۴)

اے اللہ میں خاص تیرے لیے خوشی سے اسلام لائی اور بت پرستی کو چھوڑا اور برضا و رغبت تیری طرف ہجرت کی اے اللہ بت پرستوں کو خوش ہو کر میری ہنسی اڑانے کا موقع نہ دے اور مجھ پر ایسی مصیبت نہ ڈال جس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے۔ حضرت انس فرماتے ہیں خدا کی قسم ابھی اس کا کلام ختم نہیں ہوا تھا کہ لڑکے نے اپنے پاؤں ہلائے اور موتھ سے کپڑا اٹھا دیا اور وہ زندہ رہا۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور اس کی ماں کی

بھی وفات ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹی عمر میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لے آئے اور مجھے فرمایا کیا تیرے پاس دودھ ہے؟ میں نے عرض کی ہے تو ضرور لیکن امانت ہے میں اس میں خیانت نہیں کرسکتا۔

فرمایا ایسی بکری لا جسے نر نہ ملا ہو۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں ایک پٹھوری لے آیا۔

فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرْعَهَا وَدَعَى اللّٰهَ وَاَتَاهُ اَبُوْبَكْرٍ بِصَحْفَةٍ فَحَلَبَ فِيْهَا وَقَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ اِشْرَبْ ثُمَّ قَالَ لِلضَّرْعِ اَقْلِصْ فَعَادَ كَمَا كَانَ وَكَانَ هٰذَا هُوَ سَبَبُ اِسْلَامِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (بیہقی، ج ۲، ص ۱۷۱، شفاء شریف، اسدالغابہ: ۳۱۷۷)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھنوں پر اپنا دست کرم پھیرا اور اللہ سے دعا کی اور حضرت ابوبکر نے ایک بڑا چوڑا پیالہ لاکر حاضر کیا آپ نے اس میں دودھ دوہا۔ وہ بھر گیا اور ابوبکر سے فرمایا لو پیو اور پھر تھنوں کو حکم دیا کہ تم جیسے تھے ویسے ہی ہو جاؤ۔ وہ جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مسلمان ہونے کا یہی سبب ہوا۔

اگرچہ یہ دودھ عقبہ کی بکری کا تھا۔ مگر اس کی ملکیت نہ تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اس میں تصرف نہ فرماتے کیونکہ اس کی تخلیق بطور عادت نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھا۔ چونکہ تخلیق خاص قسم کی ہوئی اس لیے احکام ملک بدل گئے اور وہ دودھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملک ہوگیا کیونکہ اس کا واسطہ دست مبارک ہوا۔

حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ابتدائے اسلام میں بحالت یتیمی میں اپنی والدہ اور خالہ کے زیر پرورش تھا، اور

اپنی چند بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میری خالہ مجھے اکثر کہتی کہ اے بیٹے اس شخص یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کبھی نہ جانا ورنہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے لیکن میں نے چراگاہ میں جا کر بکریوں کو چھوڑ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ارشادات مبارک سنتا رہا۔ پھر بکریوں کے پاس گیا تو ان کو دبلی اور تھنوں کو سوکھے پایا میری خالہ نے مجھ سے کہا کہ آج تیری بکریوں کو کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں دوسرے روز بھی ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا او اپنی بکریوں اور خالہ کا حال بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بکریاں لے آؤ! میں بکریوں کو لے کر حاضر ہوا

وَدَعَا فِيهِنَّ بِالْبَرَكَةِ فَامْتَلَأْنَ شَحْمًا وَّلَبَنًا فَلَمَّا دَخَلْتُ عَلٰى خَالَتِىْ بِهِنَّ قَالَتْ يَا بُنَىَّ هٰكَذَا فَارْعُ فَاَخْبَرْتُهَا الْخَبَرَ فَاَسْلَمَتْ هِىَ وَاُمِّىْ (دلائل النبوت، ص ۳۸۸، ابو نعیم: ۳۸۷، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۲۹)

آپ نے تھنوں اور پشتوں پر ہاتھ پھیر کر دعا برکت فرمائی اسی وقت وہ دودھ اور چربی سے بھر گئیں۔ پھر جب میں ان بکریوں کو لے کر خالہ کے پاس گیا تو وہ دیکھ کر بولی اے بیٹے ایسے ہی چرایا کرو۔ جب میں نے ان کو سارا واقعہ سنایا تو وہ دونوں بھی یعنی والدہ اور خالہ مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

مقام غور ہے کہ ابوقر صافہ کو اپنی بکریاں چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کا شوق پیدا ہونا حالانکہ ان ہی بکریوں پر ان کی روزی کا دارومدار تھا اور پھر زمانہ نوعمری اور یتیمی کا۔ اس زمانے کے حالات اور تقاضے اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں۔ چونکہ توفیق ازلی مددگار تھی لہٰذا ایسے آثار ظاہر ہوئے ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

حضرت حزام بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے

ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو راستے میں دوپہر کے وقت ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے ہاں گزر ہوا۔ ام معبد کی قوم قحط زدہ تھی وہ اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھا کرتی اور مسافروں کو پانی پلاتی اور کھانا کھلاتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کا قصد فرمایا مگر اس کے پاس ان دونوں میں سے کوئی چیز نہ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے خیمہ کی جانب ایک بکری دیکھی، فرمایا یہ بکری کیسی ہے۔ ام معبد نے عرض کیا کہ لاغری و کمزوری کے سبب سے بکریوں سے پیچھے رہ گئی ہے۔ پھر فرمایا کیا دودھ دیتی ہے؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ میں اسے دودھ لوں؟

قَالَتْ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اِنْ رَاَیْتَ بِھَا حَلْبًا فَاحْلُبْھَا فَدَعَا بِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ بِیَدِہٖ ضَرْعَھَا وَ سَمَّی اللّٰہَ تَعَالٰی وَ دَعَا لَھَا فِیْ شَاتِھَا فَتَفَاجَّتْ عَلَیْہِ وَ دَرَّتْ وَ اجْتَرَّتْ فَدَعَا بِاِنَآءٍ یُّرْبِضُ الرَّھْطَ فَحَلَبَ فِیْہِ ثَجًّا حَتّٰی عَلَاہُ الْبِھَآءُ ثُمَّ سَقَاھَا حَتّٰی رَوِیَتْ وَ سَقٰی اَصْحَابَہٗ حَتّٰی رَوَوْا ثُمَّ شَرِبَ اٰخِرَھُمْ ثُمَّ حَلَبَ فِیْہِ ثَانِیًا بَعْدَ بَدْءٍ حَتّٰی مَلَاَ الْاِنَآءَ ثُمَّ غَادَرَہٗ عِنْدَھَا وَ بَایَعَھَا وَارْتَحَلُوْا عَنْھَا (مشکوٰۃ: ۵۹۴۳، سبل الھدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۲۴۴)

اس نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر آپ اس کے نیچے دودھ دیکھتے ہیں تو دوھ لیں۔ آپ نے اس کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اللہ کا نام لیا اور دعا کی تو بکری نے آپ کے لیے دونوں ٹانگیں چوڑی کرلیں اور دودھ اتار لیا اور جگالی کی آپ نے برتن طلب فرمایا جو جماعت کو سیراب کردے اور اس میں دودھ دوھ کر بھر دیا یہاں تک کہ اس میں جھاگ آ گئی۔ پھر ام معبد کو پلایا وہ سیر ہو گئی۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے۔ سب کے بعد آپ نے پیا پھر دوسری بار دودھ دوہنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہی برتن پھر بھر دیا اور

اس کو بطور نشان ام معبد کے پاس چھوڑا
اور اس کو اسلام میں بیعت کیا پھر سب
وہاں سے چل دیئے۔

تھوڑی دیر بعد ام معبد کا خاوند آیا اس نے دودھ جو دیکھا تو حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ گھر میں تو کوئی ایسی بکری نہیں ہے جو دودھ کا قطرہ بھی دے۔ ام معبد نے جواب دیا کہ ایک مبارک شخص آیا تھا جس کی باتیں میٹھی، صورت پیاری، زبان فصیح اور جس کا حلیہ شریف ایسا پیارا تھا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ وہ بولا وہی تو قریش کے سردار ہیں جن کا چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے بھی قصد کر لیا ہے کہ ان کی صحبت میں رہوں چنانچہ وہ دونوں میاں بیوی مدینہ منورہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔

(کنز العمال: ۶۳۰۰۰ وکذا فی حواشی المشکوٰۃ وسیرۃ النبویہ وشمس التواریخ، سبل الہدی، ج۳، ص ۲۴۴)

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَ مَسَسْتَ شَاۃً لِّاُمِّ مَعْبَدٍ بَعْدَهَا لَشَفَتْ فَدَرَّتْ مِنْ شُقَارِقُیَاكَ

اور ام معبد کی بکری جب کہ اس کا دودھ خشک ہو گیا تھا تو آپ کے دست مبارک کے چھونے اور آپ کی دعا سے وہ پھر دودھ والی ہو گئی۔ (قصیدۃ النعمان)

ام معبد فرماتی ہیں کہ وہ بکری بہت دیر تک ہمارے پاس رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک ہو گیا۔ پھر زمانہ خلافت حضرت صدیق اکبر بھی گزر گیا۔ پھر حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں جب کہ قحط پڑ گیا اور خشک سالی کی کوئی حد نہ رہی (جسے عام الرمادہ کہتے ہیں) اور چارہ کا ایک تنکا بھی زمین پر نظر نہیں آتا تھا تو وہ بھوکی پیاسی ہونے کے باوجود بھی صبح وشام برابر دودھ دیتی رہی۔ (طبقات ابن سعد: ۷ ۲۲۳، ابونعیم، حجۃ اللہ علی العالمین، سبل الہدی، ج ۳، ص ۲۴۵)

حضرت قیس بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جا رہے تھے تو راستہ میں ایک چرواہا ملا جو بکریاں چرا رہا تھا آپ نے اس سے دودھ طلب فرمایا۔ اس نے کہا میرے پاس دودھ دینے والی کوئی بکری

نہیں۔فرمایا ان ہی میں سے کوئی لے آ۔ وہ ایک پٹھوری (چھوٹی بکری) لے آیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا کی تو تھنوں میں دودھ آ گیا۔آپ نے دوہا۔حضرت ابوبکر کو پلایا۔پھر چرواہے کو پلایا اور پھر خود پیا۔چرواہا حیران رہ گیا۔

فَقَالَ الرَّاعِیْ مَنْ اَنْتَ؟ فَوَ اللہِ مَا رَاَیْتُ مِثْلَكَ قَطُّ! قَالَ اَنَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہِ! قَالَ اَنْتَ الَّذِیْ تَزْعُمُ قُرَیْشٌ اَنَّهٗ اَصَابَ قَالَ اِنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ فَاَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِیُّ اللہِ وَاَنَّ مَاجِئْتَ بِهٖ حَقٌّ وَّاَنَّهٗ لَا یَفْعَلُ مَا فَعَلْتَ اِلَّا نَبِیٌّ (بیہقی، ج۲، ص ۴۹۷، حاکم: ۴۲۷۳، طبرانی: ۴۸۷، ابونعیم، ابویعلیٰ، خصائص کبریٰ، ج۱، ص۱۸۹)

اور کہنے لگا۔آپ کون ہیں خدا کی قسم میں نے آپ کی مثل ہرگز کوئی نہیں دیکھا۔ فرمایا میں محمد ہوں اللہ کا رسول۔ وہ سن کر بولا آپ وہی ہے جن کے بارے میں قریش کا یہ گمان ہے کہ آپ نیا دین لے کر آئے ہیں۔فرمایا ہاں! وہ تو ایسا ہی کہتے ہیں وہ بولا (وہ کچھ کہیں) مگر میں سچے دل سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور جو کچھ آپ لے آئے ہیں وہ حق ہے اور جو آپ نے کیا ہے وہ سوائے نبی کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ میں تیر لگا اور آنکھ کا ڈھیلا رخسارے پر بہہ آیا۔

فَاَتٰی بِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ لَكَ وَلَكَ الْجَنَّةُ وَاِنْ شِئْتَ رَدَدْتُّهَا وَدَعَوْتُ اللہَ لَكَ فَلَمْ تَفْقِدْ مِنْهَا شَیْئًا فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنَّ الْجَنَّةَ لَجَزَآءٌ جَمِیْلٌ وَّ عَطَآءٌ جَلِیْلٌ وَّ لٰكِنَّ اِنْ لِیْ اِمْرَاَةٌ اَحِبُّهَا وَ

تو وہ اس کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اگر صبر کرو تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر چاہو تو اس کو لوٹا کر تمہارے لیے دعا کروں پھر تم اس میں کوئی کمی نہ پاؤ گے۔حضرت قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بلاشبہ جنت ایک

اَخْشٰی اِنْ رَاَتْنِیْ تَقْذِرُنِیْ اَیْ تَکْرَھُنِیْ وَ لٰکِنْ تَرُدَّھَا وَ تَسْاَلُ اللّٰہَ لِیَ الْجَنَّۃَ قَالَ اَفْعَلُ یَا قَتَادَۃُ فَاَخَذَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ وَرَدَّھَا اِلٰی مَوْضِعِھَا وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اُکْسُہٗ جَمَالًا فَکَانَتْ اَحْسَنَ عَیْنَیْہِ اَجْمَلُھُمَا وَاَقْوٰھُمَا حَسَنًا اَیْ اَحْسَنُ عَیْنَیْہِ (زرقانی علی المواہب، ج۵،ص۱۸۶)

جزائے جمیل اور عطائے جلیل ہے لیکن میری ایک عورت ہے جس کو میں محبوب رکھتا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو اس حال میں پسند نہیں کرے گی لہٰذا آپ اس کو لوٹا بھی دیجئے اور میرے لیے اللہ سے جنت بھی مانگیے۔ فرمایا بہت اچھا۔ پس آپ نے اپنے دست کرم سے اس کو پکڑ کر اس کی جگہ چشم خانہ میں رکھ دیا اور فرمایا اے اللہ اس کو بہت اچھا بنادے، تو ان کی وہ آنکھ حسن و جمال اور قوت کے لحاظ سے دوسری آنکھ سے بہت اچھی تھی۔

اس کی وجہ ظاہراً یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان محبوبی عالم میں ممتاز اور نمایاں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی آنکھ کا حسن بڑھا دیا۔

حضرت نعمان بن قتادہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دربار میں گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا من انت یافتی؟ اے نوجوان تو کون ہے؟

حضرت نعمان بن قتادہ فرماتے ہیں

اَنَا ابْنُ الَّذِیْ سَالَتْ عَلَی الْخَدِّ عَیْنُہٗ فَرُدَّتْ بِکَفِّ الْمُصْطَفٰی اَحْسَنَ الرَّدِّ
فَعَادَتْ کَمَا کَانَتْ لِاَحْسَنِ حَالِھَا فَیَاحُسْنَھَا عَیْنًا وَ یَا حُسْنَھَا اَیْدٖ

میں اس کا بیٹا ہوں جس کی آنکھ کا ڈھیلا (جنگ احد کے دن) رخسارے پر بہہ آیا تھا تو پیارے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست کرم سے اس کو پھر اس کی جگہ رکھ دیا تھا تو وہ آنکھ ویسی ہی ہوگئی جیسی کہ پہلے تھی بلکہ اس سے بھی بہت اچھی حالت میں ہوگئی۔ (اے سننے

والے) کیا اچھی تھی وہ آنکھ اور کیا اچھا تھا وہ ہاتھ۔

(شرح شفا ملا علی قاری، زرقانی علی المواہب، ۵، ص ۱۸۶)

یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے بہت عزت کی اور مہربانی فرمائی۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَرَدَدْتَّ عَيْنَ قَتَادَةَ بَعْدَ الْعُلٰى وَابْنُ الْحُصَيْنِ شَفَيْتَهٗ بِشِفَاكَ

اور آپ نے (یا رسول اللہ!) حضرت قتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو لوٹا دیا تھا اور ابن الحصین کو آپ سے تندرستی حاصل ہوئی۔ (قصیدۃ النعمان)

حضرت ابیض بن جمال رضی اللہ عنہ کے چہرے پر داد (دہدر) تھا جو ان کی ناک کو چیر گیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ وَجْهَهٗ فَلَمْ يُمْسِ مِنْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَمِنْهَا اَثَرٌ (خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۷۵)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلا کر ان کے چہرے پر دست مبارک پھیر دیا۔ شام نہ ہونے پائی کہ داد کا کوئی نشان نہ رہا۔

کتنا ہی بڑا ڈاکٹر اور طبیب حاذق کیوں نہ ہو اگر وہ ایسے داد کا علاج کرے تو اس کو کتنا زمانہ درکار ہے۔ پھر داد اگر زائل بھی ہو جائے تو ناک جس کو داد نے چیر دیا تھا اس کا اصلی ہیئت پر آ جانا دشوار ہے۔ ایسی سخت بیماری کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دست مبارک پھیر کر دور فرما دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اِنَّ امْرَاَةً جَآءَتْ بِابْنٍ لَّهَآ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ ابْنِىْ بِهٖ جُنُوْنٌ وَّاِنَّهٗ لَيَاْخُذُهٗ عِنْدَ غَدَآئِنَا وَ عَشَآئِنَا فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے اس بیٹے کو جن چمٹا ہوا ہے اور اسے صبح و شام پریشان کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے

صَدْرَهٗ فَثَعَّ ثَعَّةً وَّ خَرَجَ مِنْ جَوْفِهٖ مِثْلُ الْجِرْوِ الْاَسْوَدِ یَسْعٰی (دارمی:۱۹، مشکوٰۃ: ۵۹۲۳، شفا شریف، ج۱، ص ۲۱۴، زرقانی علی المواہب، ج۵، ص۱۸۵)

سینے پر ہاتھ پھیرا اسے فی الفور قے شروع ہوگئی اور اس کے پیٹ سے کالے پلے جیسی ایک چیز نکلی جو ادھر ادھر دوڑتی پھرتی تھی۔

یہ روحانی تاثیرات ہیں، طب جسمانی میں طبیب کو اسباب و علامات دریافت کر کے دوا تجویز کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں اس کی ضرورت نہیں۔ برائے نام ہاتھ پھیر دیا اور صحت کلی ہوگئی خواہ وہ بیماری کسی قسم کی ہو یا جن وارواح خبیثہ وغیرہ کا اثر ہو۔

حضرت فضالہ بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ فتح مکہ کے سال ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ موقعہ حضور کے قتل کا اچھا ہے آپ طواف کرتے ہوئے جب میرے نزدیک پہنچے تو فرمایا کیا فضالہ ہو؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں فضالہ ہوں۔ فرمایا تم دل میں کیا خیال کر رہے تھے؟ میں نے کہا کچھ نہیں اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا فضالہ خدا سے مغفرت مانگو۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک سینہ پر رکھ دیا۔ جس سے میرے تمام خیالات فاسدہ دور دور ہو گئے۔

وَاللّٰہِ مَا رَفَعَ یَدَہٗ عَنْ صَدْرِیْ حَتّٰی مَا مِنْ خَلْقِ اللّٰہِ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْہُ (سیرت ابن ہشام، ج۴، ص۵۹، سبل الہدی، ج۵، ص۲۳۶)

اور خدا کی قسم ابھی حضور نے اپنا دست مبارک میرے سینے سے نہیں اٹھایا تھا کہ میرے دل کی یہ کیفیت ہوگئی کہ مخلوق خدا میں کوئی آپ سے زیادہ میرا محبوب نہ تھا۔

حضرت فضالہ نے کس قدر چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا کہ ذکر الٰہی میں مشغول ہوں مگر بارگاہ نبوت میں ایسی چالاکیاں کب چل سکتی تھیں جہاں کائنات کا ذرہ ذرہ مثل کف دست پیش نظر تھا۔ وہاں دلوں کی کیفیتیں بھلا پوشیدہ تھیں ؂

سر عرش پر ہے تیری گزر دل فرش پر ہے تیری نظر

ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اس موقعہ پر ہنس کر استغفار کرنے کے لیے فرمانے کا جو اثر فضالہ کے دل پر ہوا ہوگا اس کو انہیں کا دل جانتا ہوگا اور دست مبارک کے رکھنے کی تاثیر یہ ہوئی کہ شقاوت دور ہوگئی اور محبت پیدا ہوگئی اور وہ بھی اتنی کہ آپ سے زیادہ وہ کسی کو اپنا محبوب نہیں سمجھتے تھے۔

ان لوگوں کے ساتھ جو قتل کی تاک میں رہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت کا یہ حال ہے تو خیال کیا جائے کہ محبان صادق پر کیسی عنایتیں ہوں گی ؎

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ بادشمنان نظر داری

حضرت عائذ بن سعید جری حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے اور دعائے برکت فرمائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کر دیا۔ اس دن سے حضرت عائذ کا چہرہ ہر وقت تر و تازہ اور نورانی رہا کرتا تھا۔ (اصابہ: ۴۴۶۲)

یہ امر قابل توجہ ہے کہ جس مقام پر دست مبارک پہنچا وہ روشن ہو گیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ روشنی کا کوئی مادہ دست مبارک میں نہ تھا جو منتقل ہوا، اور نہ کوئی دوا لگائی گئی، پھر ہمیشہ کی روشنی کہاں سے آگئی، یہ معما اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک یہ یقین نہ کر لیا جائے کہ خالق و مالک کو منظور یہ ہے کہ اس کا حبیب دنیا میں نیک نام رہے اور اس کا نظیر قائم نہ ہو سکے۔

حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كُنْتُ طِفْلًا فَانْصَبَّتِ الْقِدْرُ عَلَيَّ وَاحْتَرَقَ جِلْدِيْ كُلُّهٗ فَحَمَلَنِيْ اَبِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَفَلَ عَلَيَّ وَ مَسَحَ يَدَهٗ عَلَى الْمُحْتَرَقِ وَقَالَ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ فَصِرْتُ صَحِيْحًا لَا بَاْسَ بِيْ (زرقانی علی المواہب،

کہ میں بچہ تھا اور جلتی ہنڈیا مجھ پر گر پڑی جس سے میرا بدن جل گیا تو میرے والد مجھے اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے آپ نے میرے بدن پر اپنا مبارک لعاب دہن لگا دیا اور اوپر دست مبارک پھیر دیا اور کہا اے

ج ۵،ص ۲۹۲،نسائی شریف: ۴۹۹۴)

رب اس کی تکلیف دور کردے۔ پس میں بالکل تندرست ہو گیا اور مجھے کوئی تکلیف اس سے نہ ہوئی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَظْفَارَهٗ وَقَسَمَ بَيْنَ النَّاسِ (مسند امام احمد: ۱۶۴۷۴، ۱۶۴۷۵)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ناخن مبارک ترشوائے اور صحابہ میں تقسیم کر دیئے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ارادہ سے بھی اپنے دست مبارک کو کام میں لاتے اللہ تعالیٰ فوراً وہ کام کر دیتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کے کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ، پاؤں ہو جاتا ہوں، جیسا کہ کانوں کے بیان میں گزرا، غور کیجئے کہ جب عام طور پر یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے جس میں صحابہ کرام اور اولیاء عظام بھی شریک ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کس درجہ کی خصوصیت ہونی چاہیے جو اللہ کے محبوبوں میں یکتا ہیں۔ معلوم ہوا کہ ظاہر میں وہ ہاتھ مصطفیٰ کا ہاتھ ہے مگر حقیقت میں وہ ید قدرت ہے۔

دست احمد عین دست ذوالجلال آمدہ در بیعت و اندر قتال

صحابہ کرام وقتاً فوقتاً جب دست مبارک کی برکات کا مشاہدہ کرتے تھے تو ان کا ایمان اور توکل کس قدر مستحکم ہوتا ہوگا۔ ان مشاہدات کی وجہ سے جو عظمت و محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے دلوں میں تھی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر وقت جان و مال قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے اور حقیقتہً یہ حصہ انہیں کے لیے خاص تھا جو کسی ولی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی کے لیے ایسے ہی حضرات کا انتخاب فرمایا تھا جو تمام امت سے افضل تھے، چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے، فرمایا میرے صحابہ کو نشانہ نہ بناؤ اور نہ ان کو گالیاں

دو۔ خدا کی قسم ان کا ایک وقت میرے ہمراہ ٹھہرنا تمہارے عمر بھر کے اعمال سے افضل ہے اور تمہارا احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، ان کے ایک مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے ساتھ جو محبت رکھیں گے وہ میری محبت کی وجہ سے ہوگی اور ان کے ساتھ جو عداوت رکھیں گے وہ میری عداوت کی وجہ سے ہوگی، یعنی جن کو مجھ سے محبت ہوگی وہ ان سے بھی محبت رکھیں گے اور جن کو مجھ سے عداوت ہوگی وہ ان سے بھی عداوت رکھیں گے اور یہ بھی فرمایا جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے خدا کو ایذا دی اور جس نے خدا کو ایذا دی دنیا و آخرت میں اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ میرے اصحاب کو گالیاں دیتے ہیں تو کہہ دو۔

لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی شَرِّکُمْ (کنز العمال: ۳۲۴۸۴) اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر۔

بہر حال صحابہ کی نسبت بدگوئی کرنا اور ان کو نشانہ ملامت بنانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہے۔

یہاں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ صحابہ کرام میں جو اختلافات ہونے والے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا علم نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک ہونے والے تمام امور کا اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرما دیا تھا اور حضور نے صحابہ کو تمام خبریں دے دی تھیں، (جیسا کہ سینہ اقدس کے بیان میں آئے گا، ان شاء اللہ)

چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ بعض امہات المومنین خلیفہ وقت سے لڑنے نکلیں گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر مسکرائیں کہ عورت خلیفہ وقت کے مقابلے میں نکلے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَا تَکُوْنِیْ اَنْتِ؟ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰی عَلِیٍّ فَقَالَ	کہیں تم ہی نہ ہو؟ پھر حضرت علی کرم اللہ
اِنْ وُلِّیْتَ مِنْ اَمْرِھَا شَیْئًا فَارْفُقْ بِھَا	وجہہ کی طرف مونھ کر کے فرمایا اگر اس

(یعنی عائشہ) کا کوئی معاملہ تم سے ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرنا۔ (حاکم: ۴۶۱۰، بیہقی، ج۶، ص ۴۱۱، خصائص کبریٰ، ج۲، ص ۱۳۶)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عائشہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا جب مقابلہ ہوا تو لڑائی بند ہونے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے محمد بن ابی بکر (جو حضرت عائشہ کے بھائی تھے) کے ہمراہ حضرت عائشہ کو مدینہ منورہ روانہ فرما دیا اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قوم اس کو شہید کر دے گی اور حضرت عثمان سے فرمایا کہ اس وقت صبر کرنا، اللہ تمہیں صبر عطا فرمائے اور تمہیں روزے کی حالت میں شہید کر دیا جائے گا، اور تو میرے پاس آ کر روزہ افطار کرے گا۔ (ابو یعلی، ابن عدی، ابن عساکر، ج۳۹، ص ۳۸۸، خصائص کبریٰ، ج۲، ص ۱۲۲، کنز العمال: ۳۶۲۹۵)

اسی قسم کی بے شمار روایتیں معتبر کتابوں میں مروی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کے درمیان تمام ہونے والے واقعات کی پہلے ہی خبر دے دی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب حالات جانتے تھے اور تمام واقعات آپ کے پیش نظر تھے باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی صحابی پر لعن وطعن کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ تاکید فرمائی کہ ان کے متعلق بدگوئی نہ کرو اور ان کو نشانہ نہ بناؤ! تو اب مسلمانوں کو کیا حق ہے کہ گزشتہ واقعات کو سامنے رکھ کر ان کو برا کہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مرضی کے خلاف کام کے مرتکب ہوں۔ ذاتی اختلافات کی وجہ سے نہ کوئی اسلام سے خارج ہو سکتا ہے نہ صحابیت سے، اگر بہ تقاضائے بشریت ان کے آپس میں اختلافات تھے تو کیا وہ صحابیت سے خارج ہو جائیں گے؟ اور وہ مخالفت بھی چند روز کے لیے تھی جو یہیں رہ گئی، اس عالم میں اس کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾

اور نکال دیئے ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے وغیرہ دنیا میں تھے، آپس میں بھائی بھائی ہو گئے جنت میں تختوں پر ایک

(الحجر) دوسرے کے روبرو بیٹھے ہیں۔

اور جب وہ حضرات اس عالم میں آپس میں دوست اور بھائی ہو گئے تو ہمارا ان کو نشانہ ملامت بنانا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہوسکتا اور یہ تو وہ نفوس قدسیہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور تربیت سے کمالات کے مجسمے اور نور کے پیکر ہو گئے تھے ایک عام مسلمان سے کینہ اور بغض وحسد رکھنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی۔ (کما ورد فی الحدیث)

بہرحال تمام صحابہ کرام کی نسبت نیک گمان رکھنا نہایت ضروری ہے اور ان کو برا کہنا یا تبرا کرنا انتہائی بدبختی کی دلیل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے دلوں کو اپنی اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اہل بیت کرام اور صحابہ عظام کی سچی محبت اور الفت سے منور فرمائے۔ آمین ثم آمین

فوائد

(۱) یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

(۲) یہ کہ صحابہ کرام ان مقدس ہاتھوں کو اپنے چہروں پر ملا کرتے تھے۔

(۳) یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ فرما رہے ہیں۔

(۴) یہ کہ تمام خزانوں کی کنجیاں، کونین کی تمام نعمتیں اور برکتیں ان مقدس ہاتھوں میں ہیں۔

(۵) یہ کہ وہ مقدس اور بے مثل ہاتھ دافع البلاء والامراض ہیں اور ہر قسم کے تصرفات پر قادر ہیں۔

(۶) یہ کہ عالم کا ہر ذرہ ان ہاتھوں کی انگلیوں کے اشارے پر چلتا ہے۔ غرض ایک ایک حدیث کو غور سے دیکھا جائے تو بے شمار فوائد ثابت ہوں گے۔

(۷) یہ کہ صحابہ کرام کو نشانہ ملامت بنانا انتہائی بدبختی کی دلیل ہے۔

سینہ اقدس و قلب مبارک

رفع ذکر جلالت پہ ارفع درود
شرح صدر صدارت پہ لاکھوں سلام
دل سمجھ سے وراء ہے مگر یوں کہوں
غنچۂ راز وحدت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواء البطن والصدر تھے یعنی آپ کا شکم اقدس اور سینہ اطہر ہموار و برابر تھا۔ سینہ اقدس کسی قدر ابھرا ہوا اور چوڑا تھا۔ سینہ اقدس کے درمیان بالوں کا ایک باریک خط تھا جو ناف تک تھا اور سینہ اقدس کے اوپر دونوں طرف بال نہ تھے۔ اس سینہ اقدس کی شرح اور قلب شریف کی وسعت کا بیان طاقت انسانی سے خارج ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١   اے حبیب کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔

(الانشراح:۱)

شرح صدر، اس کے لفظی معنی ہیں کھول دینا، یہ ہدایت کا آخری مرتبہ ہے، اس مرتبے میں تمام حقائق ملک وملکوت، لاہوت و جبروت منکشف ہوجاتے ہیں، زبان اسرار غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہوجاتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے عالم غیب میں مشاہدہ کر کے فرماتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مرتبے کے عطا ہونے کی التجا کی تھی

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝٢٥ (طہ:۲۵)   اے رب میرا سینہ کھول دے۔

کلیم مانگتے ہیں اور حبیب کو بن مانگے عطا ہوتا ہے۔

اور یہ اسی شرح صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیہا آپ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور ہمت عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لیے کھڑا ہونا، اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیڑ کر پھینک دینا کہ جن کی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہر حال میں انبساط قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے رہے۔

در جہاں آئیں نو آغاز کرد   مسند اقوام پیشین در نورد
وقت ہیجا تیغ او آہن گداز   دیدۂ او اشک بار اندر نماز
ماند شب ہا چشم او محروم نوم   تا بتخت خسروی خوابید قوم

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش
در دل مسلم مقام مصطفیٰ ست آبروئے ما ز نام مصطفیٰ ست

(اقبال)

اور لکؑ کی قید بتلا رہی ہے کہ یہ وہ شرح صدر ہے جو خاص آپ ہی کے واسطے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اسرار آپ کے قلب اقدس کو عطا ہوئے وہ کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئے اور نہ ہی کسی اور کا قلب اس کا متحمل ہوسکتا تھا اور اسی قلب مبارک کے متعلق آپ کا ارشاد ہے کہ میرا قلب سوتا نہیں ہے

سوگند ہے چہرے کی شمس و ضحیٰ واللیل ہے تیری زلف دوتا
سینے کی صفت ہے الم نشرح ترے دل کی فضا کا کیا کہنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرْبِیَّۃٍ لا یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾ (النور: ۳۵)

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ روشن ہوتا ہے مبارک درخت زیتون سے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگے۔ نور پر نور ہے، اللہ ہدایت فرماتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے اور لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی ہے، اللہ کا نور کیا ہے اور

اس مثال کا مطلب کیا ہے؟

نور کے متعلق حضرت کعب احبار ابن جبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ بِالنُّوْرِ الثَّانِیْ ھُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی مَثَلُ نُوْرِہٖ اَیْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (شفاء شریف، ج۱، ص۱۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد **مَثَلُ نُوْرِہٖ** میں نور ثانی سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اور مثال کے متعلق محی السنۃ علامہ علاؤ الدین علی بن محمد المعروف بالخازن فرماتے ہیں۔

وَقِیْلَ وَقَعَ ھٰذَا التَّمْثِیْلُ لِنُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِکَعْبِ نِ الْاَحْبَارِ اَخْبِرْنِیْ عَنْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی **مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ** قَالَ کَعْبٌ ھٰذَا مَثَلٌ ضَرَبَہُ اللّٰہُ لِنَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَالْمِشْکٰوۃُ صَدْرُہٗ وَالزُّجَاجَۃُ قَلْبُہٗ وَالْمِصْبَاحُ فِیْہِ النُّبُوَّۃُ تُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ ھِیَ شَجَرَۃُ النُّبُوَّۃِ یَکَادُ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَمْرُہٗ یَتَبَیَّنُ لِلنَّاسِ وَلَوْلَمْ یَتَکَلَّمْ بِہٖ اَنَّہٗ نَبِیٌّ کَمَا یَکَادُ ذٰلِکَ الزَّیْتُ یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ النَّارُ

(تفسیر خازن، ج۳، ص۳۳۲)

اور کہا گیا ہے یہ **تمثیل** نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ (چنانچہ) حضرت ابن عباس نے حضرت کعب احبار سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول **مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ** کا معنی مجھے بتاؤ؟ انہوں نے فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال بیان فرمائی ہے تو مشکوٰۃ (طاق) سے مراد آپ کا سینہ اور زجاجہ (فانوس) سے مراد آپ کا قلب اور مصباح (چراغ) سے مراد نبوت ہے جو نبوت کے مبارک شجر سے روشن ہے اور اس نور محمدی کی روشنی اور چمک ایسی ہے کہ اگر آپ اپنے نبی ہونے کا بیان نہ بھی فرمائیں تب بھی لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ قریب ہے کہ وہ تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اَلْمِشْكٰوةُ جَوْفُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالزُّجَاجَةُ قَلْبُهٗ وَالْمِصْبَاحُ النُّوْرُ الَّذِيْ جَعَلَهُ اللّٰهُ فِيْهِ لَا شَرْقِيَّةٌ وَّلَا غَرْبِيَّةٌ لَّا يَهُوْدِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ تُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِبْرَاهِيْمَ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نُوْرُ قَلْبِ اِبْرٰهِيْمَ وَنُوْرُ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تفسیر خازن، ج ۲،ص ۳۳۲)

کہ طاق تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ اور فانوس قلب مبارک ہے اور چراغ وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے، نہ وہ شرقی ہے نہ غربی یعنی نہ یہودی ہے نہ نصرانی، روشن ہے شجرہ مبارکہ یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے نور پر نور ہے یعنی نور قلب ابراہیم پر نور قلب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا

(اعلیٰ حضرت)

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک وہ مبارک سینہ ہے جس میں اسرارالٰہیہ اور معارف ربانیہ اور علم وحکمت کے ہزار در ہزار در بے حد و بے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کو وہ جانیں یا ان کا خالق و مالک مولیٰ تعالیٰ جانے۔

چونکہ آج کل بہت سے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسئلہ بھی اس مسئلہ کو بھی باعث نزاع بنا ہوا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت دیانت داری کے ساتھ اس مسئلہ کو مختصر طور پر بیان کر دیا جائے، تاکہ مسلمانوں کو مسئلہ کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے اور سینہ اقدس کے علوم کا بھی اندازہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ:۲۵۵)

اور وہ نہیں احاطہ کر سکتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

يَعْنِيْ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ الْغَيْبِ

یعنی وہ اس کے علم غیب میں سے کسی چیز کا

اِلَّا بِمَا شَآءَ مِمَّا اَخْبَرَ بِهِ الرُّسُلُ

احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر کہ وہ چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

يَعْنِىْ اَنْ يُّطْلِعَهُمْ عَلَيْهِ وَهُمُ الْاَنْبِيَآءُ وَالرُّسُلُ وَلِيَكُوْنَ مَا يُطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عَلْمِ غَيْبِهٖ دَلِيْلًا عَلٰى نُبُوَّتِهِمْ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

یعنی جن کو اللہ تعالیٰ اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے وہ انبیاء و رسل ہیں تا کہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا ان کی نبوت کی دلیل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس نہیں مسلط فرماتا ہے اپنے غیب خاص پر کسی ایک کو بھی سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر کبیر میں ہے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ اِلَّا عِنْدَ اِطِّلَاعِ اللهِ بَعْضَ اَنْبِيَآئِهٖ عَلٰى بَعْضِ الْغَيْبِ كَمَا قَالَ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

اللہ کے اطلاع دینے کے بغیر کوئی غیب نہیں جانتا اللہ نے اپنے بعض انبیاء کو بعض علم غیب عطا فرمایا ہے جیسا کہ فرمایا جاننے والا غیب کا پس اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیہ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص علم میں سے کوئی خود بخود نہیں جان سکتا مگر جس کے لیے جتنا وہ چاہے۔

(۲) وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران:۱۷۹)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب پر مطلع کر دے۔ ہاں اللہ (اس کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُؤْتِيَ اَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيُطْلِعَ عَلٰى مَا فِي الْقُلُوْبِ مِنْ كُفْرٍ وَّاِيْمَانٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ لِرِسَالَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُوْحِي اللّٰهُ وَ يُخْبِرُهٗ بِبَعْضِ الْمَغِيْبَاتِ

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تم میں سے کسی کو علم غیب دے دے اور دلوں کے کفر و ایمان پر مطلع کر دے۔ ہاں اس منصب جلیل اور اپنی پیغامبری کے لیے اللہ جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے تو اس کی طرف وحی فرماتا ہے۔ اور بعض غیبوں کی اس کو خبر دے دیتا ہے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَصْطَفِيْ وَ يَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهٖ فَيُطْلِعُهٗ عَلٰى مَا يَشَآءُ مِنْ غَيْبِهٖ

لیکن اللہ مصطفیٰ و مختار بنا لیتا ہے رسولوں میں سے جس کو چاہے تو پھر اس کو اپنے غیب میں سے جتنا چاہے عطا فرماتا ہے۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر کبیر میں ہے۔

فَاَمَّا مَعْرِفَةُ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْاَنْبِيَاءِ

پس غیب کی باتوں کا جان لینا بطریق اعلام یہ انبیاء کرام کی خصوصیتوں میں سے ہے۔

اسی آیت کریمہ کے تحت تفسیر جمل میں ہے۔

اَلْمَعْنٰى لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ اَنْ يَّصْطَفِيَ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَيُطْلِعُهٗ عَلَى الْغَيْبِ

معنے یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو مجتبیٰ و مصطفیٰ بنا لیتا ہے تو اس کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر جلالین میں ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ وَ يَخْتَارُ مَنْ يَّشَآءُ فَيَطَّلِعُ عَلٰى غَيْبِهٖ كَمَا اَطْلَعَ النَّبِيَّ صَلَّى

ہاں اللہ جس کو مجتبیٰ و مختار بنا لیتا ہے تو اس کو اپنے غیب کی اطلاع دیتا ہے جیسا کہ نبی اکرم

اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ عَلٰی حَالِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ　　صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے حال سے مطلع فرمایا۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے۔

اِلَّا الرُّسُلُ الَّذِیۡ یَطَّلِعُھُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ　　بلاشبہ وہ رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت مخالفین کے سردار جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

''خلاصہ یہ ہوا کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے''۔(ص ۹۵)

اس آیہ کریمہ اور ان تفاسیر سے صراحۃً ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کو اپنا بعض علم غیب عطا فرماتا ہے۔

(۳) وَعَلَّمَكَ مَالَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء: ۱۱۳)　　اور (اللہ) نے سکھا دیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

یَعۡنِیۡ مِنۡ اَحۡکَامِ الشَّرۡعِ وَ اُمُوۡرِ الدِّیۡنَ وَ قِیۡلَ عَلَّمَكَ مِنۡ عِلۡمِ الۡغَیۡبِ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ وَ قِیۡلَ مَعۡنَاہُ وَ عَلَّمَكَ مِنۡ خَفِیَّاتِ الۡاُمُوۡرِ وَاطَّلَعَكَ عَلٰی ضَمَآئِرِ الۡقُلُوۡبِ وَ عَلَّمَكَ مِنۡ اَحۡوَالِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ کَیۡدِھِمۡ　　یعنی احکام اور امور دین اور کہا گیا ہے کہ آپ کو سکھا دیا اس علم غیب میں سے جس کو آپ نہیں جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو امور مخفیہ، دلوں کے راز، منافقین کے احوال اور ان کی مکاریوں کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر جلالین میں ہے۔

اَیۡ مِنَ الۡاَحۡکَامِ وَالۡغَیۡبِ　　یعنی احکام اور علم غیب سکھا دیا۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے۔

وَ عَلَّمَكَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ اَیۡ عِلۡمَ　　اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ کہ آپ نہ جانتے

الْغَيْبِ تھے یعنی علم غیب۔

اس آیہ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا۔

(۴) اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾ (الرحمن)

رحمن نے (اپنے محبوب کو) قرآن سکھایا۔ پیدا کیا انسان کو اور سکھایا اس کو بیان۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ اَیْ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ یَعْنِیْ بَیَانَ مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ

اللہ نے انسان یعنی محمد علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا سب سکھا دیا۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

قِیْلَ الْمُرَادُ بِالْاِنْسَانِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ یَعْنِیْ بَیَانَ مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ لِاَنَّهٗ یُنَبَّأُ عَنْ خَبَرِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَنْ یَوْمِ الدِّیْنِ

کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا، سب اللہ نے ان کو سکھا دیا۔ کیونکہ آپ کو اولین و آخرین اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر حسینی میں ہے۔

آں علم ما کان وما یکون ہست کہ حق سبحانہ درشب اسریٰ بہ آن حضرت عطا فرمود

کہ وہ علم ما کان وما یکون ہے یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اللہ سبحانہ نے معراج کی رات آپ کو عطا فرما دیا ہے۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے۔

وَقِیْلَ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهُ الْاِنْسَانُ الْكَامِلُ وَ الْمُرَادُ

اور کہا گیا ہے کہ وہ انسان کامل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور بیان سے مراد وہ علم ہے جو ہو چکا

بِالْبَيَانِ عِلْمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ

اور جو ہو رہا ہے اور جو ہوگا وہ ان کو سکھا دیا گیا ہے۔

اس آیہ کریمہ اوران تفاسیر سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ نے سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھا دیا۔

(۵) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن)

جاننے والا ہے غیب کا، تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر خازن اور تفسیر بغوی میں ہے۔

يَعْنِىْ اِلَّا مَنْ يَّصْطَفِيْهِ لِرِسَالَتِهٖ وَ نُبُوَّتِهٖ فَيُظْهِرُهٗ عَلٰى مَا يَشَآءُ مِنَ الْغَيْبِ حَتّٰى يُسْتَدَلَّ عَلٰى نُبُوَّتِهٖ مِمَّا يُخْبِرُ بِهٖ مِنَ الْمَغِيْبَاتِ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ مُعْجِزَةً لَّهٗ

یعنی جس کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے چن لیتا ہے تو اس پر جتنا چاہتا ہے غیب ظاہر فرماتا ہے تاکہ اس کا غیبی خبریں دینا اس کی نبوت کی دلیل ہو جائے پس یہ (علم غیب) نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے۔

اَنَّهٗ تَعَالٰى لَا يُطْلِعُ عَلَى الْغَيْبِ الَّذِىْ يَخْتَصُّ بِهٖ تَعَالٰى عِلْمُهٗ اِلَّا لِمُرْتَضَى الَّذِىْ يَكُوْنُ رَسُوْلًا وَّمَا لَا يَخْتَصُّ بِهٖ يُطْلِعُ عَلَيْهِ غَيْرَ الرَّسُوْلِ

کہ اللہ تعالیٰ اس علم غیب پر جو اس کے ساتھ مختص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب اس کے ساتھ خاص نہیں ہے اس پر غیر رسول (اولیاء) کو بھی مطلع فرما دیتا ہے

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر صاوی علی الجلالین میں ہے۔

اَىْ اِلَّا رَسُوْلًا ارْتَضَاهُ لِاِظْهَارِهٖ عَلٰى بَعْضِ غُيُوْبِهٖ فَاِنَّهٗ يُظْهِرُهٗ عَلٰى مَا يَشَآءُ

یعنی جس رسول کو برگزیدہ کر لیتا ہے تو اس پر اپنے غیبوں سے جس قدر چاہتا ہے

مِنۡ غَیۡبِہٖ — اظہار فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر عزیزی میں ہے۔

انچہ بہ نسبت ہمہ مخلوقات غائب است غائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت و احکام تکوینیہ وشرعیہ باری تعالیٰ در ہر روز و ہر شریعت و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علی سبیل التفصیل ایں قسم راغیب خاص او تعالیٰ نیز می نامید فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا پس مطلع نمی کند برغیب خاص خود ہیچ کس را مگر کسے را کہ پسندی کند وآں کس رسول باشد خواہ از جنس ملک وخواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورا اظہار بعضے از غیوب خاصۂ خود می فرماید

جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور باری تعالیٰ کے تکوینی وتشریعی احکام جو ہر روز و ہر شریعت میں جاری ہیں اور جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے تفصیلی حقائق اس قسم کو رب تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس وہ اپنے اس خاص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس کے جس کو پسند کر لے، اور وہ رسول ہوتا ہے خواہ جنس ملائکہ سے ہو اور خواہ جنس بشر سے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پھر اس پر اپنے خاص غیبوں سے بعض غیوب اظہار فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کو اپنا خاص علم غیب عطا فرماتا ہے۔

(٦) وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ (التکویر) — اور یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

یَقُوۡلُ اِنَّهٗ یَاۡتِیۡهِ عِلۡمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یَبۡخَلُ بِهٖ عَلَیۡكُمۡ بَلۡ یُعَلِّمُكُمۡ وَ یُخۡبِرُكُمۡ وَلَا یَكۡتُمُهٗ

اللہ فرماتا ہے کہ میرے نبی کے پاس علم غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخل نہیں کرتے بلکہ تمہیں سکھاتے اور خبریں

دیتے ہیں اور اس کو چھپاتے نہیں۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

يَقُوْلُ اِنَّهٗ يَاْتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ بِهٖ

اللہ فرماتا ہے کہ اس نبی کے پاس علم غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخل نہیں کرتے اور تمہیں اس کی خبر دیتے ہیں۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر بغوی میں ہے۔

يَقُوْلُ اِنَّهٗ يَاْتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ بِهٖ

اللہ فرماتا ہے کہ اس نبی کے پاس علم غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخل نہیں کرتے بلکہ تمہیں سکھاتے اور خبر دیتے ہیں۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت مخالفین کے سردار جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

''یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء وصفات سے یہ احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت ودوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا نہ اجرت مانگتا ہے پھر کاہن کا لقب اس پر کیسے چسپاں ہوسکتا ہے۔(ص ۷۶۴)

اس آیہ کریمہ اور ان تفاسیر سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علم غیب جانتے ہیں اور اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے بلکہ اپنے غلاموں کو بھی سکھاتے اور بتاتے ہیں

(۷) وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:۸۹)

اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

(۸) مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (انعام:۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کوئی شے اٹھا نہ رکھی۔

(۹) مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ

یہ قرآن کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شے کی

كُلِّ شَیۡءٍ (یوسف:۱۱۱) تفصیل ہے۔

ان تین آیتوں سے ثابت ہوا کہ قرآن میں ہر شے کا روشن بیان ہے اور وہ بھی تفصیلی اسی لیے حضرت مجاہد اور ابن سراقہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْعَالَمِ اِلَّا ھُوَفِیْ کِتَابِ اللّٰہِ (الاتقان،ج۲،ص۱۲۶) کہ تمام عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کا بیان قرآن میں نہ ہو۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن میں ہر شے کا روشن اور تفصیلی بیان ہے تو مذہب اہل سنت وجماعت میں شے ہر موجود کو کہتے ہیں اور موجودات میں مکتوبات قلم ومکنونات لوح محفوظ بھی داخل ہیں تو قرآن عظیم کا تبیان علوم لوح وقلم کو بھی شامل ہوا، اب یہ بھی قرآن ہی سے پوچھیے کہ لوح محفوظ میں کیا ہے قرآن فرماتا ہے۔

(۱۰) كُلُّ صَغِیۡرٍ وَّ كَبِیۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ (القمر:۵۳) ہر چھوٹی اور بڑی چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

(۱۱) لَا حَبَّةٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾ (الانعام:۵۹) کوئی دانہ ایسا نہیں جو زمین کی اندھیریوں میں ہو اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ لوح محفوظ میں ہے

(۱۲) وَ لَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶۱﴾ (یونس:۶۱) اور ذرہ سے چھوٹی اور بڑی کوئی ایسی چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔

(۱۳) وَ كُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ (یٰس ۱۲) اور ہم نے ہر شے کو لوح محفوظ میں محفوظ کر رکھا ہے۔

ان چار آیتوں سے ثابت ہوا کہ روز اول سے روز آخر تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا، تمام لوح محفوظ میں لکھا ہے اس کا روشن اور تفصیلی بیان قرآن پاک میں ہے اور جو کچھ قرآن پاک میں ہے اس کا کامل علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تو بلا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماکان ومایکون کے عالم ہوئے۔

بعض کم فہم لوگ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ میں کلام کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کرتے ہیں، کہ کُلِّ شَیۡءٍ سے مراد بعض چیزیں ہیں اور دلیل میں ہدہد کا قول وَ اُوۡتِیَتۡ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ بلقیس کو ہر چیز کہاں دی گئی تھی۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا اس وقت وجود بھی نہیں تھا بعد میں ایجاد ہوئیں لٰہذا ثابت ہوا کہ کُلِّ شَیۡءٍ سے بھی بعض مراد ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی بعض مراد ہے۔

ایسے لوگوں پر سخت افسوس ہے جو تدبر سے کام نہیں لیتے اور آیات الٰہی کا مفہوم غلط سمجھ کر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

ان کو اس میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدہد کا یہ قول نقل فرمایا ہے؟ خود اس نے یہ خبر نہیں دی ہے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ہدہد نے آ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی۔

اِنِّیۡ وَجَدۡتُّ امۡرَاَۃً تَمۡلِکُہُمۡ وَ اُوۡتِیَتۡ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ لَہَا عَرۡشٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۳﴾ (النمل: ۲۳)

میں نے ایک عورت کو پایا جو لوگوں پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر چیز میں سے ملا ہے اور اس کا عرش (تخت) عظیم ہے۔

کسی ایک پرندہ کا اپنی سمجھ واستعداد کے مطابق کل شی ء کہنا اور کجا اللہ تعالیٰ کا کل شی ء فرمانا کیا ایک برابر ہے ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

ملکہ بلقیس کا مال ومتاع ملک وسلطنت کی تمام چیزیں ہدہد کی کل شی ء ہے، اللہ تعالیٰ کا کل شی ء نہیں، اس میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ہدہد کے عرش عظیم اور اللہ تعالیٰ کے عرش عظیم میں ہے۔ ملکہ بلقیس کا اسی گز یا ستر گز لمبا اور چالیس گز چوڑا تخت ہدہد کے نزدیک عرش عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرش عظیم وہ ہے جس کی عظمت ووسعت کا اندازہ اس عبارت سے کیجئے۔

عرش کا عظیم ہونا اس سے ظاہر ہے کہ آفتاب زمین سے ڈیڑھ سو حصہ سے بھی بڑا ہے اور آسمان میں کتنی ذرا سی جگہ میں موجود ہے۔ پس آسمان کتنا بڑا ہوا پھر دوسرا

اس سے بڑا اور تیسرا اس سے وعلیٰ ہذا القیاس ساتواں کس قدر بڑا ہوگا، اور سب آسمان کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے بڑی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں پھر کرسی عرش کے سامنے ایسی ہی چھوٹی ہے۔ اس سے عرش کا اندازہ کرلیا جائے اہل رصد جس کو فلک الافلاک کہتے ہیں، مرکز عالم سے اس کے مقعر تک حسب نقل روح المعانی تین کروڑ پینتیس لاکھ چوبیس ہزار چھ سونو فرسنگ کا فاصلہ ہے اور فرسنگ تین کوس کا ہوتا ہے، تو فاصلہ مذکور دس کروڑ پانچ لاکھ تہتر ہزار آٹھ سو ستائیس کوس کا ہوا۔ یہ اس دائرہ سطح مقعر کا نصف قطر ہوا۔ اس سے سطح مقعر کی عظمت کا اندازہ کرنا چاہیے اور محدب تک کا فاصلہ اہل رصد کو معلوم نہیں ہوا حالانکہ اہل ہیئت یہ ثابت نہیں کر سکے کہ فلک الافلاک سے اوپر کچھ نہیں اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ عرش سے اوپر کوئی جسم نہیں پس اگر فلک الافلاک عرش کے علاوہ کوئی چیز ہے تو عرش اس سے بھی اوپر ہوگا۔ تو اس کی عظمت کا کیا حساب ہوسکتا ہے''۔

(بیان القرآن، زیر آیت، لقد جاء کم رسول من انفسکم)

ثابت ہوا کہ جس طرح ہدہد کے عرش عظیم اور اللہ تعالیٰ کے عرش عظیم میں بے انتہا فرق ہے اسی طرح ہدہد کے كُلِّ شَیْءٍ اور اللہ تعالیٰ کے كُلِّ شَیْءٍ میں فرق ہے۔ حسب ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ کے كُلِّ شَیْءٍ کا جلوہ دیکھے۔ فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٢٠﴾ (البقرہ)	(۱) بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿٥٤﴾ (فصلت)	(۲) خبردار بلاشبہ وہ ہر شے کو محیط ہے۔
وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿٣﴾ (الحدید)	(۳) اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔
وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ (الانعام: ۱۶۴)	(۴) وہ ہر شے کا رب ہے۔
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (الزمر: ۶۲)	(۵) اللہ ہر شے کا خالق ہے۔
وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ (الطلاق)	(۶) اور بے شک اللہ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ (یٰس: ۸۳) (۷) پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہر شے کا قبضہ ہے۔ تِلْكَ سَبْعَةٌ كَامِلَةٌ

اب اللہ تعالیٰ کے ’’كُلِّ شَیْءٍ‘‘ میں غور فرمایئے اور بعض کا مفہوم لیتے ہوئے بتایئے کہ وہ کون سی شے ہے جس کا وہ خالق، جس کو وہ محیط، جس کا اس کو علم، جس پر اس کو قدرت، اور جس کا وہ رب نہیں؟ ۱؎

جب ان آیات میں كُلِّ شَیْءٍ سے مراد کل شی ء ہی ہے۔ بعض نہیں۔ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ سے مراد بھی کل شی ہی ہے بعض نہیں۔ جب قرآن میں کل شی کا روشن بیان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے اکمل عالم تو بلاشبہ کل شی ء کے عالم ہوئے۔

رہا بعض مفسرین کا بعض علم غیب فرمانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا بعض ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا بعض علم غیب عطا فرمایا۔ منکرین ومخالفین والا بعض نہیں، ان کا تو بعض نہیں بلکہ بغض ہے جس کا بیان ابھی چند سطور کے بعد آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا بعض کل شی ء اور تمام مخلوقات کے علم سے بھی بہت بڑا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت خضر و موسیٰ علیہما السلام کے سامنے ایک چڑیا نے دریا میں سے اپنی چونچ بھری تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا، تمہارا اور تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اتنا ہی ہے جتنا کہ دریا کے پانی کے سامنے اس چڑیا کی چونچ میں پانی ہے۔

اسی لیے علمائے عظام نے کل شی ء کو بھی لامتناہی قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم تو غیر متناہی بے حد و بے حساب ہے۔

۱؎۔ ابا جان قبلہ علیہ الرحمۃ نے سات آیات کے حوالے پیش کیے یہ فقیر تین آیات مزید پیش کر رہا ہے تا کہ قرآنی الفاظ تلك عشرۃ كاملة کا ظہور ہو جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۷﴾ (الحج) وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۲﴾ (ہود) وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۲۱﴾ (سبا) اور وہ کون سی شے ہے جس کا وہ گواہ وکیل اور حفیظ نہیں؟ (کوکب غفرلہ)

اب ذرا لگے ہاتھ مخالفین ومنکرین کا بھی بعض علم غیب ملاحظہ فرمالیجئے۔ چنانچہ ایک شخص جناب اشرف علی تھانوی سے پوچھتا ہے کہ ''زید کہتا ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں، بالذات اس معنی کہ عالم الغیب خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا اور بواسطہ اس معنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم الغیب تھے، زید کا یہ عقیدہ کیسا ہے؟'' بلفظہ

اس کے جواب میں تھانوی صاحب اپنے رسالہ حفظ الایمان کے صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب ہے، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے''۔ بلفظہ

اگرچہ اس ناپاک عبارت کا مفہوم بالکل واضح ہے لیکن پھر بھی مختصر سی تشریح کردی جاتی ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ خط کشیدہ الفاظ تھانوی صاحب کے ہیں۔

فرماتے ہیں:

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟

اس میں تھانوی صاحب نے علم غیب کی دو قسمیں کی ہیں کل علم غیب اور بعض علم غیب پہلی قسم کل علم غیب کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت ہونا عقلاً ونقلاً باطل ٹھہرایا، چنانچہ آگے چل کر فرماتے ہیں اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کی فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے، اب رہ گئی دوسری قسم یعنی قسم یعنی بعض علم غیب تو اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے۔ اس کو انہوں نے تسلیم تو کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ ایسا علم غیب جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے ایسا تو زید وعمرو یعنی عام آدمیوں کو

بلکہ ہر صبی و مجنون یعنی تمام نابالغ بچوں اور تمام پاگلوں کو بلکہ جمیع حیوانات و بہائم یعنی تمام حیوانوں اور تمام چارپاؤں کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔ یعنی چونکہ ہر شخص کو کسی پوشیدہ چیز کا علم ہوتا ہے لہٰذا اس کا علم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا ہو گیا، تو جس طرح زید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ سب کے متعلق یہی عقیدہ رکھے اور سب کو عالم الغیب کہے ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسی عبارت پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفر کا فتویٰ دیا اور عرب و عجم کے علمائے اہلسنت نے اس فتوے کی تصدیق کی[1]۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ان کو اور ان کے معتقدین کو ہر ممکن نقصان پہنچانے اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اے کاش یہ لوگ حضور سید الانبیاء والمرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، حبیب کبریا باعث ارض وسما، عالم ما کان وما یکون حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت کو سامنے رکھ کر تھانوی صاحب کے ان الفاظ میں غور کرتے۔ ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے''۔

بلاشبہ اس ناپاک عبارت میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح توہین ہے اور آپ کی توہین صریح کفر ہے۔

جناب تھانوی صاحب کے معتقدین کہتے ہیں کہ یہ ''عبارت بالکل بے غبار ہے اس میں صریح توہین تو کیا توہین کا شائبہ تک نہیں ہے، تم سمجھتے نہیں ہو۔ وہ تو حکیم الامت تھے ان کی بات سمجھنا کوئی معمولی بات ہے وغیرہ وغیرہ''۔ یعنی یہ جواب ہو گیا۔

ان لوگوں کی خدمت میں نہایت ادب سے التماس ہے کہ اگر واقعی تمہارے نزدیک یہ عبارت بالکل بے غبار ہے اور اس میں توہین کا شائبہ تک نہیں ہے تو از راہ کرم عبارات ذیل

[1]۔ دیکھئے کتاب حسام الحرمین الشریفین والصوارم الہندیہ

پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے''۔

پھر یہ کہ کسی بہت بڑے دیوبندی عالم کی ذات پر علم کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس علم سے مراد بعض علم ہے یا کل علم، اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں اس دیوبندی عالم کی ہی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو ہر گدھے ہر کتے ہر سؤر اور ہر الو کو بھی حاصل ہے کیونکہ ہر ایک کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ کسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ذات پر حکومت کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس حکومت سے مراد بعض حصص زمین پر حکومت ہے یا کل زمین پر۔ اگر بعض پر حکومت مراد ہے تو اس میں مجسٹریٹ صاحب ہی کیا تخصیص ہے ایسی حکومت تو ہر چوہے کو اپنے سوراخ پر، ہر لومڑی کو اپنے بھٹ پر ہی حاصل ہے کیونکہ ہر ایک کو کسی نہ کسی پر حکومت حاصل ہوتی ہے۔

تھانوی صاحب کے معتقدین بتائیں کہ ان عبارات میں اس بہت بڑے عالم اور مجسٹریٹ صاحب کی توہین ہے یا نہیں، اگر ہے اور واقعی ہے تو تھانوی صاحب کی اسی قسم کی عبارات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہے یا نہیں، اور آپ کی توہین کرنے والا کافر ہے یا نہیں؟

اگر توہین نہیں ہے تو ازراہ کرم ان عبارات پر پانچ مستند غیر جانبدار منصف مزاج علماء کرام اور پانچ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحبان کے دستخط کروا دیں اور وہ لکھ دیں کہ ان عبارات

میں بہت بڑے عالم صاحب اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کی کوئی توہین نہیں ہے۔ حقیقت واضح ہوجائے گی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ

قارئین حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے التماس ہے کہ ہمیں جناب تھانوی صاحب سے کوئی ذاتی عداوت وعناد نہیں ہے چونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وعظمت کا مسئلہ تھا لہٰذا یہ چند سطور لکھ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر ہم پر واجب ہے اور ہمارے نام اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ (التوبہ:۲۳)

اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو بھی دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں اور تم میں سے جو ان سے دوستی کریں گے وہ ظالم ہوں گے۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۲۲ (المجادلہ)

تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت کے دن پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنہوں نے اللہ ورسول کی مخالفت کی چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ ان

میں اللہ ان سے راضی اوروہ اللہ سے
راضی یہی لوگ اللہ والے ہیں سن لو بلاشبہ
یہی لوگ فلاں پانے والے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے صراحۃً ثابت ہوا کہ مومن ان لوگوں سے کبھی دوستی نہ کرے گا جو ایمان پر کفر پسند کریں اور اللہ ورسول کی جناب میں گستاخیاں کریں یا ان کی مخالفت کریں۔ خواہ وہ کتنے ہی قریبی یا عزیز یا محبوب کیوں نہ ہوں اور پھر اگر ان کی گستاخی ان کے کفر پر مطلع ہوکر بھی ان سے محبت یا دل میں ان کی عظمت رکھے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ ظالم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ اور ہم نے اس (خضر) کو اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (الکھف:٦٥)

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا۔

كَانَ رَجُلًا يَّعْلَمُ الْغَيْبَ کہ وہ مرد (خضر علیہ السلام) غیب جانتے تھے۔

اس آیہ کریمہ کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے۔

وَهُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ (وہ علم لدنی جو اللہ نے ان کو سکھایا) وہ علم غیب ہے۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے۔

هُوَ عِلْمُ الْغُيُوْبِ وہ علم لدنی غیبوں کا علم ہے۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر خازن میں ہے۔

اَیْ عِلْمُ الْبَاطِنِ اِلْهَامًا یعنی وہ علم باطن ہے جو الہام کیا گیا۔

اسی آیہ کریمہ کے تحت تفسیر مدارک علی الخازن میں ہے۔

يَعْنِىْ الْاَخْبَارَ بِالْغُيُوْبِ — یعنی ان کوغیب کی خبریں عطا فرمائی گئی ہیں

اس آیہ کریمہ اوران تفاسیر سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کوبھی علم غیب عطا فرمایا تھا۔ ان آیات اور تفاسیر سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار علوم غیبیہ عطا فرمائے۔ آپ کا سینہ اقدس علوم غیبیہ کا خزینہ تھا۔

رہیں وہ آیات مبارکہ جن سے علم غیب کی نفی ہوتی ہے مثلاً

لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ..... وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ (النمل، ٦٥، انعام:٥٩)

کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ان سے بالذات علم غیب یعنی ذاتی طور پر بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے جاننا مراد ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی غیب نہیں جان سکتا۔ جو شخص کسی غیر خدا کے لیے بالذات علم غیب مانے وہ کافر ہے۔

اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو چند خرابیاں لازم آتی ہیں مثلاً بعض آیات سے علم غیب کا اثبات اور بعض سے نفی ثابت ہوتی ہے اگر آیات نفی پر ایمان لا کر آیات اثبات کا انکار کیا جائے تو یہ کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ (البقرہ:٨٥)

تو کیا تم کتاب الٰہی کے بعض حصے پر ایمان لاتے اور بعض سے کفر کرتے ہو تو جو تم میں سے ایسا کرے اس کی کیا سزا ہے سوا اس کے کہ دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف

لوٹائے جائیں گے۔

اور اگر آیات نفی و اثبات پر ایمان لا کر ذاتی علم اور عطائی علم کی تفریق نہ کی جائے بلکہ ایک ہی قسم کا علم غیب مانا جائے تو قرآن میں تناقض ماننا پڑتا ہے اور قرآن میں نقطہ محال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ (النساء:۸۲)	اگر یہ کتاب غیر خدا کی ہوتی تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔

حق یہی ہے کہ آیات نفی و اثبات دونوں پر ایمان لایا جائے اور تطبیق یوں دی جائے کہ نفی بھی حق اور اثبات بھی حق۔ نفی ہے علم غیب ذاتی کی یعنی بغیر عطائے الٰہی کوئی نہیں جانتا اور اثبات ہے علم غیب عطائی کا کہ اللہ کی عطا سے اس کے حبیب لبیب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علم غیب جانتے تھے۔ لہٰذا جو علم غیب عطائی کا منکر ہو وہ بوجہ انکار آیات قطعاً کافر ہے کیونکہ مومن کسی آیہ کریمہ کا انکار نہیں کرتا بلکہ سارے قرآن پر ایمان رکھتا ہے۔

احادیث مبارکہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

(۱) رَاَیۡتُ رَبِّیۡ عَزَّوَجَلَّ فِیۡ اَحۡسَنِ صُوۡرَةٍ قَالَ فِیۡمَ یَخۡتَصِمُ الۡمَلَاُ الۡاَعۡلٰی؟ قُلۡتُ اَنۡتَ اَعۡلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَیۡنَ كَتِفَیَّ فَوَجَدۡتُ بَرۡدَهَا بَیۡنَ ثَدۡیَیَّ فَعَلِمۡتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَ تَلَا وَ كَذٰلِكَ نُرِیۡ اِبۡرٰهِیۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَلِیَكُوۡنَ مِّنَ الۡمُوۡقِنِیۡنَ (مشکوٰۃ:۷۲۵)

میں نے اپنے رب عزوجل کو احسن صورت میں دیکھا۔ رب نے فرمایا (اے محمد) ملائکہ مقربین کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی مولا! تو ہی خوب جانتا ہے حضور نے فرمایا، پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ میں نے اس کے وصول فیض کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی پس مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہوگیا جو کہ آسمان اور زمینوں میں تھیں اور حضور نے اس کے حال کے مناسب یہ آیت تلاوت فرمائی۔ و کذلك نری ابراهیم ملکوت السموت والارض الخ یعنی ایسے ہی دکھاتے ہیں ہم حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ملک آسمانوں اور زمینوں کے تاکہ وہ ہو جائے یقین کرنے والوں میں سے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

قَالَ ابۡنُ حَجَرٍ اَیۡ جَمِیۡعَ الۡكَآئِنَاتِ الَّتِیۡ فِی السَّمٰوٰتِ بَلۡ وَمَا فَوۡقَهَا كَمَا یُسۡتَفَادُ

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ مافی السموات سے آسمانوں بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام

مِنْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالْاَرْضِ هِیَ بِمَعْنَی الْجِنْسِ اَیْ وَ جَمِیْعُ مَا فِی الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ بَلْ وَمَا تَحْتَهَا كَمَا اَفَادَهٗ اِخْبَارُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الثَّوْرِ وَالْحُوْتِ الَّذَیْنِ عَلَیْهِمَا الْاَرْضُوْنَ كُلُّهَا یَعْنِیْ اِنَّ اللّٰهَ اَرٰی اِبْرٰهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَلَكُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ كُشِفَتْ لَهٗ ذَالِكَ وَفُتِحَ عَلَیَّ اَبْوَابُ الْغُیُوْبِ
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

کائنات کا علم مراد ہے جیسا کہ قصہ معراج سے مستفاد ہے اور ارض بمعنی جنس ہے یعنی وہ تمام چیزیں جو ساتوں زمینوں میں بلکہ ان سے بھی نیچے ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو گئیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثور و حوت کی خبر دینا جن پر سب زمینیں ہیں اس کو مفید ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کے ملک دکھائے اور ان کو ان کے لیے کشف فرما دیا اور فرمایا حضور علیہ السلام نے مجھ پر اللہ نے غیبوں کے دروازے کھول دیئے۔

(۱) شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی واحاطہ آں
(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، ج۱، ص ۳۳۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس جانا میں نے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے یہ عبارت ہے تمام علوم جزوی و کلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کی۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَ اَهْلُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم میں قیام فرما کر سب مخلوقات کی ابتداء سے لے کر جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے

النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَّسِيَهٗ (بخاری شریف: ۳۱۹۲، مشکوٰۃ شریف: ۵۶۹۹)

دوزخ میں داخل ہونے کی تمام خبریں دیں۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔

(۳) حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَ بِمَا هُوَ كَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا (مسلم شریف: ۷۲۶۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ہر اس چیز کی خبر دے دی جو ہو چکی اور جو (قیامت تک) ہونے والی تھی ہم میں زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔

(۴) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَّا تَرَكَ شَيْئًا يَّكُوْنُ فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَ نَسِيَهٗ مَنْ نَّسِيَهٗ (مسلم شریف: ۷۲۶۳)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم میں قیام فرما کر کسی چیز کو نہ چھوڑا (بلکہ) قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ سب بیان کر دیا۔ جسے یاد رہا یاد رہا جو بھول گیا بھول گیا۔

(۵) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُحَرِّكُ طَآئِرٌ جَنَاحَيْهِ اِلَّا ذَكَرَلَنَا مِنْهُ عِلْمًا (مسند احمد: ۲۱۳۶۱، طبرانی: ۱۶۴۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے اس حال میں مفارقت فرمائی کہ کوئی پرندا ایسا نہیں جو اپنے بازو کو ہلائے مگر آپ نے ہم سے اس کا بھی ذکر فرما دیا۔

(۶) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ اِلٰٓى اَنْ تَنْقَضِيَ

کہ نہیں چھوڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی فتنہ چلانے والے کو دنیا کے ختم ہونے تک کہ

الدُّنۡیَا یَبۡلُغُ مَنۡ مَّعَہٗ ثَلٰثَ مِائَۃٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدۡ سَمَّاہُ لَنَا بِاِسۡمِہٖ وَاسۡمِ اَبِیۡہِ وَاسۡمِ قَبِیۡلَتِہٖ (مشکوٰۃ:۵۳۹۳)

جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہمیں اس کا نام اور اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام بھی بتادیا۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بھیڑیا ایک بکریاں چرانے والے کی طرف آیا اور اس نے بکریوں میں سے ایک بکری لے لی۔ چرواہے نے اسے تلاش کیا یہاں تک کہ اس سے وہ بکری چھین لی۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ وہ بھیڑیا اپنے مخصوص انداز میں ٹیلہ پر جا بیٹھا اور اس نے اپنی دم اپنے دونوں پاؤں کے درمیان رکھ لی اور کہنے لگا کہ (اے چرواہے) تو نے مجھ سے ایسے رزق کے چھین لینے کا قصد کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تھا۔

فَقَالَ الرَّجُلُ تَا اللّٰہِ اِنۡ رَاَیۡتُ کَالۡیَوۡمِ ذِئۡبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ الذِّئۡبُ اَعۡجَبُ مِنۡ ھٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخۡلَاتِ بَیۡنَ الۡحَرَّتَیۡنِ یُخۡبِرُکُمۡ بِمَا مَضٰی وَمَا ھُوَ کَائِنٌ بَعۡدَکُمۡ قَالَ فَکَانَ الرَّجُلُ یَھُوۡدِیًّا فَجَآءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَاَخۡبَرَہٗ وَاَسۡلَمَ فَصَدَّقَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ (مشکوٰۃ:۵۹۲۷)

چرواہا بولا خدا کی قسم آج کی طرح عجیب حال میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا کلام کرتا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا اس سے زیادہ عجیب حال اس مقدس انسان کا ہے جو کھجوروں کے علاقے میں دو پہاڑوں کے درمیان یعنی مدینہ منورہ میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دیتا ہے جو ہو چکیں اور جو آئندہ ہونے والی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی یہودی تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں اس نے یہ واقعہ پیش کیا اور مسلمان ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس خبر کی تصدیق فرمائی۔

سبحان اللہ! یہودی لوگ تو بھیڑیوں کی زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب ما کان وما یکون کا بیان سن کر ایمان لے آئیں اور اس زمانہ کے مسلمان کہلانے والے قرآن وحدیث کے دلائل سن کر بھی علم غیب کو نہ مانیں تو کس قدر افسوس ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰى اَىْ سَبَقَ مِنْ خَبَرِ الْاَوَّلِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ اَىْ مِنْ نَبَاِ الْاٰخِرِيْنَ فِى الدُّنْيَا وَمِنْ اَحْوَالِ الْاَجْمَعِيْنَ فِى الْعُقْبٰى

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں اگلوں کی گزری ہوئی خبریں اور تمہارے بعد دنیا وآخرت میں ہونے والی سب کی سب خبریں دیتے ہیں۔ (مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ)

(۸) علامہ خازن تفسیر پارہ ۴ زیر آیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ فرماتے ہیں کہ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَىَّ اُمَّتِىْ فِىْ صُوَرِهَا فِى الطِّيْنِ كَمَا عُرِضَتْ عَلٰى اٰدَمَ اُعْلِمْتُ مَنْ يُّؤْمِنُ بِىْ وَ مَنْ يَّكْفُرُ بِىْ فَبَلَغَ ذَالِكَ الْمُنَافِقِيْنَ قَالُوا اسْتِهْزَآءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّهٗ يَعْلَمُ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرُ مِمَّنْ لَّمْ يُخْلَقْ بَعْدُ وَ نَحْنُ مَعَهٗ وَمَا يَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ طَعَنُوْا فِىْ عِلْمِىْ لَا تَسْئَلُوْنِىْ عَنْ شَىْءٍ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ السَّاعَةِ اِلَّا نَبَّاْتُكُمْ بِهٖ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری تمام امت اپنی اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ یہ خبر منافقین کو پہنچی تو انہوں نے استہزاء کیا اور کہنے لگے محمد کا یہ گمان ہے کہ وہ ان لوگوں کے کفر وایمان کی بھی خبر رکھتا ہے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے اور ہم تو اس کے ساتھ رہتے ہیں اور وہ ہمیں پہچانتا بھی نہیں ہے یہ بات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضور منبر اطہر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ

(تفسیر خازن، ج۱، ص۳۰۵)

کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا کہ ان قوموں کا کیا حال ہے جو میرے علم میں طعنہ کرتی ہیں، اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کسی چیز کے متعلق جو بھی تم مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔

(۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

فَوَ اللهِ لَا تَسْأَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّآ اَخْبَرْتُکُمْ بِهٖ مَا دُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا (بخاری: ۷۲۹۴، مسلم: ۶۱۲۱)

خدا کی قسم تم ہم سے کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھو گے مگر ہم یہاں کھڑے ہی اس کی خبر دیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار فرمایا۔ پوچھو پوچھو! بعض نے چند سوالات کیے، حضور نے جواب دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت جوش میں تھے چنانچہ سب لوگ رونے لگ گئے۔ حضرت عمر فاروق گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور کہا۔ رَضِیْنَا بِاللهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نَبِیًّا و رَسُوْلًا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔

ان احادیث کے الفاظ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ سے ثابت ہوا کہ کوئی شے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے خارج نہیں کیونکہ شے نکرہ ہے اور نکرہ حیز نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ کتب اصول میں مبرہن ہے۔

ان صحیح احادیث سے صراحۃً ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوق کی ابتداء سے لے کر دخول جنت و نار تک کا سارا تفصیلی علم حاصل تھا۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس کا پورا علم نہیں بلکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے ایک تھوڑا سا حصہ ہے۔ امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدۂ بردہ شریف میں فرماتے ہیں

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ

یا رسول اللہ بے شک دنیا و آخرت آپ کی بخشش سے ہیں اور لوح محفوظ اور قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ایک علم ہے۔ (قصیدہ بردہ شریف)

اسی شعر کے تحت امام ملا علی قاری شرح قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

وَ عِلْمُهَا يَكُوْنُ نَهَرًا مِّنْ بُحُوْرِ عِلْمِهٖ وَ حَرْفًا مِّنْ سُطُوْرِ عِلْمِهٖ

اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے دریاؤں میں سے ایک نہر اور آپ کے علم کی سطروں میں سے ایک حرف ہے۔

علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

وَسِعَ عِلْمُهٗ عُلُوْمَ الْعٰلَمِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَطْلَعَهٗ عَلَى الْعَالَمِ كُلِّهٖ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تمام جہانوں جن و انس اور ملائکہ کے علوم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالم پر مطلع فرمایا اور اگلوں پچھلوں کا علم اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب سکھا دیا۔

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَآءِ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ طَلَبُوْا وَاَخَذُوا الْعِلْمَ مِنْ عِلْمِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الَّذِىْ كَالْبَحْرِ فِى السَّعَةِ وَالْكَرَمِ الَّذِىْ هُوَ كَالدِّيْمِ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُفِيْضٌ وَّهُمْ مُسْتَفَاضُوْنَ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى خَلَقَ ابْتِدَاءً رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَوَضَعَ عُلُوْمَ الْاَنْبِيَآءِ وَ عِلْمَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ثُمَّ

بلاشبہ تمام انبیائے کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کرم میں سے جو تیز بارش کی طرح ہے مانگا اور لیا کیونکہ آپ فیض دینے والے اور تمام انبیائے کرام فیض لینے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کی روح کو پیدا فرمایا اور اس میں تمام انبیاء اور ما کان وما یکون کے علوم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا تو انہوں

خَلَقَهُمْ فَاَخَذُوْا عُلُوْمَهُمْ مِّنْهُ — نے اپنے علوم آپ سے لیے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قَدِ اشْتَهَرَ وَانْتَشَرَ اَمْرُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ بِالْاِطِّلَاعِ عَلَى الْغُيُوْبِ (زرقانی علی المواہب، ج ۷، ص ۲۵۵)

بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں یہ مشہور و معروف تھا کہ آپ کو غیبوں پر اطلاع ہے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيْهَا عَلٰى اِطِّلَاعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْغَيْبِ (زرقانی علی المواہب، ج ۷، ص ۱۹۸)

اور بلاشبہ متواتر احادیث اور ان کے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب پر اطلاع ہے۔

علامہ احمد بن محمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِیْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ الْمُغَيَّبَاتِ الَّتِیْ تُحَصَّلُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ يَعْلَمُهَا كَمَا هِیَ عَيْنُ يَقِيْنٍ (ج ۲، ص ۱۰۴)

جن پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو جمیع غیوب جو دنیا و آخرت میں ثابت ہونے والے تھے سکھا دیئے آپ ان کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ ہیں بہ عین یقین۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر علم غیب کہ مخصوص باوست سبحانہ خاص رسل را اطلاع می بخشد (مکتوبات شریف، ج ۱، ص ۳۱۰)

جو علم غیب اللہ سبحانہ کے ساتھ خاص ہے اس پر اللہ اپنے خاص رسولوں کو مطلع فرما دیتا ہے۔

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وو ے صلی اللہ علیہ وسلم دانا ست بہ ہمہ چیز — حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام چیزوں کے جاننے

از شیونات و احکام الٰہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ علیہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اتمہا و اکملہا

(مدارج النبوۃ، ص ۳)

والے ہیں آپ نے اللہ کی شانوں اور اس کے احکام اور اس کی صفات اور اس کے اسماء و افعال و آثار اور جمیع علوم اول و آخر ظاہر و باطن کا احاطہ فرما لیا ہے اور وفوق کل ذی علم علیم کے مصداق ہوئے۔ آپ پر افضل صلوات اور اکمل واتم تحیات ہوں۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اطَّلَعَہٗ عَلَی الْعَالَمِ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَمَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ (شرح ام القریٰ خالص الاعتقاد، ص ۳)

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تمام عالم پر مطلع فرمایا تو آپ نے اولین و آخرین کا علم اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا تھا سب جان لیا۔

علامہ شنوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قَدْ وَرَدَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یُخْرِجِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اطَّلَعَہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ (جمع النہایہ خالص الاعتقاد، ص ۵۰)

بلاشبہ وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ آپ کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرما دیا۔

علوم خمسہ: قیامت کب آئے گی، مینہ کب، کہاں اور کتنا برسے گا۔ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے۔ کل کیا ہوگا اور فلاں کہاں مرے گا۔ ان پانچوں علوم کے متعلق علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلْحَقُّ اَنَّہٗ لَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اطَّلَعَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْخَمْسِ وَلٰکِنَّہٗ اُمِرَ بِکَتْمِھَا

(تفسیر صاوی، ج ۳، ص ۲۴۴)

حق یہ ہے کہ بے شک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان پانچوں علوم پر بھی آپ کو مطلع کیا گیا لیکن ان کے چھپانے کا حکم ہوا۔

علامہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَلَكَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ هٰذِهِ الْخَمْسَةِ وَاِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَلٰكِنْ يَّجُوْزُ اَنْ يُّعَلِّمَهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ مُّحِبِّيْهِ وَ اَوْلِيَآئِهٖ بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ عَلٰى اَنْ يَّكُوْنَ الْخَبِيْرُ بِمَعْنَى الْمُخْبِرِ (تفسیرات احمدیہ، ص ۳۹۷)

اور تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ان پانچوں علوم کا اگر چہ اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں لیکن یہ جائز ہے کہ اللہ اپنے محبوں اور ولیوں میں سے جس کو چاہے سکھا دے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا اور خبر دینے والا ہے اور خبیر بمعنی مخبر ہے۔

سیدی امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَ اُوْتِيَ عِلْمَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الرُّوْحِ وَ الْخَمْسِ الَّتِيْ فِيْ اٰيَةِ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (کشف الغمہ، ج ۲، ص ۵۸)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کل شیء کا علم دیا گیا ہے حتی کہ روح اور ان پانچ غیبوں کا بھی جنکا بیان آیہ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ میں ہے۔

حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزمان سید شریف عبدالعزیز حسنی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں۔

هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاٰيَةِ الشَّرِيْفَةِ وَ كَيْفَ يَخْفٰى عَلَيْهِ ذٰلِكَ وَالْاَقْطَابُ السَّبْعَةُ الشَّرِيْفَةُ يَعْلَمُوْنَهَا وَهُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ بِالْغَوْثِ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ الَّذِيْ هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ مِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ

یہ پانچوں غیب جو آیہ شریفہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مخفی نہیں اور یہ کیونکر مخفی رہیں جب کہ آپ کی امت کے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں حالانکہ ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے پھر غوث کا کیا کہنا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا کہنا جو اولین و آخرین کے سردار اور ہر چیز کے سبب اور ہر شے انہیں سے ہے۔

علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَخْرُجْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَآ اِلَّا بَعْدَ اَنْ اَعْلَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٰذِهِ الْاُمُوْرِ اَيِ الْخَمْسَةِ (ص۹۱)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پانچوں غیبوں کا علم بھی دے دیا۔

حافظ الحدیث علامہ احمد سلجماسی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ غوث زماں حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

اَنَّ عُلَمَآءَ الظَّاهِرِيْنَ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَ غَيْرِهِمْ اِخْتَلَفُوْا فِى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ يَعْلَمُ الْخَمْسَ فَقَالَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ كَيْفَ يَخْفٰى اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَةِ هٰذَا الْخَمْسِ (الابریز شریف، ص ۲۸۳)

کہ علماء ظاہر محدثین وغیرہ مسئلہ علوم خمسہ میں باہم اختلاف رکھتے ہیں علماء کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا علم تھا دوسرا انکار کرتا ہے اس میں حق کیا ہے؟ فرمایا رضی اللہ عنہ نے حضور سے یہ غیب کیونکر مخفی رہ سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہل تصرف ہیں (کہ عالم میں تصرف کرتے ہیں) وہ تصرف نہیں کر سکتے جب تک ان پانچوں غیوب کو نہ جان لیں۔

حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العزیز دفتر ثلاث مثنوی شریف میں موزہ وعقاب کی حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود   دل دراں لحظہ بحق مشغول بود

اگرچہ خدا تعالیٰ نے ہمیں ہر غیب دکھا دیا مگر اس وقت میرا قلب مبارک مشاہدۂ جمال حق میں مستغرق ومشغول تھا۔

امام ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابوعبداللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

نَعْتَقِدُ اَنَّ الْعَبْدَ يَنْتَقِلُ فِى الْاَحْوَالِ

ہمارا عقیدہ ہے کہ بندہ ترقی مقامات پا کر

حَتّٰی یُصِیْرَ اِلٰی نَعْتِ الرُّوْحَانِیَّۃِ فَیَعْلَمُ الْغَیْبَ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

جب صفت روحانی تک پہنچتا ہے تو اسے علم غیب حاصل ہوجاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَاضَ عَلَیَّ مِنْ جَنَابِہٖ الْمُقَدَّسِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفِیَّۃَ تَرَقِّی الْعَبْدِ مِنْ حَیِّزِہٖ اِلٰی حَیِّزِ الْقُدُسِ فَتَتَجَلّٰی لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ کَمَآ اَخْبَرَ عَنْ ھٰذَا الْمَشْھَدِ فِیْ قِصَّۃِ الْمِعْرَاجِ الْمَنَامِیْ (فیوض الحرمین، ص۵۹)

یعنی مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے فائض ہوا کہ بندہ کیونکر اپنی جگہ سے مقام قدس تک ترقی کرتا ہے کہ ہر شے اس پر روشن ہوجاتی ہے جیسا کہ واقعہ معراج میں آپ نے اس مقام سے خبر دی۔

یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اَلْعَارِفُ یَنْجَذِبُ اِلٰی حَیِّزِ الْحَقِّ فَیَصِیْرُ عِنْدَ اللہِ فَیَتَجَلّٰی لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ (فیوض الحرمین، ص۶۱)

عارف مقام حق تک کھنچ کر بارگاہ قرب میں ہوتا ہے تو ہر چیز اس پر روشن ہوجاتی ہے۔

انہی شاہ صاحب نے ولی فرد کے خصائص میں لکھا کہ وہ تمام نشاۃ عنصری جسمانی پر مستولی ہوتا ہے پھر لکھا کہ یہ استیلا انبیاء علیہم السلام میں تو ظاہر ہے۔

وَاَمَّا فِیْ غَیْرِھِمْ فَمَنَاصِبُ وَرَاثَۃَ الْاَنْبِیَآءِ کَالْمُجَدِّدِیَّۃِ وَالْقُطْبِیَّۃِ وَظُھُوْرِ اٰثَارِھَا وَ اَحْکَامِھَا وَالْبُلُوْغِ اِلٰی حَقِیْقَۃِ کُلِّ عِلْمٍ وَّ حَالٍ (فیوض الحرمین، ص ۹۳)

رہے غیر انبیاء ان میں وراثت انبیاء کے منصب ہیں جیسے مجدد ہونا، قطب ہونا اور ہر علم وحال کی حقیقت کو پہنچ جانا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت آنکھوں کے بیان اور ایک اسی سینہ اقدس کے بیان میں گزر چکی ہے جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے متعلق لکھا اور اعتراف کیا ہے۔ یہ تیسری عبارت اولیاء کرام کی شان میں ہے فرماتے ہیں۔

اطلاع برلوح محفوظ بمطالعہ و دیدن نقوش

یعنی لوح محفوظ پر مطلع ہونا اسے دیکھنا اس

نیز از بعضے اولیاء بتواتر منقول است میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کرنا بھی
(تفسیر عزیزی سورۂ جن) بعض اولیاء سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت و ادراک غیبیات کا ان کو ہوتا ہے اصل میں یہ علم حق ہے۔

(شمائم امدادیہ، ص ۱۱۵، امداد المشتاق، ص ۷۶)

جناب محمد قاسم نانوتوی مرغومہ بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں۔

علوم اولین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجتمع ہیں۔ (تحذیر الناس، ص ۴)

یہی نانوتوی صاحب دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

جناب سرور کائنات علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات ہر چند بشر تھے مگر خیر البشر خدا کے منظور نظر تھے۔ خداوند کریم نے اپنے سب کمالوں سے حصہ کامل ان کو عنایت فرمایا تھا منجملہ کمالات علم جو اول درجے کا کمال ہے اپنے ہی علم میں سے ان کو مرحمت کیا چنانچہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی اس دعوے کے لیے دلیل کامل ہے اس صورت میں آپ کا علم وہ خدا ہی کا علم ہوا اور آپ کا کہا وہ خدا ہی کا کہا نکلا۔ (فیوض قاسمیہ، ص ۴۲)

جناب حسین احمد اجودھیا باشی جن کو مدنی بھی کہتے ہیں، فرماتے ہیں،

علم احکام و شرائع و علم ذات وصفات و افعال جناب باری عز اسمہ و اسرار حقانی کونیہ وغیرہ وغیرہ میں حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ رتبہ ہے کہ نہ کسی مخلوق کو نصیب ہوا اور نہ ہوگا اور ماسوا اس کے جتنے کمالات ہیں سب میں بعد خداوند اکرم عز اسمہ، مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے کوئی مخلوق آپ کے ہم پلہ علوم و دیگر کمالات میں نہیں۔

(الشہاب الثاقب، ص ۶۷)

مسئلہ علم غیب کے متعلق یہ مختصر سا مضمون ہدیہ ناظرین ہے، امید ہے کہ اس سے

انشاء اللہ بہت کچھ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی[1]۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابومحمد عبدالحق حقانی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس کے بیان میں فرماتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس کو ایک رفیع الشان محل سمجھنا چاہیے جس میں بارہ کمرے ہوں اور ہر کمرے میں ایک مجلس ہو اور مجلس کے حاکم اعلیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں جس کی توضیح یہ ہے۔

کمرۂ اول

اس میں ایک عظیم الشان شہنشاہ تشریف فرما ہیں کہ روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہان عرب وعجم، روم وشام، ایران و ہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ ان کے سامنے حاضر ہیں اور تدابیر مملکت قوانین جہانداری امور سلطنت وغیرہ ان سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں اس کو وہ سر آنکھوں پر رکھتے ہیں، وہ ان جملہ بادشاہوں کے بادشاہ کون ہیں۔ نبی اکرم نور مجسم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کمرۂ دوم

اس میں ایک عظیم القدر جلیل الشان حکیم تشریف فرما ہیں کہ دنیا بھر کے حکماء ان کے سامنے دست بستہ حاضر ہیں، علوم سیاست، تدبیر منزل، درستی آداب واخلاق اور دیگر علوم حکمیہ کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استاد کل، معلم علم وحکمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد فہم کے مطابق تعلیم فرما رہے ہیں۔

---

[1] مسئلہ علم غیب کے متعلق اگر تفصیلی بحث پڑھنی ہو تو درج ذیل رسالوں کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱) الدولۃ المکیۃ (۲) خالص الاعتقاد از اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۳) الکلمۃ العلیا از صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

(۴) جاء الحق حصہ اول از مفسر قرآن حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب بدایونی

(۵) انوار الغیبیہ از شیر بیشۂ اہل سنت مناظر اسلام حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کمرۂ سوم

اس میں ایک جلیل القدر عظیم الشان قاضی القضاۃ بڑی تمکنت اور وقار کے ساتھ تشریف فرما ہیں اوران کے سامنے دنیا بھر کے قاضی (جج) معاملہ فہم، موجد قوانین سیاسیہ و نوامیسیہ حاضر ہیں اورآپ کے فیصلہ جات اورارشادات کواپنا دستورالعمل بنارہے ہیں وہ قاضی القضاۃ بھی حضور ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

کمرۂ چہارم

اس میں ایک مفتی متبحر مسند افتاء پرتشریف فرما ہیں اورعلوم وفنون کے دریا جواس کے سینۂ اقدس میں موجزن ہیں رواں ہیں اور دنیا بھر کے محدثین، مفسرین، متکلمین، مقررین، مقربین اس کے سامنے حاضر ہیں اورسب کے سب اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس چشمۂ علم وحکمت سے سیراب ہورہے ہیں، وہ مفتی متبحر بھی سید الکائنات حضرت محمد مصطفیٰ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

کمرۂ پنجم

اس میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پررعب وجلال سے تشریف فرما ہیں اوراحکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کوسزائیں دلوارہے ہیں، کہیں زانی سنگسار ہورہا ہے اورکہیں چور کے ہاتھ کاٹے جارہے ہیں، مسکرات کے استعمال کرنے والوں پردرے پڑرہے ہیں اورظلم وتعدی کرنے والوں کوسزائیں ہورہی ہیں، شہوات اورفسق وفجور کے رسوم مٹائے جارہے ہیں، دغابازوں مکاروں اورفریبیوں پرسرزنش ہورہی ہے۔ راشی اورمرتشی حکام سے بازپرس ہورہی ہے۔ یہ صاحب وقار محتسب بھی جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں۔

کمرۂ ششم

اس میں ایک جلیل القدر، رفیع الصوت، خوش الحان قاری جلوہ افروز ہیں اور دنیا بھر کے قاری اس کے سامنے سرنیاز جھکائے ہوئے دست بستہ حاضر ہیں، فن تجوید، قرأت

سبعہ اور قواعد وقوانین، لب ولہجہ وغیرہ کی تعلیم ہو رہی ہے۔ یہ عظیم الشان قاری بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کمرۂ ہفتم

اس میں ایک عابد وزاہد دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر تشریف فرما ہیں۔ صبح وشام رات و دن میں ایک گھڑی تو کیا ایک سانس بھی غفلت سے نہیں گزارتے۔ ہر وقت تسبیح وتہلیل اور اوراد و وظائف، فرائض ونوافل، ادعیہ صبح وشام میں مشغول ومصروف ہیں اور دنیا بھر کے عابد وزاہد اس کے حضور حاضر ہیں۔ عبادت وریاضت اور طریقت کے اصول وطریق وغیرہ حاصل کر رہے ہیں اور وظائف صبح وشام اوراد واشغال کی تعلیم ہو رہی ہے یہ عابد وزاہد بھی حضور سرور کائنات ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کمرۂ ہشتم

اس میں ایک عارف کامل تشریف فرما ہیں کہ ذات وصفات کے اسرار اور عالم ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل پر منکشف ہیں اور تمام دنیا کے عارف اس کے حضور عجز و انکسار سے حاضر ہیں اور حقائق ومعارف اسرار ورموز کی تعلیم ہو رہی ہے۔ یہ عارف کامل بھی وہی معدن اسرار کل حضرت نبی اکرم ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کمرۂ نہم

اس میں ایک واعظ عالم وفاضل منبر اطہر پر جلوہ افروز ہے اور لوگوں کی ارواح اور قلوب کو اپنے کلام مقدس کی تاثیر وانوار سے مسرور ومنور کر رہا ہے۔ کسی کو ثواب عظیم اور اجر جزیل کی ترغیب سے راہ راست پر لا رہا ہے اور کسی کو عذاب قبر اور جہنم کے المناک حالات سنا کر توبہ کرا رہا ہے اور ہزاروں دار آخرت کے درجات اور حیات جاودانی کے برکات سن کر ایمان لا رہے ہیں اور ہزاروں بدکار عذاب قبر اور دوزخ کی سزاؤں کے حالات سن کر اپنی بدکاریوں پر نادم ہو کر توبہ کر رہے اور رو رہے ہیں، دنیا بھر کے عالم وفاضل اور واعظ اس کے حضور دست بستہ حاضر ہیں اور طریق وعظ وغیرہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ واعظ

اور عالم علم لدنی بھی حضور سید عالم ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کمرہ دہم

اس میں ایک مرشد کامل صاحب طریقت و صاحب دل تشریف فرما ہے جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے۔ ہزاروں نامراد بامراد اور ہزاروں ناشاد شاد ہو رہے ہیں کہیں چور قطب بن رہے ہیں اور کہیں قطب غوث بن رہے ہیں۔ تمام دنیا کے مرشد کامل اس کے حضور حلقہ بگوش ہیں ہر ایک کی استعداد کے مطابق اسے سیراب کیا جا رہا ہے وصول الی اللہ کے رستے حجابات دور کرنے کے طریقے، مقامات، احوال، مراتب، توجہ، تاثیر، ذوق و شوق، وجد و رقص، فنا و بقا وغیرہ کی تعلیم ہو رہی ہے۔ یہ مرشد کامل بھی حضور ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کمرۂ یازدہم

اس میں ایک اولوالعزم، رفیع الشان، خاتم نبوت، صاحب کتاب رسول مکرم تشریف فرما ہیں اور تمام رسول حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب و داؤد و سلیمان و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ان کے ارگرد تشریف رکھتے ہیں اور خاتم النبیین سے فیوض و برکات حاصل کر رہے ہیں اور وہ رسول بسر و چشم قبول کر رہے ہیں اور انہیں اپنا امام اور سردار انبیاء تسلیم کر رہے ہیں۔ وہ رسول مکرم خاتم النبیین بھی جناب محمد مصطفیٰ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کمرہ دوازدہم

اس میں ایک پیکر نور، حسن ازل، نازنین محبوب، کعبے کی مانند تشریف فرما ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کی تجلی نے اس گلبدن کے بدن اطہر کو اپنا مظہر و مسکن ٹھہرایا ہے حسن ازل کے انواروں نے اس کو روشن کر کے خدا کی شان محبوبیت اس میں جلوہ گر رکھی ہے اور وہ اپنی محبت کی کشش سے لوگوں کے دلوں کا شکار کر رہا ہے اور لاکھوں اس ازلی حسن کے عاشق بڑی دور سے بغیر امید کسی منفعت اور بدون کسی خواہش کمال کے فقط دیدار کے بھوکے دیوانوں کی طرح دوڑے چلے آتے ہیں اور اپنی اپنی پیشانیاں اس کے فیض کے آستانے پر گھستے ہیں اور اس کے جمال کی ایک جھلک کے مشتاق ہیں اور یہ مرتبہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا ہے مگر اسی

محبوب کے صدقے سے بعض کوتھوڑا حصہ اس محبوب کی محبوبیت سے حاصل ہوا ہے اور جن کو اس محبوبیت سے کچھ حصہ ملا ہے، مخلوق کا جھکاؤ ان کی طرف ہو گیا اور وہ محبوب ازلی بھی جناب سرور کائنات حبیب خالق کائنات حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہی ہیں۔

اگر کسی کو ان بارہ مجلسوں میں کسی قسم کا شک وشبہ ہو تو وہ خوب غور کرے اور سوچے کہ ان سب کاموں کی اصل کہاں سے ہے تو بے شک اس کو یقین آ جائے گا کہ یہ سب کارخانہ ایک جھلک ہے، کمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انواروں میں سے جیسے جڑ کی تازگی سے شاخ شاخ اور پتا پتا سرسبز رہتا ہے اور جیسے دریا سے نہریں نکل کر چاروں طرف جاری ہوتی ہیں اسی طرح حقیقت میں سینہ بے کینہ جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبع اور مخزن ہے۔ تمام کمالات ظاہری اور باطنی کا۔ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض فوارے کی مانند چشموں کی طرح جاری ہے اور کائنات کے ہر فرد کو سیراب کر رہا ہے۔ (تفسیر عزیزی وحقانی ملخصاً)

()تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

(شیخ سعدی)

فوائد

(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (ما کان وما یکون) جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے، کل شیء کا تفصیلی علم عطا فرمایا ہے۔

(۲) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب میں طعنہ زنی کرنا اور نہ ماننا منافقین کا کام ہے۔

(۳) یہ کہ دنیا کا کارخانہ اور تمام نظام عالم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض و برکت سے چل رہا ہے۔

(۴) یہ کہ جو کمال کسی کو ملا ہے اور ملے گا اس کے منبع اور مخزن حضور ہی ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شکم مبارک

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
جو کہ عزم شفاعت پہ کھنچ کر بندھی
اس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



ام المومنین محبوبہ سید المرسلین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی شکم سیر ہوکر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی کبھی فقر وفاقہ کا شکوہ کسی سے فرمایا۔

(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۳۱۱)

یہ اختیاری فقر وفاقہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غنا سے زیادہ پیارا تھا، ورنہ آپ کے ہاتھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔ خزائن ارض کی کنجیاں، اللہ کی تمام نعمتیں اور کائنات کی ساری برکتیں آپ کے بے مثل ہاتھوں میں تھیں جیسا کہ ہاتھوں کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے۔

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

(مدارج النبوت، ج ۱، ص ۴۵)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں مکے کی پتھریلی زمین کو تمہارے لیے سونا بنا دوں؟ میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار نہیں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ

اَشْبَعُ یَوْمًا وَّاَجُوْعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْكَ وَ ذَكَرْتُكَ فَاِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُكَ وَحَمِدْتُكَ

(ترمذی: ۲۳۴۷، زرقانی، ج ۴، ص ۳۲۲، سبل الہدیٰ، ج ۷، ص ۷۷)

ایک دن آسودہ رہوں اور ایک دن بھوکا رہوں پس جب بھوکا رہوں تو تیری طرف زاری و عاجزی کروں اور دل و جان سے تجھ کو یاد کروں اور جب آسودہ رہوں تو تیرا شکر اور تیری حمد کروں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبرئیل امین مکہ معظّمہ میں کوہ صفا پر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے جبریل قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے تجھ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ شام کو آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک مٹھی بھر آٹا اور ایک ہتھیلی بھر ستو بھی نہیں ہوتا۔ پس یہ فرما ہی رہے تھے کہ آسمان سے ایک سخت آواز آئی۔ فرمایا جبریل یہ کیا ہے؟ عرض کیا اسرافیل کو آپ کے پاس حاضر ہونے کا حکم ہوا ہے، چنانچہ

وہ حاضر ہو گئے اور کہا کہ آپ نے ابھی جو کلام فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سنا۔

فَبَعَثَنِیْ اِلَیْكَ بِمَفَاتِیْحِ خَزَآئِنِ الْاَرْضِ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَعْرَضَ عَلَیْكَ اُسَیِّرُ مَعَكَ جِبَالَ تِهَامَةَ زُمُرَّدًا وَّ یَاقُوْتًا وَّذَهَبًا وَّفِضَّةً فَاِنْ رَضِیْتَ فَعَلْتُ فَاِنْ شِئْتَ نَبِیًّا مَلِكًا وَّاِنْ شِئْتَ نَبِیًّا عَبْدًا فَاَوْمٰی اِلَیْهِ جِبْرِیْلُ اَنْ تَوَاضَعَ فَقَالَ نَبِیًّا عَبْدًا ثَلَاثًا (طبرانی:۱۳۳۰۹، زرقانی علی المواهب، ج ۴، ص ۳۲۲)

تو مجھے آپ کے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے کر بھیجا ہے اور فرمایا کہ میں وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دوں اور تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد، یاقوت، سونا اور چاندی بنا دوں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو میں ابھی یہ کام کر دیتا ہوں آپ کو اختیار ہے کہ چاہے نبی بادشاہ بنیں یا نبی بندے؟ جبریل نے آپ کی طرف تواضع اختیار کرنے کا اشارہ فرمایا تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا، میں نبی بندہ بننا چاہتا ہوں۔

ثابت ہوا کہ یہ فقر و فاقہ آپ نے خود اختیار فرمایا تھا اور اس کو غنا پر ترجیح دی تھی ورنہ آپ مالک کونین تھے۔

مالک دین و دنیا ہو کر دونوں جہاں کے داتا ہو کر
فاقے سے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
عجز تو دیکھو اللہ اکبر تکیے کے بدلے اینٹ یا پتھر
اور سر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے فقر و فاقے کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ اور آپ کے اہل وعیال کئی کئی راتیں پے در پے بھوکے گزارتے۔

وَكَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِیْرِ
اور اکثر ان کی روٹی جو کی روٹی ہوتی۔

(ترمذی:۲۳۶۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا اَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتّٰى مَاتَ (ترمذی شریف: ۲۳۶۳)

آپ نے آخری دم تک پتلی روٹی (چپاتی) نہیں کھائی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

مَا شَبِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ (ترمذی شریف: ۲۳۵۷، کنز العمال: ۱۸۶۰۶)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کی روٹی سے پے در پے دو دن پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ آپ وفات دیئے گئے۔ (یعنی ایک دن کھاتے تھے ایک دن نہیں)

اور فرماتی ہیں کہ جب کبھی میں سیر ہو کر کھاتی ہوں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقر و فاقہ کا حال یاد آ جاتا ہے تو پھر میں رونے لگ جاتی ہوں۔

وَاللّٰهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَّلَحْمٍ مَّرَّتَيْنِ فِيْ يَوْمٍ (ترمذی شریف: ۲۳۵۶، کنز العمال: ۱۸۶۰۸)

خدا کی قسم آپ نے کبھی ایک دن میں روٹی اور گوشت سے دو وقت پیٹ نہیں بھرا۔

اور میں آپ کے فاقے کی حالت دیکھ کر رو پڑا کرتی اور اپنا ہاتھ آپ کے پیٹ پر پھیر کر کہتی کہ فاقہ سے کیسا دب گیا ہے۔

وَاَقُوْلُ نَفْسِيْ لَكَ الْفِدَآءُ لَوْ تَبَلَّغْتَ مِنَ الدُّنْيَا بِمَا يَقُوْتُكَ فَيَقُوْلُ يَا عَائِشَةُ مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا اِخْوَانِيْ مِنْ اُوْلِي الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ صَبَرُوْا عَلٰى مَا هُوَ اَشَدَّ مِنْ هٰذَا (شفاء شریف، ص ۸۴)

اور کہتی کہ آپ پر میری جان فدا ہو دنیا میں سے اتنا تو قبول فرما لیجئے جو جسمانی قوت کے قائم رکھنے کو کافی ہو تو فرماتے عائشہ مجھے دنیا سے کیا کام میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی سخت حالت پر صبر کیا کرتے تھے۔

کھانا جو کھانا جو کی روٹی ان چھنا آٹا، روٹی موٹی
وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ نماز بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا بھوک کی وجہ سے۔ میں بے اختیار رونے لگا۔ فرمایا مت رو، جو شخص بہ نیت اجر و ثواب بھوکا رہے، قیامت کے دن کی سختی سے محفوظ رہے گا۔ (کنز العمال: ۱۸۶۲۸، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۳۱۹)

بلاشبہ جس طرح آپ اور آپ کے اہل بیت و ازواج مطہرات نے گزران کی ہے دنیا میں کوئی نہیں کرسکتا۔ شہنشاہ کونین ہو کر آپ کے حجرۂ مبارکہ کی یہ کیفیت تھی کہ جلانے کی چند لکڑیاں گاڑ کر اوپر کمبل لگا دیئے گئے تھے۔ وفات شریف تک یہی خاص دولت سیرا رہا۔

ازواج مطہرات کے حجروں کا یہ حال تھا کہ چار حجروں کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں اور چھتیں کھجور کی شاخوں کی تھیں جن پر مٹی کی لپائی کر دی گئی تھی اور پانچ حجروں کی تو دیواریں بھی نہ تھیں صرف کھجور کی شاخیں گاڑ کر ان پر مٹی کا گلابہ کر دیا گیا تھا اور ان کے دروازوں پر تین ہاتھ لمبے اور ایک ہاتھ چوڑے کمبل کے پردے پڑے رہتے تھے۔ سیدنا امام حسین فرماتے ہیں کہ ان کی بلندی اتنی تھی کہ میرا سر ان کی چھت کو لگتا تھا تو اس سے ان کے محل سراؤں کے ارتفاع کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ خاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات کے دولت خانے تھے جن میں انہوں نے عمر بھر گزران کی۔

غالباً ان ہی حالات کے پیش نظر شاید کسی بیوی کے خیال زینت و آرائش کی طرف ہوا ہوگا کہ ساتھ ہی یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (الاحزاب)

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواہش ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بے شک اللہ

تعالیٰ نے تم نیک بختوں کے لیے بڑا اجر
تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات کریمہ کے نزول کے بعد جس قدر زیور و زینت اور آرائش وغیرہ کے خیالات تھے سب کافور ہو گئے اور صرف خدا اور رسول اور وعدۂ قیامت پر قانع ہو کر انہی حجروں میں فقر و فاقہ کے ساتھ عمریں بسر کیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ وہاں دنیا طلبی تو مقصود ہی نہ تھی، ورنہ دنیا دار تو اولاً خود مال جمع کرتا ہے اور پھر اس مال سے اپنی اولاد اور متعلقین کو مالی فائدہ پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ مرزا قادیانی ہی کو دیکھ لیجئے کہ مسیحیت و نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے خوب سامان اور دولت جمع کی اور دولت جمع کرنے کی عجیب و غریب تدابیر اختیار کیں مثلاً بہشتی مقبرہ بنایا اور اس میں دفن ہونے کی شرط جائداد کا دسواں حصہ مقرر کر دی، کتاب چھپنے سے پہلے ہی دوگنی چوگنی قیمت وصول کر لینی اور پھر کتاب ندارد۔ دعا کی پیشگی اجرت لی جاتی اور اثر ندارد۔ چندے اور زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے حساب ندارد۔ حساب طلب کرنے پر حکم ہوتا ہے کیا میں کسی کا خزانچی ہوں؟ لنگر کا معاملہ بہت اہم ہے کیونکہ یہ حکم ہے کہ جو لنگر میں چندہ نہ دے وہ اسلام سے خارج۔

غرض کہ خوب سامان دولت جمع کی اور عیش کی زندگی، تقویت اعصاب وغیرہ کے لیے انگریزی وہ دوائیں کھاتے ہیں جن میں شراب ہوتی، کیوڑا، عنبر، مشک، بید مشک، مفرحات و مقویات کی بھر مار رہتی، بیوی سونے کے زیور سے لد گئی، مکانات و باغات، شاہانہ خوراک و لباس، فرش و فروش اور عیش و عشرت جو ان کو اور ان کی اولاد کو حاصل ہے اسی مسیحیت کا نتیجہ ہے جو انہوں نے بڑی عقلمندی سے حاصل کی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے دماغ میں خلل آ گیا تھا جس کی وجہ سے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا تھا مگر صاحب ان کے اصول بتا رہے ہیں کہ وہ دیوانے ہرگز نہ تھے مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کا انکار، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مدعی نبوت سے لوگ معجزے ضرور طلب کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے

انکار ہی کر دیا تا کہ معجزات دکھانے کا جھگڑا ہی جاتا رہے اور الہامات پر زور دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ایسی چیز ہی نہیں جس کے دیکھنے دکھانے کا سوال پیدا ہو جو چاہا کہہ دیا، اور پھر اس میں ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ میدان صاف کا صاف، کیا دیوانے سے ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک نیا کارخانہ نبوت قائم کر دے اور ایسے اصول پر اس کی بنیاد رکھے کہ کام بھی چلتا رہے اور دیکھنا دکھانا بھی نہ پڑے۔

اگر چہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک میں مرزا قادیانی کا ذکر کمال بے ادبی ہے مگر جب تُعْرَفُ الْاَشْیَآءُ بِاَضْدَادِھَا پر نظر پڑتی ہے تو عذر خواہی کا موقع مل جاتا ہے کیونکہ ظلمت کے مقابلے میں نور کی قدر ہوتی ہے۔ متضاد اشیاء کے پیدا کرنے کی یہی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ہر چیز کا انکشاف ہو جائے۔ اگر نبوت صادقہ کے مقابلہ میں نبوت کاذبہ اور نور صداقت کے مقابلہ میں ظلمت کذب نہ ہوتی تو سچے نبی کی عظمت وشان اور جھوٹے نبی کی خواری وذلت کبھی معلوم نہ ہوتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہونا اور مرزائے قادیانی کو محمدی بیگم کا ہاتھ نہ آنا۔ حالانکہ بقول ان کے ان کا نکاح آسمانوں پر خود خدائے تعالیٰ نے کیا تھا اس پر روشن دلیل ہے۔ (مقاصد الاسلام)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر افطار کیے روزے پر روزہ رکھتے تھے یہ دیکھ کر صحابہ کرام نے بھی اسی طرح روزے رکھنے شروع کر دیئے جب کمزوری کے آثار ان میں نمایاں ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع فرمایا۔

قَالُوْا اِنَّکَ تُوَاصِلُ قَالَ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی

(بخاری: ۱۹۶۱، مسلم کتاب الصوم: ۲۵۶۳)

صحابہ نے عرض کیا حضور خود تو روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا بلاشبہ مجھ کو (باطنی طور پر) کھلایا اور پلایا جاتا ہے میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر افطار کیے

عَنِ الْوِصَالِ قَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلَ قَالَ اِنِّیْ لَسْتُ مِثْلَکُمْ اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی (بخاری: ۱۹۶۲، مسلم: ۲۵۶۴)

روزے پر روزہ رکھنے سے ممانعت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا حضور خود تو روزہ رکھتے ہیں؟ فرمایا میں تمہاری مثل نہیں ہوں (یعنی میں تمہاری طرح ظاہری خورونوش کا محتاج نہیں ہوں) مجھے روحانی غذا کھلائی اور پلائی جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاَیُّکُمْ مِّثْلِیْ؟ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ

(بخاری: ۱۹۶۵، مسلم: ۲۵۶۶)

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ خود تو روزہ رکھتے ہیں؟ فرمایا، کون ہے تم میں میری مثل؟ میں رات (اپنے رب کے پاس) گزارتا ہوں میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی ان حدیثوں میں غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام سے فرما رہے ہیں میں تمہاری مثل نہیں ہوں، اور کون ہے تم میں میری مثل؟

کیا وہ لوگ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ نہیں پڑھتے تھے، ان کو یہ آیت یاد نہیں تھی؟ انہوں نے کیوں نہ کہا کہ ہم سب آپ کی مثل ہیں؟ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے مثل اور بے نظیر مانتے تھے اور اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کا مفہوم ان کے نزدیک وہ نہیں تھا جو آج کل کے ہمسری و برابری کا دعویٰ کرنے والوں نے سمجھا ہے۔ اہل ایمان کو صحابہ کرام کے اعتقاد سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

ترا مسند ناز ہے عرش بریں   ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا   تری مثل نہیں ہے خدا کی قسم

حضرت مولانائے روم علیہ رحمۃ القیوم فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اے عزیز! پاک لوگوں کو اپنے جیسا قیاس نہ کرو۔ شیر اگرچہ لکھنے میں شیر (دودھ) کا ہمشکل ہے مگر دونوں میں بڑا فرق ہے ؎

شیر آں باشد کہ مرد اورا خورد   شیر آ باشد کہ مردم را درد

یعنی اگرچہ شیر اور شیر کتابت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر شیر (دودھ) وہ ہے جس کو آدمی کھا جاتا ہے اور شیر وہ جانور ہے جو آدمیوں کو پھاڑ ڈالتا ہے ؎

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد   کم کسے زابدال حق آگاہ شد

اس غلط قیاس کے سبب سے تمام جہان گمراہ ہو گیا (الا ماشاء اللہ) اور شاذ و نادر ہی کوئی شخص اللہ کے دوستوں سے واقف ہو ؎

اشقیا را دیدہ بینا نبود   نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگ حق بیں آنکھوں سے محروم تھے اس لیے ان کی نظروں میں نیک و بد یکساں دکھائی دیا ؎

ہمسری با انبیاء بردا شتند   اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

اپنے غلط قیاس سے کبھی انہوں نے انبیاء کی برابری کا دعویٰ کر دیا اور کبھی اولیاء کو اپنے برابر سمجھ لیا ؎

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر   ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

اگر کسی نے اس سوءِ ادب پر اعتراض کیا تو کہہ دیا کہ ہم بھی انسان، وہ بھی انسان۔ ہم اور وہ دونوں سونے اور کھانے کے یکساں پابند ہیں پھر فرق کیا ہوا؟ ؎

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ   ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

(مثنوی دفتر اول)

مگر اندھوں نے اپنی کور باطنی سے یہ نہ دیکھا کہ ان دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرور دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول و براز بلکہ تمام فضلات طیب و طاہر تھے۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن میں پیشاب کیا۔ میں اٹھی اور پانی سمجھ کر پی گئی کیونکہ میں پیاسی تھی صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر جب میں نے بتایا کہ واللہ وہ تو میں پی گئی تو آپ سن کر بہت ہنسے۔

وَقَالَ لَنْ تَشْتَكِيْ وَجْعَ بَطْنِكِ بَعْدَ يَوْمِكِ هٰذَا اَبَدًا (مستدرک حاکم: ۶۹۱۲، دلائل النبوۃ، ابونعیم: ۳۶۵، خصائص کبریٰ، ج ا، ص ۷۱، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۳۱)

اور فرمایا آج سے تجھ کو کبھی پیٹ کی کوئی بیماری نہ ہوگی۔

اسی طرح برکت نامی کنیز نے (جو ام المومنین ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ سے آئی تھی) حضور کا بول مبارک پی لیا تھا جس پر حضور نے اس کو فرمایا تھا کہ تو نے اپنے آپ کو جہنم سے بچالیا۔ (خصائص کبریٰ، ج ا، ص ۷۱)

امام قاضی عیاض اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما ان دونوں حدیثوں کے لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وَلَمْ يَأْمُرْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ بِغَسْلِ فَمٍ وَلَا نَهَاهُ عَنْ عَوْدَةٍ (شفاء شریف، ج ا، ص ۴۱، زرقانی، ج ۴، ص ۲۳۳)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں سے نہ تو کسی سے کہا کہ اپنے مونہوں کو دھوؤ اور نہ ہی آئندہ کے لیے منع فرمایا۔

معلوم ہوا کہ امت کے حق میں حضور کے فضلات مبارک طیب و طاہر باعث برکت اور دافع الامراض ہیں ورنہ حضور منع فرما دیتے اور یہی امام اس کے بعد فرماتے ہیں۔

اَلْحَدِيْثُ هٰذِهِ الْمَرْاَةِ الَّتِيْ شَرِبَتْ بَوْلَهٗ صَحِيْحٌ

(شفاء شریف، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۹)

حضرت سلمٰی امراۃ ابی رافع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا تو میں نے غسل کا پانی پیا اور آپ کو اطلاع دی۔

فَقَالَ اذْهَبِيْ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ بَدَنَكِ عَلَى النَّارِ (طبرانی: ۹۲۲۱، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۴۴۲)

تو فرمایا جا تیرے جسم پر آتش دوزخ حرام ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے جو خون نکلا وہ ایک قریشی غلام نے پی لیا۔

فَقَالَ اذْهَبْ فَقَدْ اَحْرَزْتَ نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ (خصائص کبریٰ، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۹)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جا تو نے اپنے نفس کو دوزخ سے بچا لیا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون پی گئے تھے جب کہ پچھنے لگوا کر خون ان کو دیا تھا کہ جاؤ باہر کہیں ایسی جگہ چھپا دو جہاں کوئی نہ دیکھے وہ باہر نکل کر پی گئے۔ جب واپس آئے تو فرمایا کیا کر آیا ہے؟ عرض کی ایسی جگہ چھپا آیا ہوں جہاں کوئی نہ دیکھے گا۔ فرمایا شاید تو پی آیا ہے؟ عرض کی ہاں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس میں آپ کا خون ہوگا اس کو دوزخ کی آگ نہ لگے گی۔ فرمایا جا تو بھی دوزخ کی آگ سے بچ گیا۔ پھر فرمایا افسوس ان لوگوں پر جو تجھے قتل کریں گے اور افسوس کہ تو ان سے نہ بچے گا۔ (مستدرک: ۶۳۴۳، کنز العمال: ۳۷۲۲۷، شفاء شریف، بزار: ۲۲۱۰، ابویعلیٰ، بیہقی، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۸، زرقانی، ج ۴، ص ۲۳۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر سے کسی نے پوچھا کہ خون اقدس کا ذائقہ کیا تھا تو فرمایا ذائقہ شہد کی طرح اور خوشبو کستوری جیسی۔ (شرح شفاء ملا علی قاری)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہوا تو لب مبارک بھی مجروح ہوگیا جس سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ حضرت مالک بن سنان (حضرت ابوسعید خدری کے والد) رضی اللہ عنہ نے جو دیکھا تو آگے بڑھ کر لب مبارک کو

چوسنا شروع کر دیا اور اتنا چوسا کہ وہ جگہ سفید ہو گئی۔ جب وہ چوس رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا اسے پھینک دے۔ تو اس نے کہا واللہ! میں آپ کے خون مبارک کو زمین پر نہ پھینکوں گا اور نگلتا ہی گیا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا

(زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۳۰)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص (مالک بن سنان) کو دیکھ لے (جس نے میرا خون پی لیا ہے)

یہاں یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ خون کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ الایۃ (البقرہ: ۱۷۳)

کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ صحابہ کرام نے کسی آدمی یا جانور کا خون پیا ہو مگر حضرت عبداللہ بن زبیر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون مبارک کو پی لیا حالانکہ وہ ایسی چیز بھی نہیں جس کی طرف رغبت ہو، بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ بالطبع مکروہ ہے۔ اگرچہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون مقدس کی حلت وحرمت کا بیان مقصود نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے کیوں پیا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ محبت کی وجہ سے تو یہ باور نہیں ہو سکتا اس لیے کہ کیسا ہی دوست اور محبوب ہو اس کا خون یا پیشاب پینا گوارا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کوئی علامت محبت ہے معلوم ہوا کہ محبت کی وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کا منشا کچھ اور ہی تھا اور وہ یہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حقیقت کو جان گئے تھے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک اور اجسام کے مثل نہیں ہے وہ سراپا طاہر اور مطہر ہے اور اس جسم پاک کا ہر ہر جزو ہمہ تن نور ہے اور اس میں وہ برکت اور فضیلت رکھی ہوئی ہے کہ کسی دوسرے جسم میں نہیں، چنانچہ وہ فضلات مبارک کو تبرک سمجھتے تھے اور پی جاتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کو اپنے باطن میں پہنچانا باعث ترقی روحانی ہے۔

غور فرمایئے وہ صحابہ کرام جن کی فضیلت تمام امت مرحومہ پر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضلات مبارکہ کو طیب وطاہر سمجھتے تھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ معاذ اللہ وہ اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مثل اور ہمسر سمجھتے ہوں؟ واللہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو کہاں آپ کے بول وبراز کی ہمسری نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنَّکَ تَدْخُلُ الْخَلَآءَ فَاِذَا خَرَجْتَ دَخَلْتُ اَثَرَکَ فَمَآ اَرٰی شَیْئًا اِلَّآ اِنِّیْ اَجِدُ رَآئِحَۃَ الْمِسْکِ قَالَ اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَآءِ تُنْبَتُ اَجْسَادُنَا عَلٰی اَرْوَاحِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَمَا خَرَجَ مِنْھَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا ابْتَلَعَتْہُ الْاَرْضُ (ابونعیم: ۳۶۴، شفا، خصائص کبریٰ، ج۱، ص ۷۰، زرقانی، ج۴، ص۲۲۹، سبل الھدی، ج۱۰، ص ۳۷۴)

ایک دن میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں جب آپ واپس آتے ہیں تو میں اندر جاتی ہوں مجھے وہاں اور تو کچھ نظر نہیں آتا مگر یہ کہ وہاں سے کستوری کی سی خوشبو آتی ہے فرمایا ہم پیغمبروں کے وجود بہشتی روحوں کی صفت پر پیدا کیے جاتے ہیں۔ پس ان جسموں سے کوئی چیز نہیں نکلتی مگر زمین اسے نگل لیتی ہے۔

(یعنی جنتیوں کی روحوں میں جو لطافت وپاکیزگی اور خوشبو ہوتی ہے وہ ہمارے جسموں میں ہوتی ہے اس لیے ہمارا بول وبراز اور پسینہ وغیرہ خوشبو ہوتا ہے اور جس جگہ پر پڑتا ہے اسے معطر کردیتا ہے) اور ان سے جو کچھ نکلتا ہے اسے زمین اپنے اندر حلول کرلیتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکَ تَاْتِی الْخَلَآءَ فَلَا نَرٰی مِنْکَ شَیْئًا مِّنَ الْاَذٰی فَقَالَ یَا عَآئِشَۃُ مَا عَلِمْتِ اَنَّ الْاَرْضَ تَبْتَلِعُ مَا یَخْرُجُ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ جب بیت الخلاء سے تشریف لاتے ہیں تو ہم کو وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی؟ فرمایا اے عائشہ کیا تجھے

فَلَا یُرٰی مِنْہُ شَیْءٌ (دلائل النبوت، ص ۳۸۰، زرقانی، ج ۴، ص ۲۲۸، ابونعیم، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۷۰، شفاء شریف)

معلوم نہیں کہ جو شے انبیاء سے نکلتی ہے اس کو زمین نگل جاتی ہے اور اس میں سے کچھ دکھائی نہیں دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین کا فضلہ مبارک کو نگل جانا اور وہاں سے خوشبو کا مہکنا غالباً اس لیے تھا کہ کوئی اس فضلہ مبارک کو دیکھنے نہ پائے اور اس کی طبیعت میں دوسرے لوگوں کے فضلات کی طرح نجاست و کراہت کا خیال پیدا نہ ہو بلکہ طہارت و پاکیزگی کا تصور پیدا ہو۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ عینی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ قوی دلائل سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے فضلات طیب و طاہر تھے اور اس کو آپ کے خصائص میں شمار کیا گیا ہے۔ (مدارج النبوت، سبل الہدی، ج ۱، ص ۴۸۴)

امام قاضی عیاض و علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّتَغَوَّطَ انْشَقَّتِ الْاَرْضُ فَابْتَلَعَتْ غَآئِطَہٗ وَ بَوْلَہٗ وَ فَاحَتْ لِذٰلِکَ رَائِحَۃٌ طَیِّبَۃٌ (شفاء شریف، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۷)

کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاخانہ پھرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے پاخانے اور پیشاب کو نگل جاتی اور وہاں سے عمدہ اور پاکیزہ خوشبو مہکنے لگتی۔

امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَاَمَّا طِیْبُ رِیْحِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ عَرَقِہٖ وَ فُضُلَاتِہٖ فَقَدْ کَانَتِ الرَّائِحَۃُ الطَّیِّبَۃُ صِفَتَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ لَّمْ یَمَسَّ طِیْبًا

(مواہب اللدنیہ، ص ۲۸۴، سبل الہدی، ج ۲، ص ۸۸)

بہرنوع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریح مبارک، پسینہ اقدس اور حضور کے فضلات شریفہ کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سب حضور کی ذات مقدسہ کی صفات تھیں خواہ آپ خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں۔

اور یہی امام آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وَرُوِیَ اَنَّهٗ كَانَ يُتَبَرَّكُ بِبَوْلِهٖ وَ دَمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(مواہب اللدنیہ، ج ۱ ص ۲۸۴)

اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول مبارک اور خون اقدس سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری رحمہ اللہ القوی فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَكَاثَرَتِ الْاَدِلَّةُ عَلٰى طَهَارَةِ فُضْلَاتِهٖ وَعَدَّ الْاَئِمَّةُ ذَالِكَ فِيْ خَصَآئِصِهٖ

(فتح الباری شرح بخاری، ج ۱ ص ۲۱۸)

بے شک آپ کے فضلات شریفہ کے طیب و طاہر ہونے پر بڑی کثرت سے دلائل قائم ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ امام بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَقَدْ وَرَدَتْ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ اَنَّ جَمَاعَةً شَرِبُوْا دَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ اَبُوْ طَيْبَةَ الْحَجَّامُ وَ غُلَامٌ مِّنْ قُرَيْشٍ حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زُبَيْرٍ شَرِبَ دَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَ الطَّبْرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَ اَبُوْ نَعِيْم فِي الْحِلْيَةِ وَ يُرْوٰى عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ شَرِبَ دَمَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَرُوِيَ اَيْضًا اَنَّ اُمَّ اَيْمَنَ شَرِبَتْ بَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ وَ اَبُوْ نُعَيْمٍ وَ اَخْرَجَ

بے شک بہت سی حدیثیں اس بارے میں وارد ہوئیں کہ صحابہ کی ایک جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک پیا، ان میں حضرت ابوطیبہ حجام ہیں اور ایک قریشی لڑکا ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھنے لگائے تھے اور عبداللہ ابن زبیر نے بھی آپ کا خون مبارک پیا ہے، روایت کیا ہے اسے بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی اور ابونعیم نے حلیہ میں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون اقدس پیا ہے نیز مروی ہے کہ ام ایمن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

الطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ فِیْ رَوَایَۃِ سَلْمٰی اِمْرَاۃِ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّھَا شَرِبَتْ بَعْضَ مَآءٍ غَسَلَ بِہٖ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَھَا حَرَّمَ اللہُ بَدَنَكِ عَلَی النَّارِ (عمدۃ القاری شرح بخاری، ج۱، ص ۷۷۸)

پیشاب مبارک پیا۔ اس حدیث کو حاکم، دارقطنی، اور ابونعیم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں ابو رافع کی عورت سلمٰی سے روایت کیا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل میں استعمال کیا ہوا پانی پیا تو آپ نے اس کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس پانی کی وجہ سے تجھ پر آگ کو حرام فرما دیا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَصَحَّحَ بَعْضُ اَئِمَّۃِ الشَّافِعِیَّۃِ طَھَارَۃَ بَوْلِہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسَائِرِ فُضْلَاتِہٖ وَبِہٖ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ کَمَا نَقَلَہٗ فِی الْمَوَاھِبِ اللَّدُنِّیَّۃِ عَنْ شَرْحِ الْبُخَارِیْ لِلْعَیْنِیِّ وَ صَرَّحَ بِہٖ الْبَیْرِیْ فِیْ شَرْحِ الْاَشْبَاہِ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ تَظَافَرَتِ الْاَدِلَّۃُ عَلٰی ذٰلِكَ وَعَدَّ الْاَئِمَّۃُ ذٰلِكَ مِنْ خَصَآئِصِہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ نَقَلَ بَعْضُھُمْ عَنْ شَرْحِ مِشْکٰوۃِ لِمُلَّا عَلِیْ قَارِیْ اَنَّہٗ قَالَ اخْتَارَہٗ کَثِیْرٌ مِّنْ اَصْحَابِنَا وَ اَطَالَ فِیْ تَحْقِیْقِہٖ فِیْ شَرْحِہٖ عَلَی الشَّمَآئِلِ فِیْ بَابِ مَاجَآءَ تَعَطُّرُہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (ردالمحتار شرح درمختار، ج۱، ص ۲۳۲)

اور صحیح قرار دیا ہے بعض ائمہ شافعیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیشاب مبارک اور تمام فضلات مبارکہ کی طہارت و پاکیزگی کو اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کا جیسا کہ مواہب میں عینی شرح بخاری سے نقل کیا ہے اور اس کی تصریح علامہ بیری نے شرح اشباہ میں فرمائی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول مبارک اور تمام فضلات شریفہ کی طہارت و پاکیزگی پر قوی دلیلیں قائم ہیں اور ائمہ نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کریمہ میں شمار کیا ہے اور بعض علماء نے ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ سے نقل کیا انہوں نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب کا اس مسئلہ

میں پسندیدہ قول یہی ہے کہ آپ کے جمیع
فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں اور ملا علی
قاری نے شرح شمائل باب ماجاء تعطرہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام میں طہارت فضلات
شریفہ کو ثابت کرنے میں پوری تحقیق کے
ساتھ طویل کلام کیا ہے۔

راس المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں۔

وہیچ کس اثر فضلۂ ایشاں رابروئے زمین ندیدہ زمین می شگافت وفرو میرود وازاں مکان بوئے مشک می شمیدند۔ (تفسیر عزیزی سورۂ والضحیٰ، ص۲۱۹)

اور کسی نے آپ کے فضلہ مبارک کا اثر زمین پر نہیں دیکھا کیونکہ زمین پھٹ جاتی اور وہ اس میں پوشیدہ ہو جاتا اور اس جگہ سے نہایت پاکیزہ خوشبو آتی۔

جناب انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دیو بند فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ الْعُلَمَآءَ ذَهَبُوْا اِلٰى طَهَارَةِ فُضُلَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فیض الباری شرح بخاری، ج۱، ص۲۸۹)

کہ علماء امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات شریفہ کی طہارت کی طرف گئے ہیں۔

جناب اشرفعلی تھانوی فرماتے ہیں۔

اور مروی ہے کہ آپ جب بیت الخلاء میں جاتے تھے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کے بول و براز کو نگل جاتی اور اس جگہ نہایت پاکیزہ خوشبو آتی۔ حضرت عائشہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی لیے علماء آپ کے بول و براز کے طاہر ہونے کے قائل ہوئے ہیں، ابوبکر بن سابق مالکی اور ابونصر نے اس کو نقل کیا ہے اور مالک بن سنان یوم احد میں آپ کا خون (زخم کا) چوس کر پی گئے آپ نے فرمایا اس کو کبھی دوزخ کی آگ نہ لگے گی اور عبداللہ بن زبیر نے آپ کا خون جو پچھنے لگانے سے نکلا تھا پی لیا تھا اور برکت اور آپ کی خادمہ ام ایمن نے آپ کا

پیشاب پی لیا تھا سوان کو ایسا معلوم ہوا جیسا شیریں نفیس پانی ہوتا ہے۔ (نشر الطیب، ص ۱۹۳)

سید العارفین حضرت مولانا روم علیہ رحمۃ القیوم فرماتے ہیں۔

اشقیا را دیدۂ بینا نبود نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگ حق بین آنکھوں سے محروم ہیں اس لیے ان کی آنکھوں میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتا ہے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

چنانچہ انہوں نے انبیاء کی برابری کا دعویٰ کر دیا اور اولیاء کو اپنے برابر سمجھ لیا ہے۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ماو ایشاں بستہ خوابیم و خور

اگر کسی نے اس سوءادب پر اعتراض کیا تو کہہ دیا ہم بھی انسان وہ بھی انسان، ہم اور وہ دونوں سونے اور کھانے وغیرہ کے پابند ہیں پھر فرق کیا ہوا؟

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

مگر انہوں نے اپنی کورباطنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں طریقوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دوگوں زنبور خوردند از محل لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل

مثلاً ہر دو رنگ کی زنبوروں (یعنی بھڑ اور شہد کی مکھی) نے (پھولوں اور شگوفوں کا رس) ایک ہی جگہ سے چوسا مگر اس سے ڈنگ پیدا ہوا اور اس دوسری سے شہد۔

ہر دوگوں آہو گیاہ خوردند و آب زیں یکے سرگیں شد وزاں مشک ناب

دوسری مثال یہ کہ دونوں قسم کے ہرنوں نے ایک ہی طرح کی گھاس چری اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیا لیکن ایک میں تو مینگنیاں بن گئیں اور دوسری میں خالص کستوری۔

ہر دو نے خوردند از یک آبخور آح یکے خالی و آں پر از شکر

تیسری مثال یہ کہ دونوں قسم کے نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوئے لیکن ایک کھوکھلا ہے اور وہ دوسرا شکر سے پر ہے۔

شد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

ایسی ہی لاکھوں نظیریں دیکھو گے ان میں ستر برس کی راہ کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گردد پلیدی زوجدا واں خورد گرد وہمہ نور خدا

اسی طرح یہ غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور وہ (نبی) جو کھاتا ہے تو وہ سب کا سب نور خدا بن جاتا ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست آب تلخ و آب شیریں را صفاست

اگر دونوں کی صورتیں ملتی جلتی ہیں تو یہ ممکن ہے (چنانچہ) تلخ پانی اور شیریں پانی دونوں میں صفائی موجود ہے۔

جز کہ صاحب ذوق کہ شناسد بیاب او شناسد آب خوش از شورہ آب

صاحب ذوق کے سوا کون پہچان سکتا ہے (اس صاحب ذوق سے) ملاقات کر کیونکہ وہی خوشگوار پانی اور شور پانی میں فرق کرسکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے فارغ ہوکر یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَ نُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَ نُوْرًا مِّنْ خَلْفِیْ وَ نُوْرًا عَنْ یَّمِیْنِیْ وَ نُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ فَوْقِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ تَحْتِیْ وَ نُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاَعْطِنِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا

(ترمذی شریف، کتاب الدعوات: ۳۴۱۹)

اے اللہ کر دے میرے لیے میرے دل میں نور اور میری قبر میں نور اور آگے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے کانوں میں نور اور میری آنکھوں میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میری جلد میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میری ہڈیوں میں نور، اے اللہ میرے لیے بہت ہی زیادہ نور کر دے

اور مجھے نور عطا فرما اور مجھ کو نور کر رکھ۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نورانی دعا کو ضرور قبول فرمایا تو ثابت ہوا کہ آپ کے جسم مبارک کی ہر چیز نور ہے اور آپ سراپا نور ہی نور ہیں اور جو چیز بھی آپ کے جسم مبارک میں جاتی وہ بھی نور ہی ہو جاتی ع

آں خورد گردد ہمہ نور خدا

ثابت ہوا کہ آپ کے تمام فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں اور ان کو نجاست و غلاظت کہنا بے ادبی و گستاخی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو کوئی موزوں جگہ نظر نہ آئی جس کی آڑ میں آپ فراغت حاصل کرتے سوائے دو درختوں کے وہ بھی الگ الگ تھے اور ان کے درمیان کافی فاصلہ تھا تو مجھے فرمایا۔

يَا جَابِرُ قُلْ لِهٰذِهِ الشَّجَرَةِ يَقُوْلُ لَكِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحِقِيْ بِصَاحِبَتِكِ حَتّٰى اَجْلِسَ خَلْفَكُمَا فَزَجَفَتْ حَتّٰى لَحِقَتْ بِصَاحِبَتِهَا فَجَلَسَ خَلْفَهُمَا فَخَرَجْتُ اُحْضِرُ وَ جَلَسْتُ اُحَدِّثُ نَفْسِيْ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَّالشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا عَلٰى سَاقٍ فَوَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْفَةً فَقَالَ بِرَاْسِهٖ هٰكَذَا يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا (شفاء شریف،

اے جابر جاؤ اور اس درخت سے کہہ دو کہ رسول اللہ تجھے فرماتے ہیں کہ تو اس درخت سے مل جا تاکہ تم دونوں کی آڑ میں فراغت حاصل کر لیں حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے ارشاد کی تعمیل کی تو وہ درخت اپنی جگہ سے چلا اور دوسرے درخت سے جا ملا آپ ان دونوں کی آڑ میں بیٹھ گئے اور میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں باتیں کرنے لگا۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے تھے اور وہ دونوں درخت جدا ہو کر اپنے اپنے مقام پر

ج۱، ص ۱۹۶، خصائص، ج ۲، ص ۷ ۳، سبل الہدی، ج ۹، ص ۴۹۶)

کھڑے ہوئے۔ حضور نے کچھ دیر توقف فرمایا اور اپنے سر مبارک سے دائیں اور بائیں جانب اشارہ فرمایا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حج سے واپس آرہے تھے۔ جب بطن روحاء میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں کہیں کھجور کے درخت اور پتھر نظر آتے ہیں؟ میں نے عرض کی ہاں! وہ چند درخت ہیں جو قریب قریب کھڑے ہیں اور وہ پتھروں کے ڈھیر نظر آرہے ہیں۔

قَالَ انْطَلِقْ اِلَی النَّخْلَاتِ فَقُلْ لَّهُنَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكُنَّ اَنْ تُدَانِيْنَ لِمَخْرَجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قُلْ لِّلْحِجَارَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ فَاَتَيْتُهُنَّ فَقُلْتُ لَهُنَّ ذٰلِكَ فَوَالَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ لَقَدْ جَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَی النَّخْلَاتِ يَخُدُّدْنَ الْاَرْضَ خَدًّا حَتّٰی اجْتَمَعْنَ وَاَنْظُرُ اِلَی الْحِجَارَةِ يَتَنَاقَزْنَ حَتّٰی صِرْنَ رَضْمًا خَلْفَ النَّخْلَاتِ فَلَمَّا قَضَا حَاجَتَهٗ وَانْصَرَفَ قَالَ عُدْ اِلَی النَّخْلَاتِ وَالْحِجَارَةِ فَقُلْ لَّهُنَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكُنَّ اَنْ تَرْجِعْنَ اِلٰی مَوَاضِعِكُنَّ

(دلائل النبوت، ابونعیم، ۳۳۶، ابویعلی، بیہقی،

فرمایا جاؤ ان درختوں اور پتھروں سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ قریب قریب ہو جاؤ تا کہ حاجت بشری سے فراغت حاصل کرلیں۔ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سنایا، خدا کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا وہ درخت زمین پھاڑتے ہوئے اور وہ پتھر کودتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب تہ بہ تہ ہوتے گئے یہاں تک کہ ان درختوں اور پتھروں کی دیوار بن گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے تشریف لے گئے جب حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ ان درختوں اور پتھروں

ج۶، ص ۲۵، خصائص کبریٰ، ج۲، ص ۳۶، شفاء شریف، ج۱، ص ۱۹۷، سبل الہدیٰ، ج۹، ص ۴۹۷)	سے کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ اپنے اپنے مقامات پر واپس ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس ہو گئے۔

اسی مضمون کی بہت سی احادیث آتی ہیں مقبول بارگاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم امام بوصیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً   تَمْشِیْ اِلَیْهِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمٍ

جب آپ نے درختوں کو بلایا تو وہ آپ کے بلانے پر اپنی شاخیں جھکائے ہوئے مثل سجدہ کرنے والے کے ایسے حال میں حاضر ہوئے کہ وہ اپنے تنوں پر بلا قدم چلتے تھے۔

(قصیدہ بردہ شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد سے جب درخت اور پتھر ایک دوسرے کے قریب قریب ہو گئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے آپ کے حکم کو سنا اور اس کو اپنے دل میں جگہ دی اور عاقلانہ قوت سے خیال کیا کہ اس حکم کی تعمیل ضروری ہے اس کے بعد جس طرح ان سے ہو سکا چلے اور حکم رسالت کی تعمیل کی حالانکہ دیکھنے کو نہ ان کے کان تھے، نہ دل، نہ عقل، نہ پاؤں مگر جو کام ان اعضاء کے متعلق تھے وہ سب وقوع میں آئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سننے کا مدار کانوں اور اس کے اندر بچھے ہوئے پٹھوں پر ہی نہیں۔ اسی پر دوسرے اعضاء کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ عادت کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ جمادات و نباتات کو نہ سماعت اور نہ بصارت وغیرہ ہے مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات و نباتات میں بھی ان قوتوں کو ودیعت فرمایا ہے۔ وہ بھی سنتے دیکھتے اور سمجھتے ہیں مگر کسی اور طریقے سے اور یہ ضروری نہیں کہ سب کے دیکھنے سننے سمجھنے اور کھانے پینے، چلنے پھرنے کا ایک ہی طریقہ مقرر ہو۔ دیکھیے آدمی اور جانور منہ سے پیٹ میں غذا پہنچاتے ہیں اور نباتات جڑوں کے ذریعے سے جو زمین کے اندر گڑی رہتی ہیں اور پھر ان کی غذائیں بھی مختلف اور غذا حاصل کرنے کا طریقہ بھی مختلف، اسی طرح چلنے کے طریقے بھی مختلف ہیں، آدمی دو پاؤں پر چلتا ہے، بعض جانور

چار پاؤں پر اور بعض ہزار پاؤں پر اور سانپ کا ایک پاؤں بھی نہیں، مگر دوڑنے میں اس قدر تیز کہ آدمی تو کیا گھوڑا بھی سانپ کی تیز رفتاری کو نہیں پہنچ سکتا، اگر آدمی سوچنے لگے تو شاید سانپ کا دوڑنا مشکل سے سمجھ میں آئے گا کیونکہ آدمی پیٹ کے بل چلے تو دو ہاتھ بھی نہیں چل سکتا اور سانپ بلا تکلف پیٹ سے چلتا ہے اور پھر آدمی کو کانٹوں میں جوتوں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بغیر جوتے کے کیسی ہی کانٹوں کی زمین ہو بلکہ خاردار درختوں پر برابر دوڑتا ہے، حالانکہ اس کے پیٹ کا پوست آدمی کے تلوؤں سے زیادہ نرم ہوتا ہے۔ اس مقام پر سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ سانپ کی فطرت ہی اس طرح واقع ہوئی ہے کہ پیٹ پر چلے اور اس کو اتنی قوت دی گئی ہے کہ اپنے جسم کو بغیر کسی سہارے کے حرکت دے سکے۔ آدمی کو یہ قوت نہیں دی گئی کہ وہ پیٹ کے بل جسم کو زور سے حرکت دے کر سانپ کی طرح چلے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ درختوں اور پتھروں کو چلنے کی قوت عطا فرمائے تو ہرگز بعید از عقل و قیاس نہیں ہے۔ رہا یہ کہ ان کی اس قسم کی حرکت کبھی نہیں دیکھی جاتی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں قوت نہیں ہے بلکہ مومن کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز کو حرکت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے متعلق ہے، اسی طرح درختوں و پتھروں وغیرہ کی حرکت بھی مشیت پروردگار کے ساتھ متعلق ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا ہی مشیت پروردگار تھا لہٰذا درختوں اور پتھروں نے تعمیل کی، دیکھیے قیامت کے دن بہ مشیت پروردگار پہاڑ وغیرہ چلیں گے۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ (التکویر) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے) معلوم ہوا درخت اور پہاڑوں کا چلنا خلاف عقل نہیں وہ ضرور چلتے اور حرکت کرتے ہیں مگر اس وقت جب کہ ان کو کوئی حکم واجب الاتباع پہنچے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ مَخْتُوْنًا مَسْرُوْرًا اَىْ مَقْطُوْعُ السُّرَّةِ (ابن عساکر، ج ۳، ص ۸۰، طبرانی، ابونعیم: ۹۲، زرقانی، ج ۱، ص ۱۲۴، کنز العمال: ۳۵۵۲۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ کیئے ہوئے اور ناف کاٹے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ کَرَامَتِیْ عَلَیَّ رَبِّیْ اِنِّیْ وُلِدْتُ مَخْتُوْنًا وَلَمْ یَرٰی اَحَدٌ سَوْأَتِیْ

(ابن عساکر، ج ۳،ص ۴۱۲، طبرانی: ۶۱۴۸، ابو نعیم: ۹۱و زرقانی،ص ۱۲۴، کنز العمال: ۳۱۹۲۴)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا خدا کی طرف سے یہ بھی میرے اکرام و اعزاز میں داخل ہے کہ میں ختنہ کیا ہوا پیدا ہوا اور کسی نے میرے ستر کو نہیں دیکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

مَا احْتَلَمَ نَبِیٌّ قَطُّ وَ اِنَّمَا الاِحْتِلَامُ مِنَ الشَّیْطٰنِ (طبرانی: ۱۱۵۶۴، خصائص کبریٰ، ج ۱،ص ۷۰، زرقانی، ج ۵،ص ۲۴۹)

کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا کیونکہ احتلام شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے اور انبیاء پر شیطان کا اثر نہیں ہے۔

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل امین ایک برتن میں طعام لے کر آئے میں نے اس میں سے کھایا۔

فَاُعْطِیْتُ قُوَّۃَ اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فِی الْجِمَاعِ (زرقانی علی المواہب، ج ۴،ص ۱۹۵، حارث بن ابی اسامہ، ابن سعد، ج ۱، ص ۲۸۲، خصائص، ج ۱، ص ۷۰، کنز العمال: ۳۱۸۹۷، سبل الہدی، ج ۱۰،ص ۴۵۰)

تو چالیس جنتی مردوں کی قوت، جماع کرنے میں مجھ کو عطا ہوئی۔

فائدہ: جنت کے ایک مرد کی قوت دنیا کے سو مردوں کی قوت کے برابر ہے باوجود اس قدر خداداد طاقت وقوت کے ضبط کا یہ عالم تھا کہ خیال کا دامن بھی آلودہ عصیان نہ تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی آپ کے پردہ کرنے کی جگہ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ نے میرے پردہ کرنے کی جگہ کو دیکھا۔ (شفاء شریف و مدارج النبوت)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ

لَا یَغْسِلُہٗ اَحَدٌ غَیْرِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَرٰی اَحَدٌ عَوْرَتِیْ اِلَّا طُمِسَتْ عَیْنَاہُ (خصائص کبریٰ، ج ۲،ص ۲۷۶، کنزالعمال: ۱۸۷۸۴)

آپ کو سوائے میرے اور کوئی غسل نہ دے۔ فرمایا جو بھی میرے ڈھانپنے کی جگہ کو دیکھے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔

فوائد

(۱) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالک ومختار ہو کر فقر وفاقہ خود اختیار فرمایا تھا۔ یہ اختیاری فقر تھا، نہ کہ اضطراری، ورنہ خزائن ارض وسما کی کنجیاں اور اللہ کی تمام نعمتیں اور کائنات کی ساری برکتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں تھیں۔

(۲) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرح ظاہری خورونوش کے محتاج نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا پینا تعلیم امت کے لیے تھا۔

(۳) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مثل نہیں بلکہ آپ بے مثل ہیں۔

(۴) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول و براز اور خون مبارک و دیگر فضلات مبارکہ طیب وطاہر ہیں اور نجاست وغلاظت وغیرہ کہنا بے ادبی ہے۔

(۵) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے اور آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔

زانوئے مقدس اور پائے مبارک

انبیاء تہ کریں زانو ان کے حضور
زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام
ساق اصل قدم شاخ نخل کرم
شمع راہ اصابت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زانوئے مقدس، دونوں ساقین، ہر دو پائے مبارک نرم اور پر گوشت تھے اور خوبصورت ایسے کہ کسی انسان کے ایسے نہ تھے۔ جب چلتے تو قدم مبارک کو قوت اور وقار اور تواضع سے اٹھاتے جیسا کہ اہل ہمت وشجاعت کا قاعدہ ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ فِيْ سَاقَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَةٌ (ترمذی:۳۶۴۵،مشکوٰۃ:۵۷۹۶)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پنڈلیاں لطیف و نازک تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَلَمْ يُرَ مُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَيْ جَلِيْسٍ لَهٗ (ترمذی:۲۴۹۰،مشکوٰۃ: ۵۸۲۴)

اور آپ کو کبھی اس طرح نہیں دیکھا گیا کہ آپ اپنے پاؤں لوگوں کے سامنے کر کے یا لوگوں کی طرف پھیلا کر بیٹھے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ الْبَشَرِ قَدَمًا (ابن سعد، ج۱، ص ۳۲۲، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۱۹۸، سبل الہدی، ج۹، ص۷۹)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم مبارک سب سے زیادہ حسین تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَسْرَعَ فِيْ مَشْيِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰى لَهٗ اَنَّا لَنُجْهِدُ اَنْفُسَنَا وَاِنَّهٗ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ (ترمذی: ۳۶۴۸، شمائل ترمذی:۱۱۶، مشکوٰۃ شریف،:۵۷۹۵)

کہ میں نے تیز چلنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا (جب آپ چلتے تو یوں معلوم ہوتا) کہ گویا زمین آپ کے لیے لپٹی جا رہی ہے۔ ہم آپ کے ساتھ دوڑا کرتے اور تیز چلنے میں مشقت اٹھاتے اور آپ بآسانی بے تکلف چلتے (مگر پھر

بھی سب سے آگے رہتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس پاؤں جب پتھروں پر آ جاتے تو وہ پتھر آپ کے پاؤں کے نیچے نرم ہو جاتے۔

حضرت ابوہریرہ وحضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا مَشٰی عَلَی الصَّخْرِ غَاصَتْ قَدَمَاہُ فِیْہِ (بیہقی، ج۱، ص ۲۵۲، ابن عساکر، زرقانی، ج۴، ص ۱۹۷)

کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھروں پر چلتے تو آپ کے پاؤں مبارک کے نشان ان پر لگ جاتے (یعنی وہ آپ کے پاؤں کے نیچے نرم ہو جاتے)

حضرت علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ بَعْضِ الْاَحْیَانِ اِذَا مَشٰی غَاصَ قَدَمُہٗ فِی الْحِجَارَۃِ بِحَیْثُ بَقِیَ ذٰلِکَ اِلَی الْاٰنِ وَارْتَسَمَ فِیْھَا مِثَالُہٗ بِعَیْنِہٖ وَالنَّاسُ تَتَبَرَّکُ بِہٖ وَتَزُرُوْہٗ وَ تَعْظِمُہٗ کَمَا فِی الْقُدْسِ وَ نَقَلَ مِنْہُ فِیْ مِصْرِ فِیْ اَمَاکِنِ مُتَعَدَّدَۃٍ حَتّٰی قِیْلَ اِنَّ السُّلْطَانَ قَاتِبْیَائِیْ اِشْتَرَاہُ بِعِشْرِیْنَ اَلْفَ دِیْنَارًا وَ اَوْصٰی بِجَعْلِہٖ عِنْدَ قَبْرِیْ ھُوَ مَوْجُوْدٌ اِلَی الْاٰنِ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی ننگے پاؤں پتھروں پر چلتے تو پتھر آپ کے مبارک قدموں کے نیچے نرم ہو جاتے اور ان میں بعینہ نشان قدم مبارک پڑ جاتا چنانچہ ان پتھروں کو تبرکاً محفوظ کیا گیا ہے جو کہ اب بھی موجود ہیں۔ بیت المقدس اور مصر میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں اور لوگ ان کی زیارت و تعظیم کرتے ہیں یہاں تک کہ سلطان قاتبیائی نے بیس ہزار دینار سے ایک پتھر خریدا تھا اور وصیت کی تھی کہ اسے میری قبر کے پاس نصب کیا جائے چنانچہ وہ اب تک وہاں موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے نیچے آ کر پتھروں کا نرم ہو جانا اور ان میں نشان

قدم پڑ جانا ایک حقیقت ہے لیکن آج کل کے بعض لوگ اس حقیقت کا بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ اس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ

(آل عمران)

بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا، اور سارے جہان کے واسطے (سر چشمہ) ہدایت ہے، اس میں روشن نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلۡفَضِیۡلَۃُ الثَّانِیَۃُ لِھٰذَا الۡبَیۡتِ مَقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ وَھُوَ الۡحَجَرُ الَّذِیۡ وَضَعَ اِبۡرٰھِیۡمُ قَدَمَہٗ عَلَیۡہِ فَجَعَلَ اللّٰہُ مَا تَحۡتَ قَدَمِ اِبۡرٰھِیۡمَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مِنۡ ذٰلِکَ الۡحَجَرِ دُوۡنَ سَآئِرِ اَجۡزَائِہٖ کَالطِّیۡنِ حَتّٰی غَاصَ فِیۡہِ قَدَمُ اَبۡرٰھِیۡمَ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَ ھٰذَا مِمَّا لَا یَقۡدِرُ عَلَیۡہِ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا یُظۡھِرُہٗ اِلَّا عَلَی الۡاَنۡبِیَآءِ ثُمَّ لَمَّا رَفَعَ اِبۡرَاھِیۡمُ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَدَمَہٗ عَنۡہُ خَلَقَ فِیۡہِ الصَّلَابَۃَ الۡحَجَرِیَّۃَ مَرَّۃً اُخۡرٰی ثُمَّ اَنَّہٗ تَعَالٰی اَبۡقٰی ذٰلِکَ الۡحَجَرَ عَلٰی سَبِیۡلِ الۡاِسۡتِمۡرَارِ وَالدَّوَامِ فَھٰذِہٖ اَنۡوَاعٌ مِّنَ الۡاٰیَاتِ الۡعَجِیۡبَۃِ

کعبہ معظّمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے اور یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ و معجزہ انبیاء ہے پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا، اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے باقی رکھا ہے تو یہ اقسام اقسام کے عجیب وغریب معجزے

وَالْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَةِ اَظْهَرَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ ذٰلِكَ الْحَجَرِ (تفسیر کبیر، ج ۳، ص ۸)

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اَثَرُ قَدَمَیْهِ فِی الْمَقَامِ اٰیَةٌ بَیِّنَةٌ (تفسیر ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر)

ابراہیم علیہ السلام کے دونوں مبارک قدموں کا اس پتھر میں نشان ہو جانا یہ روشن نشانی ہے۔ (جسے اللہ آیات بینات فرما رہا ہے)

اور وہ پتھر ابھی تک مکہ معظّمہ میں مقام ابراہیم علیہ التحیۃ والتسلیم میں موجود ہے، پس ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک قدموں کے نیچے آ کر پتھروں کا نرم ہو جانا ایک حقیقت ہے جس کا انکار جہالت و گمراہی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دفعہ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ مقام ذی المجاز میں تھے، یہ مقام عرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور یہاں ہر سال منڈی لگتی تھی۔ حضرت ابو طالب کو پیاس لگی تو۔

قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَطَشْتُ وَلَیْسَ عِنْدِیْ مَآءٌ فَنَزَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ ضَرَبَ بِقَدَمِهٖ الْاَرْضَ فَخَرَجَ الْمَآءُ فَقَالَ اشْرَبْ (ابن سعد، ج ۱، ص ۱۲۱، ابن عساکر: ۸۶۱۳، شفاء شریف، زرقانی، ج ۵، ص ۱۷۰، اصابہ: ۱۰۱۷۵، سبل الہدی، ج ۲، ص ۱۳۷)

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا اے بھتیجے میں پیاسا ہوں اور میرے پاس پانی نہیں ہے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی سواری سے اترے اور اپنا پاؤں مبارک زمین پر مارا تو زمین سے پانی نکلنے لگا، فرمایا اے چچا پانی پی لو۔

یہ قدم مبارک کا اثر تھا کہ زمین نے قدم مبارک کے اشارے کو سمجھ کر پانی کا چشمہ بہا دیا۔

حضرت ابو طالب کہتے ہیں میں نے سیر ہو کر پیا۔ جب میں پی چکا تو آپ نے اسی جگہ پر (جہاں سے پانی نکل رہا تھا) اپنا مبارک قدم رکھ کر دبایا تو پانی بند ہو گیا۔

(ابن عساکر، ابن سعد، خطیب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم وہ قدم ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مع حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما احد پہاڑ پر کھڑے تھے کہ وہ پہاڑ کانپنے لگا۔

فَضَرَبَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِجْلِهِ فَقَالَ اثْبُتْ أُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّ صِدِّيْقٌ وَّ شَهِيْدَانِ (بخاری شریف: ٣٦٧٥)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا احد ٹھہرا رہ تجھ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

ایک ٹھوکر سے احد کا زلزلہ جاتا رہا رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

(اعلیٰ حضرت)

اور یہی وہ احد پہاڑ ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

هٰذَا جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ (بخاری شریف: ٤٠٨٣)

یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کوہ ثبیر پر کھڑے تھے میں بھی حاضر تھا کہ وہ لرزنے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر پائے مبارک مارا اور فرمایا ٹھہر جا! چنانچہ وہ ٹھہر گیا۔ (نسائی: ٦٤٠٢، ابوداؤد، ترمذی: ٣٧٠٣)

اور یہی وہ قدم مبارک ہیں کہ جس جانور پر آجاتے، اگر وہ سست اور کمزور ہوتا، تو تیز اور چست و چالاک ہو جاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ میری یہ اونٹنی بہت سست اور کم رفتار ہے۔

فَضَرَبَهَا بِرِجْلِهٖ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُهَا تَسْبِقُ الْقَائِدَ (بیہقی، ج٦، ص ١٥٤، سبل الہدی، ج٩، ص ٥١٥)

تو آپ نے اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر لگائی۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کے بعد وہ ایسی تیز ہوگئی کہ کسی کو اپنے آگے نہ بڑھنے دیتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے پر جو بہت ہی سست اور کم رو تھا سوار ہوئے۔

فَكَانَ بَعْدُ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰی (بخاری: ٢٨٦٧، مسلم: ٦٠٠٧، شفاء شریف، ج١، ص ٢١٨، خصائص کبریٰ، ج٢، ص ٦٤، مشکوٰۃ، ص ٥٣٦)

تو اس کے بعد وہ ایسا تیز ہوگیا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ چل سکتا تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میں غزوہ ذات الرقاع میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا، میرا اونٹ کمزور تھا۔ وہ تھک کر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرا اونٹ تھک گیا ہے اس سبب سے پیچھے رہ گیا ہوں، یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری سے اتر پڑے اور اس کو ایک ٹھوکر لگائی۔

فَنَشِطَ حَتّٰی كَانَ مَا يَمْلِكُ زِمَامَهٗ (شفا شریف، سیرت النبویہ، ابن ہشام)

تو وہ ایسا نشاط میں آیا کہ جابر اس کی باگ نہ تھام سکتے تھے۔

یہ آپ کی ٹھوکر کا اثر تھا کہ ایسے مردہ قسم اور کم چال سست جانوروں کو زندہ اور چست و چالاک بنا دیا۔ یوں تو ہر جانور مارنے اور اذیت پہنچانے سے تیز رفتار ہو جاتا ہے مگر اسی وقت تک کہ اس میں درد موجود رہے جس کا تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل اس کے جسم تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی فطرت اور طبیعت پر اثر کرنے والا تھا۔

حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رَكِبَ حِمَارًا قَطُوْفًا لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَرَدَّهَا هِمْلَاجًا لَا يُسَايَرُ (شفاء شریف، ج ۱، ص ۲۱۸، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۶۴)

حضرت سعد بن عبادہ کے بہت سست رفتار گدھے پر سوار ہوئے جب آپ نے اس کو واپس کیا تو وہ ایسا تیز راہوار قدم جاتا تھا کہ کوئی دوسرا گدھا اس کے ساتھ نہ چل سکتا تھا۔

اسی مضمون کی بہت سی احادیث ہیں۔

حضرت علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن چوپاؤں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے۔ آپ کی سواری کی حالت میں انہوں نے کبھی پیشاب وغیرہ نہ کیا اور نہ ہی وہ کبھی بیمار ہوئے۔ (منظومہ فی الفقہ)

امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔

اَنَّ كُلَّ دَآبَّةٍ رَكِبَهَا بَقِيَتْ عَلَى الْقَدْرِ الَّذِىْ عَلَيْهِ وَلَمْ تَهْرُمْ بِبَرَكَتِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۶۴)

کہ وہ تمام جانور جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے آپ کی سواری کی برکت سے وہ ہمیشہ توانا وتندرست رہے اور کبھی کمزور اور ضعیف نہ ہوئے۔

مجھ کو بھی پائے مال کر عمر تیری دراز ہو
مست خرام ناز ادھر مشق خرام ناز ہو

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اِشْتَكٰى عَلِيُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اشْفِهٖ اَوْ عَافِهٖ ثُمَّ ضَرَبَهٗ بِرِجْلِهٖ فَمَا اشْتَكٰى ذٰلِكَ الْوَجَعَ بَعْدُ (بیہقی، ج ۶، ص ۱۷۹، وشفاء شریف، ابونعیم، دلائل النبوۃ: ۴۷۳)

کہ ایک دفعہ شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ بیمار ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر کہ اے اللہ اسے شفا دے اور صحت بخش، اپنا پائے مبارک ان کو مارا تو انہیں اسی وقت صحت ہو گئی اور ازاں بعد کبھی بیمار نہ ہوئے۔

ٹھوکر کا اثر یہ ہوا کہ اسی وقت بیماری دور ہوگئی اور اس کے بعد کبھی بیمار نہ ہوئے۔ یہ تھی تاثیر ان کے مبارک قدموں کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَاَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ عَلَی الْمِنْبَرِ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ حَتّٰی بَلَغَ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ فَقَالَ الْمِنْبَرُ ھٰکَذَا فَجَآءَ وَ ذَھَبَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (بزار: ۵۳۹۸، ابن عدی، حاکم، خصائص کبریٰ، ج ۲،ص ۷۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر جلوہ افروز ہوکر یہ آیت پڑھی۔ ’’ وما قدرو اللہ حق قدرہ حتی بلغ عما یشرکون‘‘۔ پر پہنچے تو منبر سے آواز آئی ایسا ہی ہے یعنی یہ صحیح ہے اور تین بار آگے پیچھے ہوا، گویا شان جلالی برداشت نہیں کرسکا اور لرزتا رہا۔

ان کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
ان کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک وہ مقدس قدم ہیں جو شب معراج عرش کے اوپر تھے ۔

زہے عزت و اعتلائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور ان ہی مبارک قدموں کی برکت سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو شرف زائد حاصل ہوا اور یہی وہ مبارک قدوم میمنت لزوم ہیں جنہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بوسہ دیا کرتے تھے۔

حضرت ذراع فرماتے ہیں کہ ہم ایک وفد کی صورت میں مدینہ منورہ آئے۔

فَنُقَبِّلُ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَہٗ (مشکوٰۃ شریف: ۴۶۸۸)

تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومے۔

حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

فَاَخَذْنَا بِیَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ نُقَبِّلُھَا (بخاری فی الادب المفرد، ص ۱۴۴)

تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

سَاَلَ اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰیَةً فَقَالَ لَہٗ قُلْ لِتِلْكَ الشَّجَرَةِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْكِ قَالَ فَمَالَتِ الشَّجَرَةُ عَنْ یَّمِیْنِھَا وَ شِمَالِھَا وَ بَیْنَ یَدَیْھَا وَ خَلْفَھَا فَقَطَعَتْ عُرُوْقُھَا ثُمَّ جَآءَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ تَجُرُّ عُرُوْقَھَا مُغْبَرَّةً حَتّٰی وَقَعَتْ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتِ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْاَعْرَابِیُّ مُرْھَا فَلْتَرْجِعْ اِلٰی مَنْبَتِھَا فَرَجَعَتْ فَدَلَّتْ عُرُوْقَھَا فَاسْتَوَتْ فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ اِئْذَنْ لِیْ اَسْجُدُ لَكَ قَالَ لَوْ اَمَرْتُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا قَالَ فَاْذَنْ لِیْ اَنْ اُقَبِّلَ یَدَیْكَ وَرِجْلَیْكَ فَاَذِنَ لَہٗ

(شفاء شریف، دلائل النبوۃ ابونعیم:۲۹۱)

ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا کہ اس درخت سے کہہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ کو بلاتے ہیں۔ اس نے جب کہا تو وہ درخت اپنے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے جھکا تو اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں تو وہ زمین کھودتا اور اپنی جڑیں کھینچتا اور خاک اڑاتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ السلام علیک یا رسول اللہ! اعرابی بولا کہ آپ اسے حکم فرمایئے کہ یہ اسی جگہ پر لوٹ جائے۔ آپ کے حکم پر وہ لوٹ گیا اور اپنی جڑوں پر جا کر سیدھا کھڑا ہو گیا، اعرابی نے کہا مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں فرمایا اگر کسی کو میں یہ حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اعرابی نے عرض کیا پھر حضور مجھے اپنے ہاتھ اور پاؤں ہی چومنے کی اجازت دیں تو آپ نے اس کو اجازت دے دی۔

جَآءَتْ لِدَعْوَتِہِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً ۔۔۔ تَمْشِیْ اِلَیْہِ عَلٰی سَاقٍ بِلَا قَدَمٖ

(قصیدہ بردہ شریف)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رَاَيْتُ عَلِيًّا يُقَبِّلُ يَدَ الْعَبَّاسِ وَ رِجْلَيْهِ — میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ آپ نے حضرت عباس کے ہاتھ اور پاؤں چومے (بخاری فی الادب المفرد، ص ۱۴۴)

حضرت ابن جدعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت نے حضرت انس سے کہا۔

اَمَسَسْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَبَّلَهَا — کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا ہاتھ ملایا ہے؟ فرمایا ہاں! تو انہوں نے ان کے ہاتھ کو چوم لیا۔ (بخاری فی الادب، ص ۱۴۴)

ثابت ہوا کہ ازراہ تعظیم ومحبت بزرگان دین کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دینا جائز بلکہ مسنون ہے۔

بعض لوگ بزرگان دین کے ہاتھوں اور پاؤں کے چومنے کو شرک اور پوجا کہہ دیا کرتے ہیں ان کو مذکورہ بالا صحیح روایات میں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ اگر دست بوسی وقدم بوسی شرک یا پوجا وغیرہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے اور نہ ہی صحابہ کرام اس کو کبھی کرتے، معلوم ہوا کہ دست بوسی وقدم بوسی تعظیم ہے عبادت و پوجا نہیں۔ اگر اس کو عبادت کہا جائے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غیر اللہ کی عبادت کی اجازت دینے اور صحابہ کرام پر غیر اللہ کی عبادت کرنے کا معاذ اللہ الزام عائد ہوتا ہے؟ حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس دین حق کو لے کر آئے تھے اس دین کی بنیادی تعلیم ہی یہ ہے لا الہ الا اللہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے ہی نہیں؟ ثابت ہوا کہ دست وقدم بوسی ہرگز ہرگز عبادت نہیں بلکہ تعظیم ہے جو قطعاً جائز ہے۔ عبادت تو اسی وقت ہوتی ہے جب کسی کو الہٰ معبود اور اوصاف الوہیت سے موصوف مانتے ہوئے بہ نیت عبادت اس کے آداب بجالائے جائیں اور کوئی مسلمان اللہ کے سوا کسی کو الہ یا معبود نہیں مانتا بلکہ صدق دل سے کہتا ہے لا الہ الا اللہ پھر اس پر غیر اللہ کی عبادت یا پوجا کرنے کرانے کا الزام کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

نیز دست وقدم بوسی بغیر جھکے ہو ہی نہیں سکتی تو معلوم ہوا مطلقاً جھکنا شرک تو کیا ناجائز بھی

نہیں ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ ورکوع کرنا بہ نیت تعظیم بھی حرام وممنوع ہے لیکن قدم بوسی کے لیے جھکنا حرام وناجائز نہیں کیونکہ نیت سجدہ ورکوع کی نہیں ہوتی۔

اور یہی وہ مبارک پاؤں ہیں جو قیام شب میں ورم کر آتے تھے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی انْتَفَخَتْ قَدَمَاہُ فَقِیْلَ لَہٗ اَتَتَکَلَّفُ ھٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (ترمذی:۴۱۲)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے یہاں تک کہ آپ کے مبارک پاؤں ورم کر آتے تھے، آپ سے عرض کیا گیا آپ یہ تکلیف و مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کی جو خطائیں ہیں، بخش دی ہیں، فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

ماند شب ہا چشم او محروم نوم تا بہ تخت خسروی خوابید قوم

فوائد

(۱) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک بہت ہی خوبصورت بابرکت اور نافع ہیں اور بیماریوں اور کمزوریوں کے دفع کرنے والے ہیں۔

(۲) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے نیچے پتھر نرم ہو جاتے تھے اور یہ آپ کا معجزہ تھا۔

(۳) یہ کہ جس پتھر یا جس جگہ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک آئے، وہ قابل تعظیم ہے مومن اس کی تعظیم کرتے ہیں اور نفع وبرکت حاصل کرتے ہیں۔

(۴) یہ کہ حضور چاہتے تو اپنے مبارک قدموں کی ایک ٹھوکر سے چشمے جاری فرما دیتے۔

(۵) یہ کہ بزرگان دین کے ہاتھوں پاؤں کو تعظیماً بوسہ دینا جائز، بلکہ مسنون ہے۔



قدمبارک

قد بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظل ممدود و رافت پہ لاکھوں سلام
طائران قدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے سر سروراں خم رہیں
اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ بہت لمبے تھے اور نہ کوتاہ، بلکہ میانہ قد مائل بہ درازی تھے مگر جب لوگوں کے سامنے ہوتے تو سب سے بلند و سرفراز ہوتے، حقیقت میں یہ آپ کا معجزہ تھا جب علیحدہ ہوتے تو میانہ قد مائل بہ درازی ہوتے اور جب اوروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے تو سب سے بلند دکھائی دیتے تا کہ باطن کی طرح ظاہر میں بھی آپ سے کوئی اونچا یا بڑا معلوم نہ ہو۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا رَاَیْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّۃٍ فِیْ حُلَّۃٍ حَمْرَآءَ اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَہٗ شَعْرٌ یَّضْرِبُ مَنْکِبَیْہِ بُعَیْدُ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ لَمْ یَکُنْ بِالْقَصِیْرِ وَلَا بِالطَّوِیْلِ (ترمذی: ۱۷۲۴، مشکوٰۃ: ۵۷۸۳)

میں نے کوئی شخص لمبے بالوں والا سرخ حلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خوبصورت نہیں دیکھا آپ کے بال کندھوں کے قریب پہنچتے تھے، آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا، آپ نہ پست قد اور نہ دراز قد تھے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصف بیان کرتے تو فرماتے۔

لَمْ یَکُنْ بِالطَّوِیْلِ الْمُمَغِّطِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَکَانَ رَبْعَۃً مِّنَ الْقَوْمِ وَلَمْ یَکُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ کَانَ جَعْدًا رَّجِلًا وَلَمْ یَکُنْ بِالْمُطَھَّمِ وَلَا بِالْمُکَلْثَمِ وَکَانَ فِی الْوَجْہِ تَدْوِیْرٌ اَبْیَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَیْنَیْنِ اَھْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِیْلُ الْمُشَاشِ وَالْکَتَدِ اَجْرَدُ ذُوْ مَسْرُبَۃٍ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ اِذَا مَشٰی یَتَقَلَّعُ کَاَنَّمَا یَمْشِیْ فِیْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ

آپ نہ تو دراز قد تھے اور نہ پست قد، بلکہ متوسط قامت تھے۔ آپ کے بال نہ بہت گھونگریالے اور نہ بالکل سیدھے کچھ بل کھائے ہوئے تھے، آپ کا چہرہ گولائی کے ساتھ نہ پتلا تھا نہ موٹا، رنگ بالکل سفید نہ تھا بلکہ اس کی سفیدی میں سرخی تھی، آپ کی آنکھیں سیاہ اور پلکیں دراز تھیں، آپ کے اعضاء کے جوڑ قوی اور شانے مضبوط تھے آپ کے جسم پر بال نہ تھے، صرف

مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَاَكْرَمُهُمْ عَشِيْرَةً مَنْ رَّاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَهٗ وَ مَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ يَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (خصائص کبریٰ، ج۱،ص ۷۲،ترمذی: ۳۶۳۸،مشکوٰۃ:۵۷۹۱)

بالوں کی ایک دھاری تھی ناف سے سینہ تک، گویا کہ وہ ایک شاخ ہے، ہاتھ اور پاؤں مضبوط وقوی و پر گوشت تھے۔ جب چلتے تو قوت و وقار سے چلتے گویا کہ آپ ڈھلان والی زمین پر نشیب کی طرف جا رہے ہیں ادھر ادھر دیکھتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے، دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔ لوگوں میں بڑے سخی کشادہ دل تھے، قول میں سب سے زیادہ سچے، طبیعت میں سب سے زیادہ نرم، شرف و بزرگی میں سب سے زیادہ مکرم تھے جو بھی آپ کو یکا یک دیکھتا، اس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور جو آپ سے ہم کلام ہوتا اور اختلاط رکھتا اس کے دل میں محبت پیدا ہو جاتی غرض کہ آپ کی تعریف کرنے والا کہتا کہ آپ کی مثل نہ آپ سے پہلے (کسی نے) دیکھا، اور نہ بعد میں، آپ پر اللہ کا درود وسلام ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالذَّاهِبِ طُوْلًا وَّ فَوْقَ الرَّبْعَةِ اِذَا جَامَعَ الْقَوْمَ غَمَرَهُمْ (احمد: ۱۳۰۰۰، زرقانی علی

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لمبے نہیں تھے مگر جب لوگوں کے ساتھ ہوتے تو سب سے اونچے ہوتے۔

المواہب، ج ۴، ص ۱۹۸، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۷۴)

امام ابن سبع اور رزین نے آپ کے خصائص میں ذکر فرمایا ہے۔

اَنَّهٗ كَانَ اِذَا جَلَسَ يَكُوْنُ كَتِفُهٗ عَلٰى مِنْ جَمِيْعِ الْجَالِسِيْنَ (زرقانی، ج ۴، ص ۲۰۰، سبل الہدی، ج ۲، ص ۸۳)

جب آپ لوگوں میں بیٹھتے تو آپ کا کندھا سب سے اونچا ہوتا۔

ع اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ ہمارے یہاں ایک اونٹ ہے جو سخت حملہ کرتا ہے اور کسی کی طاقت نہیں کہ اس کو نکیل ڈال سکے۔

فَقَامَ مَعَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَ قُمْنَا مَعَهٗ فَاَتٰى ذٰلِكَ الْبَابَ فَفَتَحَهٗ فَلَمَّا رَاٰهُ الْجَمَلُ جَآءَ اِلَيْهِ فَسَجَدَ لَهٗ وَوَضَعَ جِرَانَهٗ فَاَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِهٖ فَمَسَحَهٗ ثُمَّ دَعَا بِالْخِطَامِ فَخَطَمَهٗ ثُمَّ دَفَعَهٗ اِلٰى صَاحِبِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ قَدْ عَرَفَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّكَ نَبِيُّ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَعْرِفُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ غَيْرُ كَفَرَةِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (دلائل النبوت ابونعیم، ص ۲۷۹، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۵۸، مسند احمد: ۱۴۳۳۳)

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھ کر چلے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر دروازہ کھولا۔ جوں ہی اونٹ نے آپ کو دیکھا آپ کی طرف آیا اور آ کر سجدہ کیا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے سر کو پکڑ کر اس پر اپنا دست مبارک پھیرا پھر رسی منگوائی اور اس کو نکیل ڈالی اور انصاری کے ہاتھ میں دے دیا، حضرت ابوبکر و عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک وہ پہچان گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا کوئی چیز ایسی نہیں جو یہ نہ پہچانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے کفار جن و انس کے۔

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ایک شخص نے ایک اونٹ خرید کر اس کو ایک محصور مقام میں داخل کیا، جب اس کو کام میں لگانا چاہا تو اس نے شرارت شروع کی اور جو کوئی اس کے نزدیک جاتا وہ اس پر حملہ کرتا۔

فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لَهٗ قَالَ افْتَحُوْا عَنْهُ فَقَالُوْا اِنَّا نَخْشٰى عَلَيْكَ مِنْهُ قَالَ افْتَحُوْا عَنْهُ فَفَتَحُوْا فَلَمَّا رَاٰهُ الْجَمَلُ خَرَّ سَاجِدًا فَسَبَّحَ الْقَوْمُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِالسُّجُوْدِ مِنْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ قَالَ لَوْ يَنْبَغِىْ لِشَىْءٍ مِّنَ الْخَلْقِ اَنْ يَّسْجُدَ لِشَىْءٍ دُوْنَ اللّٰهِ لَتَنْبَغِىْ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (دلائل النبوت ابونعیم، ص ۲۸۲، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۵۷، سبل الہدیٰ، ج ۹، ص ۵۱۳)

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور حضور کی خدمت میں اس کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا دروازہ کھول دو تو لوگوں نے کہا کہ ہمیں خوف ہے کہ وہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے، فرمایا بے خوف ہو کر کھول دو چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب اونٹ نے آپ کو دیکھا فوراً سجدہ میں گر گیا لوگوں نے سبحان اللہ کہا پھر لوگ کہنے لگے یا رسول اللہ جب جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ سجدہ کیا کریں، فرمایا کہ اگر یہ جائز ہوتا کہ کوئی مخلوق کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورت کو جائز ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ایک انصاری کا اونٹ سرکش ہو کر بھاگ گیا وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا اونٹ سرکش ہو کر بھاگ گیا ہے اور مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے نزدیک جا سکوں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے ہلاک کر دے گا، یہ سن کر

فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ فَلَمَّا نَظَرَ الْبَعِيْرُ اِلٰى رَسُوْلِ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اونٹ کی طرف چلے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ یُحَمْحِمُ وَاَلْقٰی بِجِرَانِہٖ حَتّٰی بَرَكَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجَعَلَ عَیْنَاہُ تَسِیْلَانِ فَقَالَ یَا فُلَانُ اَرٰی بَعِیْرَكَ یَشْکُوْكَ فَاَحْسِنْ اِلَیْہِ فَجَآءَ بِحَبَلٍ فَاَلْقَاءُ فِیْ رَاسِہٖ (احمد: ۱۲۶۱۴، بزار، ابونعیم: ۲۸۶، خصائص، ج ۲، ص ۵۸)

جب اونٹ کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو آواز کرتا ہوا آیا اور آ کر حضور کے آگے سجدہ میں گر گیا اور گردن زمین پر رکھ دی، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاری سے فرمایا، یہ اونٹ تمہاری شکایت کرتا ہے اس کے ساتھ اچھا سلوک رکھو، پھر رسی لے کر اس کے سر میں ڈال دی اور اس کے حوالے کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، آپ کے ہمراہ حضرات ابوبکر و عمر اور بہت سے انصاری بھی تھے، اس باغ میں بکریاں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی بکریوں نے سجدہ کیا۔

فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَحْنُ اَحَقُّ بِالسُّجُوْدِ لَكَ مِنْ ھٰذِہِ الْغَنَمِ! قَالَ اِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ مِنْ اُمَّتِیْ اَنْ یَّسْجُدَ اَحَدٌ لِاَحَدٍ وَلَوْ کَانَ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّسْجُدَ اَحَدٌ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا (دلائل النبوت، ص ۳۲۷، ابونعیم، خصائص کبریٰ، ج ۲، ص ۶۱، زرقانی علی المواہب، ج ۵، ص ۱۴۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان بکریوں سے زیادہ ہمیں حق ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ فرمایا میری امت میں کسی کو جائز نہیں کہ (اللہ کے سوا) کسی اور کو سجدہ کرے اگر کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم کرتا کہ عورت اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

سلام اس پر کہ جس کے جسم اطہر کا نہ تھا سایہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قامت زیبا کا سایہ نہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بشری جسم اقدس کو ایسا لطیف و نظیف اور پاکیزہ و برگزیدہ بنایا تھا کہ اس میں کسی قسم کی عنصری اور مادی کثافت نہ تھی، بلاشبہ آپ کا جسم اقدس تمام مادی کثافتوں سے پاک اور سراپا نور تھا۔ اسی

لیے آپ کی شان میں نور اور سراج منیر فرمایا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَ نُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَ نُوْرًا مِّنْ خَلْفِیْ وَ نُوْرًا عَنْ یَّمِیْنِیْ وَ نُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ فَوْقِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ تَحْتِیْ وَ نُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ اَللّٰھُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا

(ترمذی: ۳۴۱۹، کتاب الدعوات)

اے اللہ کر دے میرے لیے میرے دل میں نور، اور میری قبر میں نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے کانوں میں نور اور میری آنکھوں میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میری جلد میں نور، میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میری ہڈیوں میں نور اے اللہ تعالیٰ میرے لیے بہت ہی زیادہ نور کر دے اور مجھ کو نور عطا کر دے اور مجھ کو نور رکھ [۱]۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ آپ کے جسم پاک کا ہر عضو نور ہے۔ جب آپ

---

[۱]۔ اور اس دعا سے یہ مقصود نہ تھا کہ نور ہونا ابھی حاصل نہ تھا اور اس کا حصول مانگتے تھے، بلکہ یہ دعا اس امر کے ظاہر فرمانے کے لیے تھی کہ واقع میں حضور کا تمام جسم پاک نور ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہدایت پر ہونا قرآن سے ثابت ہے انك لمن المرسلين على صراط مستقيم بلکہ فرمایا وانك لتهدی الى صراط مستقيم مگر باوجود اس کے ہر نماز میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہہ کر بارگاہ رب العزت میں دعا کیا کرتے تھے، کیا آپ کا یہ دعا کرنا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اس لیے تھا کہ آپ ہدایت پر نہ تھے؟ (نعوذ باللہ) نہیں! بلکہ جس طرح آپ اس دعا سے پہلے بھی ہدایت پر تھے بلکہ ہادی تھے مگر پھر بھی دعا فرماتے تھے، اسی طرح آپ اس نورانی دعا سے پہلے بھی نور تھے، بلکہ منیر تھے جاء کم من اللہ نور اور سراجا منیرا مگر پھر بھی دعا فرمائی کہ اے اللہ مجھے نور علی نور کر دے۔ ربنا وجعلنا مسلمين لك الخ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی۔ کیا یہ دعا کرتے ہوئے یا اس سے پہلے وہ مسلمان نہیں تھے۔ (نعوذ باللہ) آیت شریف میں وجعلنا ہے اور حدیث شریف میں واجعل ہے، آیت میں معنی یہی ہے کہ ہمیں مسلمان رکھ اور حدیث میں یہ کہ مجھے نور رکھ۔ (کوکب غفرلہ)

کے جسم مبارک کا ہر ہر عضو نور اور پھر اس کے بھی دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے، اندر باہر نور ہی نور ہے تو پھر سایہ کیسے ہوسکتا تھا؟ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی جسم کے آگے پیچھے، دائیں بائیں، نیچے اوپر اندر باہر روشنی کر دیں تو باوجود اس کے کہ وہ جسم اپنے طول و عرض کے ساتھ موجود ہوگا مگر اس کا سایہ نہیں ہوگا ؎

سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا

(اعلیٰ حضرت)

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّ اللّٰہَ مَا اَوْقَعَ ظِلَّكَ عَلَی الْاَرْضِ لِئَلَّا یَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَہٗ عَلٰی ذٰلِكَ الظِّلِّ

(تفسیر مدارک صفہ ۳۲۱)

کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا بے شک اللہ تعالیٰ نے حضور کا سایہ زمین پر نہ ڈالا کہ کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔

سیدنا امام اجل حضرت عبداللہ بن مبارک اور علامہ حافظ ابن جوزی محدث رحمہا اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں۔

لَمْ یَكُنْ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ وَلَمْ یَقُمْ مَّعَ الشَّمْسِ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ وَلَمْ یَقُمْ مَّعَ سِرَاجٍ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَ السِّرَاجِ (جمع الوسائل للقاری، ج۱ص۱۷۶، زرقانی علی المواہب، ج۴، ص ۲۲۰ وشرح شمائل للمناوی، ص ۴۷، الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف عبدالرزاق: ۴)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ آپ کا نور آفتاب کی روشنی پر غالب آ گیا اور نہ قیام فرمایا، چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ آپ کس تابش نور نے اس کی چمک کو دبا لیا۔

حضرت ذکوان تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَكُنْ یُرٰی لَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں نظر آتا نہ چاندنی میں۔

(ترمذی فی نوادر الاصول، زرقانی علی المواہب،

ج ۴، ص ۲۴۰، سبل الہدی، ج ۲، ص ۹۰)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں اس معنی میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا، ایک باب وضع فرمایا اور اس میں حدیث ذکوان نقل کر کے فرمایا۔

قَالَ ابْنُ سَبُعٍ مِّنْ خَصَآئِصِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ ظِلَّہٗ کَانَ لَا یَقَعُ عَلَی الْاَرْضِ وَاِنَّہٗ کَانَ نُوْرًا فَکَانَ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا یُنْظَرُ لَہٗ ظِلٌّ (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۰۲، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۸، سبل الہدی، ج ۲، ص ۹۰)

کہ ابن سبع نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور آپ محض نور تھے۔ جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَمَا ذُکِرَ مِنْ اَنَّہٗ کَانَ لَا ظِلَّ لِشَخْصِہٖ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا وَّاَنَّ الذُّبَابَ کَانَ لَا یَقَعُ عَلٰی جَسَدِہٖ وَلَا ثِیَابِہٖ (شفاء شریف، ج ۱، ص ۲۴۲)

کہ آپ کے دلائل نبوت و رسالت میں سے یہ بات بھی مذکور ہوئی ہے کہ آپ کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں اس لیے کہ آپ نور تھے اور مکھی آپ کے جسم اور لباس پر نہ بیٹھتی تھی

علامہ امام شہاب الدین خفاجی مصری اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ مبارک بہ سبب آپ کی کرامت وفضیلت کے زمین پر نہ ڈالا گیا، اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی آپ کے سائے میں آرام کرتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں، بہ تحقیق قرآن کریم ناطق ہے کہ آپ نور روشن ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (نسیم الریاض)

حضرت مولانائے روم علیہ رحمۃ اللہ القیوم فرماتے ہیں۔

چوں فناش از فقر پیرا یہ شود او محمد دار بے سایہ شود

مولانا بحرالعلوم اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

در مصرع ثانی اشارہ بہ معجزہ آں سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ آں سرور را سایہ نہ می افتاد

کہ مصرع ثانی میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ حضور کا سایہ نہ تھا۔

علامہ امام احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَمْ یَکُنْ لَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ

کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں۔

(مواہب لدنیہ، ج ۲، ص ۸۵، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۰)

علامہ امام محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لَمْ یَکُنْ لَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ لِاَنَّہٗ کَانَ نُوْرًا

(زرقانی، ج ۴، ص ۲۲۰)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں تھا اور نہ چاندنی میں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ نور تھے۔

علامہ حسین بن محمد دیار بکری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَمْ یَقَعْ ظِلُّہٗ عَلَی الْاَرْضِ وَلَا رُءِیَ لَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ (تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس، ج ۱، ص ۲۱۹)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا نہ دھوپ میں نظر آتا نہ چاندنی میں۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَ مِمَّا یُؤَیِّدُ اَنَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَارَ نُوْرًا اَنَّہٗ کَانَ اِذَا مَشٰی فِی الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا یَظْھَرُ لَہٗ ظِلٌّ لِاَنَّہٗ لَا یَظْھَرُ اِلَّا لِلْکَثِیْفِ وَھُوَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور محض ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دھوپ یا چاندنی میں آپ کا سایہ نہ ہوتا تھا اس لیے کہ سایہ تو کثیف کا ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ

خَلَصَهُ اللّٰهُ مِنْ سَآئِرِ الْكَثَافَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ وَ صَيَّرَهُ نُوْرًا صِرْفًا لَا يَظْهَرُ لَهُ ظِلٌّ اَصْلًا (افضل القریٰ)	تعالیٰ نے تمام جسمانی کثافتوں سے خالص کر کے نرا نور کر دیا تھا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سایہ اصلاً نہ تھا۔

علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

لَمْ يَكُنْ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ يَّظْهَرُ فِيْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ (فتوحات احمدیہ)	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا اور نہ چاندنی میں۔

شیخ المحدثین شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ونہ بود مر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را سایہ نہ در آفتاب ونہ در قمر (مدارج النبوت، ص۲۶)	کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں تھا نہ چاندنی میں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

او را صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نبود در عالم شہادت سایۂ ہر شخص از شخص لطیف تر ست چوں لطیف تراز وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد؟ (مکتوبات شریف)	کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا کیونکہ عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ لطیف کوئی چیز جہاں میں نہیں ہے، لہٰذا حضور کا سایہ کیسے ہوسکتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

سایہ ایشاں برزمیں نمی افتاد (تفسیر عزیزی سورہ والضحیٰ)	کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اولیاء اللہ گفتہ اند اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا وَ اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا یعنی ارواح ما کارا اجساد می کنندو گاہے اجساد از غایت	کہ اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے اجساد ہیں اور ہمارے اجساد ہماری روحیں ہیں یعنی کبھی تو ہماری

لطافت برنگ ارواح می برآید ومی گویند کہ رسول خدارا سایہ نبود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(تذکرۃ الموتیٰ والقبور، ص ۳۱)

روحیں جسموں کا کام کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم انتہائی لطافت اختیار کر کے روح کے رنگ میں ظاہر ہو جاتے ہیں (چنانچہ کہتے ہیں) کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

مخالفین کے سردار جناب رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ درشان حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرمود کہ آمدہ نزد شما از طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراد از نور ذات پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز فرمود کہ اے نبی ترا شاہد ومبشر ونذیر وداعی الی اللہ وسراج منیر فرستادہ ایم ومنیر روشن کنندہ ونور دہندہ را گویند پس اگر کسے را روشن کردن از انساناں محال بودے آں ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را ہم ایں امر میسر نیامدے کہ آں ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم از جملہ اولاد آدم علیہ السلام اند مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات خود راچناں مطہر فرمود کہ نور خالص گشتند وحق تعالیٰ آں جناب سلامہ علیہ را نور فرمود بہ تواتر ثابت شد کہ آں حضرت عالی سایہ نہ داشتند وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند (امداد

کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین آئی، نور سے مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو شاہد ومبشر ونذیر وداعی الی اللہ اوسراج منیر بنا کر بھیجا ہے اور منیر روشن کرنے والے اور نور دینے والے کو کہتے ہیں، پس انسانوں میں سے کسی کو اگر روشن کرنا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے یہ امر میسر نہ ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک اگرچہ جملہ اولاد آدم علیہ السلام سے ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات پاک کو ایسا مطہر فرمایا کہ نور خالص ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور

السلوک ص ۸۵) فرمایا ہے اورتواتر سے ثابت ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

جناب اشرفعلی تھانوی فرماتے ہیں:

یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہیں تھا (اس لیے) کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرتا پا نور ہی نور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ظلمت نام کو بھی نہ تھی اس لیے آپ کے سایہ نہ تھا کیونکہ سایہ کے لیے ظلمت لازمی ہے۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ، ص ۳۹)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، علماء، صوفیاء سب کا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر کا سایہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عقیدہ پر قائم رکھے۔ آمین

آج کل کے بعض سائنسدان، فلسفی اور خشک ملا محض نافہمی کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں کہ جسم ہو اور اس کا سایہ نہ ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم ہونا مسلم ہے تو سایہ کا ہونا ضروری ہے [۱]۔

ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر جسم کا سایہ نہیں ہوا کرتا بہت سے اجسام لطیفہ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا سایہ نہیں ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا شبہ مجسم تھے مگر آپ کا جسم ہماری روحوں سے بڑھ کر لطیف و پاکیزہ تھا، آپ مجسم نور تھے اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا۔

عاصیوں کو چھپائے محشر میں حق نے یوں ہے اٹھا لیا سایہ

---

[۱] سائنس کے اصولوں کے تحت بھی وہ بتائیں کہ کسی جسم کا سایہ کیوں ہوتا ہے؟ سورج کے نور اور نبی پاک کے نور ہونے کی شان سے کامل واقفیت کے بعد یہ حقیقت ان پر کھل جائے گی کہ وہ وجوہات جو جسم کا سایہ پیدا کرتی ہیں ان کی گنجائش اس پُرنور لطیف ترین ذات میں نہیں تھی۔ (کوکب غفرلہ)

فوائد

(۱) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا نور تھے اور آپ کا سایہ نہ تھا۔

(۲) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر تمام کثافتوں سے پاک تھا۔

(۳) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور آفتاب و ماہتاب کی روشنی پر غالب تھا۔



پسینہ مبارک

شبنم باغ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام
بھینی بھینی مہک پر مہکتی درود
پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)



حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک ذاتی وصف یہ بھی تھا کہ خوشبو لگائے بغیر آپ کے بدن سے ہمیشہ خوشبو آتی کہ کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کرتی تھی، آپ کا پسینہ مبارک بھی بہت ہی خوشبو دار ہوتا تھا۔ بوجہ لطافت آپ کے بدن مبارک پر کپڑا میلا نہ ہوتا تھا۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ سے اس قدر تیز خوشبو کستوری کی مانند آئی کہ سارا گھر مہک گیا۔ (زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَلَا شَمِمْتُ مِسْكَةً وَّلَا عَبِيْرَةً اَطْيَبَ رَآئِحَةً مِّنْ رَآئِحَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری شریف: ۱۹۷۳، مسلم: ۶۰۵۴)

میں نے عبیر، کستوری اور کسی خوشبو کو بوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوشبو دار نہ پایا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا۔

فَوَجَدْتُ لِيَدِهٖ بَرْدًا وَّرِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ

(مسلم شریف: ۶۰۵۲)

تو میں نے آپ کے دست مبارک کو برف کی طرح ٹھنڈا اور ایسا خوشبو دار پایا کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچہ سے نکالا ہے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب

كُنْتُ اُصَافِحُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ يَمَسُّ جِلْدِىْ جِلْدِهٖ فَاَتَعَرَّفُهٗ بَعْدُ فِىْ يَدِىْ وَاِنَّهٗ لَاَطْيَبُ رَآئِحَةً مِّنَ الْمِسْكِ

(طبرانی: ۶۸، بیہقی، ج ۱، ص ۲۵۷، زرقانی علی

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصافحہ کرتا یا میرا بدن آپ کے ساتھ مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد میں اپنے ہاتھوں میں پاتا کہ وہ کستوری سے زیادہ خوشبو دار ہوتے۔

المواہب، ج ۴، ص ۱۸۳)

حضرت جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ کر تشریف لائے۔

فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُوْنَ يَدَيْهِ فَيَمْسَحُوْنَ بِهَا وُجُوْهَهُمْ قَالَ فَاَخَذْتُ بِيَدِهٖ فَوَضَعْتُهَا عَلٰى وَجْهِيْ فَاِذَا هِيَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَاَطْيَبُ رَآئِحَةً مِّنَ الْمِسْكِ (بخاری شریف: ۳۵۵۳)

تو لوگ آپ کے مبارک ہاتھوں کو اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ میں نے بھی آپ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑا۔

فَاِذَا هِيَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَاَطْيَبُ رِيْحًا مِّنَ الْمِسْكِ (بیہقی، ج ۱، ص ۲۵۶، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۷)

تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں۔

وَ يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰى رَاْسِ الصَّبِيِّ فَيُعْرَفُ مِنْ بَيْنَ الصِّبْيَانِ بِرِيْحِهَا (شفاء شریف، ج ۱، ص ۴۰، سبل الہدی، ج ۲، ص ۸۵)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بچہ کے سر پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیتے وہ ہاتھ کی خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں میں ممتاز ہو جاتا۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے سوار کیا تو میں نے آپ کی مہر نبوت کو مونھ میں لیا۔

فَكَانَ يَنِمُّ عَلَيَّ مِسْكًا

تو مجھ پر کستوری کی سی خوشبو پھیلی۔

(شفاء شریف، ج ۱، ص ۴۰)

چونکہ آپ کا بدن شریف قدرتی طور پر انتہائی خوشبودار تھا، اس لیے بدن شریف کا پسینہ مبارک بھی بے حد خوشبودار تھا، چنانچہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

كَانَ عَرَقُهُ فِيْ وَجْهِهِ مِثْلَ اللُّؤْلُوءِ اَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ (سبل الهدی، ج ۲،ص ۸۵، ابو نعیم :۵۶۶،خصائص کبریٰ، ج ۱،ص ۶۷)

کہ آپ کو پسینہ آتا تو پسینہ کے قطرے چہرۂ مبارک سے موتیوں کی طرح گرتے جو کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ اَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (شمائل ترمذی، بخاری:۳۵۶۱)

میں نے کبھی کوئی کستوری اور کبھی کوئی عطر ایسا نہیں سونگھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک سے زیادہ خوشبودار ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَزْهَرَ اللَّوْنِ كَانَ عَرَقُهُ اللُّؤْلُوءِ (بخاری، دارمی: ۶۲، مسلم: ۲۰۵۴)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ سفید و روشن تھا، پسینہ کی بوند آپ کے چہرہ پر ایسی نظر آتی جیسے موتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی دوپہر کے وقت ہمارے گھر تشریف لاکر آرام فرماتے جب آپ سوجاتے تو آپ کو پسینہ آجاتا اور میری والدہ پسینہ مبارک کی بوندوں کو شیشی میں جمع کر لیتیں۔ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرتے دیکھا تو فرمایا اے ام سلیم یہ کیا کرتی ہو؟

قَالَتْ هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِيْ طِيْبِنَا وَهُوَ مِنَ اَطْيَبِ الطِّيْبِ (بخاری: ۶۲۸۱، مسلم: ۲۰۵۵،مشکوۃ:۵۷۸۸،بیہقی، ج ۱،ص ۲۵۸)

انہوں نے عرض کیا یہ حضور کا پسینہ ہے ہم اسے عطر میں ملالیں گے اور یہ تو سب عطروں اور خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبودار ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ مجھے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا ہے اور میرے پاس خوشبو نہیں ہے، آپ کچھ خوشبو عنایت فرمادیں۔فرمایا کل ایک کھلے منہ والی شیشی لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی لے آیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس

میں پسینہ ڈالنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ بھر گئی پھر فرمایا کہ اسے لے جا اور بیٹی سے کہہ دینا کہ اس میں سے لگا لیا کرے۔

فَكَانَتْ اِذَا تَطَيَّبَتْ بِهٖ يَشُمُّ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ رَآئِحَةَ ذَالِكَ الطِّيْبِ فَسُمُّوْا بَيْتَ الْمُطَيَّبِيْنَ (ابو یعلی، طبرانی: ۲۸۹۵، ابن عساکر: ۸۵۸، زرقانی، ج ۴، ص ۲۶۴، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۶۷)

پس جب وہ آپ کے پسینہ مبارک کو لگاتی تو تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی یہاں تک کہ اس کے گھر کا نام بیت المطیبین (خوشبو والوں کا گھر) مشہور ہو گیا۔

حضرت جابر و حضرت انس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ فِيْ طَرِيْقٍ مِّنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَجَدُوْا مِنْهُ رَآئِحَةَ الطِّيْبِ وَ قَالُوْا مَرَّ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ هٰذَا الطَّرِيْقِ (دارمی: ۶۷، بیہقی، ج ۶، ص ۶۹، ابو نعیم: ۳۶۳، بزار: ۱۸۸۷، ابو یعلی، دلائل النبوت، ص ۳۸۰، خصائص، ج ۱، ص ۶۷، زرقانی علی المواہب، ج ۴، ص ۲۲۴، سبل الہدی، ج ۲، ص ۸۷)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ کی کسی گلی میں سے گزرتے تو لوگ اس گلی سے خوشبو پا کر کہتے کہ اس گلی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا ہے۔

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے
(اعلیٰ حضرت)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا تو

سَطَعَتْ مِنْهُ رِيْحٌ طَيِّبَةٌ لَّمْ نَجِدْ مِثْلَهَا قَطُّ (شفا شریف، ج ۱، ص ۱۴۱)

آپ سے ایسی پاکیزہ خوشبو پھیلی کہ ہم نے اس کی مثل کبھی نہیں پائی۔

اب بھی مدینہ منورہ کے در و دیوار اور وہاں کی خاک مبارک سے خوشبوئیں آ رہی ہیں

جنہیں محبان و عاشقان جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامہ محبت سے محسوس کرتے ہیں۔

ابن بطال کا قول ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہے وہ اس کی خاک مبارک اور درو دیوار سے خوشبو محسوس کرتا ہے۔ (وفاء الوفا شیخ الاسلام السمہودی)

اور یاقوت نے کہا ہے کہ من جملہ خصائص مدینہ اس کی ہوا کا خوشبو دار ہونا ہے اور وہاں کی بارش میں بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔

حضرت ابو عبد اللہ عطار علیۃ رحمۃ اللہ الغفار فرماتے ہیں ۔

بِطِيْبِ رَسُوْلِ اللهِ طَابَ نَسِيْمُهَا
فَمَا الْمِسْكُ وَالْكَافُوْرُ وَ الصَّنْدَكُ الرَّطَبُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے مدینہ منورہ کی ہوا خوشبو دار ہو گئی پس کیا ہے کستوری اور کافور اور کیا ہے عطر صندل تر و تازہ۔

شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وشبلی کہ یکے از علماء و صاحب وجدان است می گوید کہ تربت مدینہ رائحہ خاص است کہ در ہیچ مشک و عنبر نیست (جذب القلوب، ص ۱۰)	کہ حضرت شبلی جو صاحب علم و وجدان ہیں، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں ایک خاص قسم کی خوشبو ہے جو مشک و عنبر میں نہیں ہے۔

خاک طیبہ از دو عالم خوش تر است   وے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

(ڈاکٹر اقبال)



لباس مبارک

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

پشت پر ڈھلکا سر انور سے شملہ نور کا
دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

(اعلیٰ حضرت)



حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عام لباس مبارک عمامہ، چادر، قمیص اور تہبند مبارک تھا، آپ نے پاجامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا (☆)۔ عمامہ شریف اکثر سفید، کبھی سیاہ اور کبھی سبز بھی استعمال فرمایا ہے۔ شملہ مبارک کبھی چھوڑتے اور کبھی نہیں، شملہ اکثر دونوں شانوں کے بیچ میں اور کبھی دوش مبارک پر پڑا رہتا، بعض اوقات تحنک بھی فرماتے یعنی دستار مبارک کا ایک پیچ ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے لا کر باندھتے۔ عمامہ کے نیچے سر اقدس سے لپٹی ہوئی ٹوپی آپ نے استعمال نہیں فرمائی اور فرماتے۔

فَرْقُ مَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْمُشْرِکِیْنَ الْعَمَآئِمُ عَلَی الْقَلَانِسِ — ہم میں اور مشرکین میں یہ امتیاز ہے کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر ہوتے ہیں

(ابوداؤد:۴۰۷۸)

سیدھی سیدھی روش پر کروڑوں درود — سادی سادی طبیعت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت)

آپ اکثر قمیص پہنتے اور ہمیشہ تہ بند باندھتے، شامی عبا بھی آپ نے پہنی ہے جس کی آستینیں اس قدر تنگ تھیں کہ بوقت وضو اوپر نہیں چڑھ سکتی تھیں بلکہ ہاتھ مبارک ان سے نکالنے پڑتے تھے اور جبہ کسروانی بھی آپ نے پہنا ہے جس کی جیب اور آستینوں پر ریشم کی سنجاف تھی۔ یمن کی دھاری دار چادر آپ کو بہت پسند تھی، ایسی اونی چادر بھی آپ نے استعمال فرمائی ہے جس پر کجاوہ کی شکل بنی ہوئی تھی اور آپ نے مختلف رنگوں مثلاً سفید، سبز، زعفرانی وغیرہ رنگ کے کپڑے پہنے ہیں مگر سفید رنگ بہت ہی زیادہ مرغوب تھا، حلہ سرخ بھی پہنا ہے جس میں دھاریاں تھیں۔ پورا سرخ رنگ کا لباس آپ کو پسند نہیں تھا۔ نعلین شریفین چپلی کی شکل کی تھیں، ہر ایک کے دو تسمے دہری تہ والے تھے ایک تسمہ انگوٹھے اور متصل کی انگلی کے بیچ میں اور دوسرا انگشت میانہ اور بنصر کے بیچ ہوا کرتا۔ یہ وہی نعلین

☆ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ خریدا تھا۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید پہنا بھی ہو۔

شریفین ہیں جس کے متعلق بڑے بڑے بادشاہان عالم یوں کہتے ہیں:

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور　　　تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

(حسن رضا خاں)

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمامہ باندھنا اختیار کرو کہ یہ فرشتوں کا نشان ہے اور اس کو پیچھے لٹکا لو۔ (بیہقی، شعب الایمان: ۵۸۵۱، طبرانی: ۱۳۴۱۸، کنز العمال: ۴۱۱۴۰)

فرمایا جو شخص شہرت اور تکبر کے طور پر اچھے کپڑے پہنے یا جو شخص درویش یا عالم نہ ہو مگر نیت سے درویشوں اور عالموں کا لباس پہنے کہ لوگ اس کو عالم یا درویش کہیں، قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنایا جائے گا۔ (احمد: ۵۶۶۴، ابوداؤد: ۴۰۲۹، ابن ماجہ: ۳۶۰۷)

ایک شخص بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا جس نے گھٹیا قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھے فرمایا کیا تمہارے پاس خدا کا دیا ہوا مال نہیں ہے؟ عرض کیا ہاں ہے! فرمایا جب خدا نے نعمت دی ہے تو اس کی نعمت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔ (احمد: ۱۷۲۳۱، نسائی: ۹۴۸۴، ابوداؤد کتاب اللباس: ۴۰۶۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔

اسی طرح ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے دیکھے تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے بال درست کر لے۔ (ابوداؤد کتاب اللباس: ۴۰۶۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب حروریہ کے پاس سفیر ہو کر گئے تو یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے، جب وہاں پہنچے تو انہوں نے کہا۔

مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَا هٰذِهِ الْحُلَّةُ؟ قَالَ مَا تَعِيْبُوْنَ عَلَيَّ لَقَدْ رَاَيْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ مَا يَكُوْنُ مِنَ الْحُلَلِ (ابو داؤد، کتاب اللباس: ۴۰۶۳)

مرحبا اے ابن عباس یہ کیا لباس ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس پر معترض ہو بلاشبہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص باوجود قدرت کے قیمتی کپڑے پہننا تواضع کے طور پر چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو کرامت کا حلہ پہنائے گا۔ (ابوداؤد: ۴۷۷۸)

فرمایا کہ ٹخنوں سے نیچے تہ بند کا جو حصہ ہے وہ آگ میں ہے۔ (بخاری شریف: ۵۷۸۷)

فرمایا سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں پر حلال اور مردوں پر حرام ہے۔

(ترمذی: ۱۷۲۰، نسائی: ۹۳۸۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص نیا کپڑا پہنتے وقت یہ دعا پڑھے گا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ اور پرانے کپڑے کو صدقہ کر دے وہ زندگی اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس کا حافظ ونگہبان ہے۔ (احمد: ۳۰۵، ترمذی: ۳۵۶۰، ابن ماجہ: ۳۵۵۷)

حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں کفار کی طرف سے عمرو بن عبدود جو بڑا بہادر اور نڈر تھا میدان میں نکلا اور کہنے لگا مسلمانو! اگر تم میں کوئی میرا مقابلہ کا ہو تو آجائے۔

یہ سن کر شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قریب آؤ! حضرت علی مرتضیٰ قریب آئے۔

فَاَعْطَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیْفَهٗ وَ عَمَّمَهٗ بِعِمَامَتِهٖ وَقَالَ اللّٰهُمَّ اَعِنْهُ عَلَیْهِ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی تلوار عطا فرمائی اور اپنی دستار مبارک ان کی دستار پر باندھ دی اور دعا کی اے اللہ علی کو عمرو بن عبدود پر مدد دے۔

شیر خدا اس کے مقابل ہوئے۔ ہر چند عمرو کئی آدمیوں پر بھاری تھا مگر حملہ حیدری کے آگے کچھ نہ کر سکا۔ شیر خدا نے ایک ہی وار میں اس کا سر جسم سے الگ کر دیا۔ سب کافر گھبرائے ہوئے بھاگ گئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ (طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۵۲، سبل الہدی، ج ۴، ص ۳۷۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فاطمہ بنت اسد (والدۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ان کے سر کے پاس بیٹھ کر فرمایا۔

يَرْحَمُكِ اللهُ! فَاِنَّكِ كُنْتِ اُمِّيْ بَعْدَ اُمِّيْ تَجُوْعِيْنَ وَ تَشْبَعِيْنَنِيْ وَ تَعْرِيْنَ وَ تَكْسِيْنَنِيْ وَ تَمْنَعِيْنَ نَفْسَكِ طَيِّبَ الطَّعَامِ وَ تُطْعِمِيْنَنِيْ تُرِيْدِيْنَ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ۔ (کنز العمال: ۳۴۴۲۵، سبل الہدی، ج۱۱، ص ۲۸۷)

اللہ تم پر رحم کرے بیشک تم میری ماں کے بعد میری ماں تھیں، تم خود بھوکی رہتیں اور مجھے شکم سیر کرتیں، خود ننگی رہتیں اور مجھے کپڑا پہناتیں اور تم خود اچھے اچھے کھانے نہ کھاتیں اور مجھے کھلاتیں اس سے تمہارا مقصود صرف اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر تھا۔

پھر آپ نے ان کو غسل دینے کا حکم فرمایا اور غسل کے بعد اپنی قمیص مبارک میں کفن دیا پھر اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، عمر بن خطاب اور ایک حبشی غلام کو بلا کر قبر کھودنے کا حکم دیا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۱۲۱)

پھر آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر پر تشریف لا کر اس کو فراخ اور ہموار کرایا اور پھر خود قبر میں اتر کر لیٹ گئے اور کہا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اغْفِرْ لِاُمِّيْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا وَ اَوْسِعْ عَلَيْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَآءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

(حلیۃ الاولیاء، ج۲، ص ۱۲۱، کنز العمال: ۳۴۴۲۵، سبل الہدی، ج۱۱، ۲۸۷)

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ خود بخود زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا (اے اللہ) میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس کو اس حجت (قبر میں نکیرین کے سوالات کا جواب) خوب سمجھا دے اور اس پر اس کی قبر کو وسیع کر دے اپنے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طفیل اور ان نبیوں کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں بے شک تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا اِنَّمَا اَلْبَسْتُهَا قَمِيْصِيْ لِتُكْسٰى مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ وَاضْطَجَعْتُ مَعَهَا لِيُهَوَّنَ

عَلَیْھَا۔ میں نے اپنا قمیص اس لیے پہنایا تا کہ اللہ اس کو جنت کا حلہ پہنائے اور قبر میں اس لیے لیٹا کہ اس پر نرمی و آسانی ہو اور اس کو وقار اور سکون حاصل ہو۔

(الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۷۷، کنز العمال: ۳۴۴۲۴)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آپ کو اس بی بی کے ساتھ جو سلوک کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ کسی اور کے ساتھ کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟ فرمایا یَا عُمَرُ اِنَّ ھٰذِہِ الْمَرْاَۃَ کَانَتْ اُمِّیَ الَّتِیْ وَلَدَتْنِیْ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ کَانَ یَضَعُ الصَّنِیْعَ وَ تَکُوْنُ لَہُ الْمَادِبَۃُ اے عمر یہ بی بی میری حقیقی ماں کی طرح تھی ابو طالب ہمیشہ احسان پرورش جتاتے اور یہ اس کو تہذیب و شائستگی سکھاتی۔ پھر فرمایا۔

وَاِنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَخْبَرَنِیْ عَنْ رَّبِّیْ عَزَّوَجَلَّ اِنَّھَا مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اَنَّ اللہَ تَعَالٰی اَمَرَ سَبْعِیْنَ اَلْفًا مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ یُصَلُّوْنَ عَلَیْھَا (المستدرک للحاکم: ۴۵۷۵)

بے شک مجھے جبریل علیہ السلام نے میرے رب عزوجل کی طرف سے خبر دی ہے کہ یہ بی بی اہل جنت میں سے ہے اور یہ بھی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت مولانا روم علیہ رحمۃ اللہ القیوم فرماتے ہیں۔

کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جنازے کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے جب واپس آئے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑوں کو ہاتھ لگا کر دیکھنے لگیں۔

گفت پیغمبر چہ می جوئی شتاب گفت باراں آمد امروز از سحاب

آپ نے فرمایا اے عائشہ تم کیا دیکھتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا آج بادلوں سے بارش ہوئی ہے۔

جا مہایت می بجویم در طلب ترنہ می بینم ز باراں اے عجب

اور تعجب ہے کہ میں آپ کے کپڑوں کو اس بارش سے بھیگے ہوئے نہیں دیکھ رہی ہوں۔

گفت چہ برسر فگندی ازازار گفت کردم آں روایت را خمار

فرمایاتم نے سر پر کیااوڑھا ہوا ہے؟انہوں نے عرض کیا آپ کی مبارک چادر۔

گفت بہر آں نمود اے پاک حبیب چشم پاکت را خدا باران غیب

فرمایا اے پاک دلہن!اس چادر کے اوڑھنے کی برکت سے تمہاری مبارک آنکھوں کو خدانے غیبی بارش دکھادی ہے۔

نیست آں باراں ازیں ابر سماء ہست ابر دیگر و دیگر سماء

وہ بارش جوتم نے دیکھی ہے وہ اس ظاہری آسمان سے نہیں ہے بلکہ اس کا بادل اور آسمان ہی کوئی اور ہے۔

ایں چنیں باراں زابر دیگر است رحمت حق در نزولش مضمر است

اس قسم کی بارش کاایک اور ہی بادل ہے جس سے یہ برستی ہےاوراس بارش کے برسنے میں رحمت حق پوشیدہ ہوتی ہے۔(مثنوی شریف دفتراول)

یعنی تم نے ہماری چادر مبارک اوڑھی جس کے سبب سے تمہاری آنکھوں سے حجابات اٹھ گئے اورغیب ظاہر ہوگیااورتم نے رحمت حق کی نورانی بارش دیکھ لی ہے۔

حضرت مولانا روم علیہ رحمۃ اللہ القیوم ایک اورواقعہ نقل فرماتے ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار موزے اتار کر رکھ دیئے اور وضوفرمانے لگے جب وضو فرما کر موزے پہننے لگے تو ایک عقاب آیا، اس نے جھپٹ کر ایک موزہ شریف اٹھالیا اور اوپر لے جا کر الٹا کر دیا تو اس میں سے سانپ گرا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عقاب سے دریافت فرمایا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ موزے میں سانپ تھا؟عقاب نے عرض کیا۔

ماردر موزہ بہ بینم در ہوا نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ

ہوامیں اڑتے ہوئے میراموزے میں سانپ دیکھ لینامیری طرف سے(کوئی کمال) نہیں ہے بلکہ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کے عکس کی وجہ سے ہے۔

یعنی جب میں اڑتا ہوا آپ کے اوپر سے گزرا تو آپ کے سر مبارک سے لے کر آسمان

تک ایک نور تھا۔ جب میں اس نور میں سے گزرا تو تمام جہان مجھ پر روشن ہو گیا تو میں نے موزہ شریف میں سانپ دیکھ لیا اور جلدی سے آ کر موزہ شریف کو الٹا دیا کہ کہیں بے توجہی میں آپ اس کو پہن نہ لیں۔ موزے میں سانپ دیکھ لینا یہ میرا کمال نہیں ہے بلکہ یہ آپ ہی کا کمال ہے۔ فرمایا۔

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود   دل دراں لحظہ بحق مشغول بود

(مثنوی دفتر سوم)

اگر چہ اللہ نے ہر ایک غیب کی مجھ کو خبر دے دی ہے مگر اس وقت میں ذات حق تعالیٰ میں (ایسا) مشغول تھا (کہ میری توجہ اس طرف نہ تھی)۔

اس کے بعد فرمایا ہر مسلمان کو چاہیے کہ جب وہ جوڑا وغیرہ پہنے تو اسے دیکھ لیا کرے۔

(بیہقی: ۹:۲۴۴، ابونعیم، مثنوی)

قرآن کریم سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ محبوبان خدا کے ملبوسات میں بہت برکتیں ہوتی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

(البقرہ)

بنی اسرائیل کے نبی (اشموئیل) نے ان سے فرمایا کہ (طالوت کی) بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے (سامان) تسکین ہے اور موسیٰ و ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے بلاشبہ اس میں تمہارے لیے عظیم نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔

یہ صندوق شمشاد کی لکڑی کا تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویریں تھیں (☆)۔ اور یہ وراثۃً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تھا، آپ کے بعد بنی اسرائیل کے پاس رہا اس وقت اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء کپڑے اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصاء مبارک اور چند ٹکڑے الواح کے تھے۔

بنی اسرائیل اس صندوق کو جس میں یہ تبرکات تھے، لڑائی کے موقع پر ادب سے آگے رکھتے اور ان کو اس کی برکت سے فتح حاصل ہوتی اور جب انہیں کوئی حاجت پیش آتی تو وہ اس کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے ان کی حاجت پوری ہوجاتی۔

لیکن جب بنی اسرائیل کے حالات خراب ہو گئے اور ان میں بدعملی پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قوم عمالقہ کو مسلط و غالب کیا، وہ ان سے یہ صندوق بھی چھین کر لے گئے اور اس کو نجس و گندے مقام میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی۔ اس بے حرمتی کی وجہ سے وہ طرح طرح کے مصائب و امراض میں مبتلا ہوئے اور ان کی پانچ بستیاں تباہ و برباد ہوکر رہ گئیں جب وہ بہت زیادہ متحیر و پریشان ہوئے تو بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو ان کے پاس تھی کہا کہ اگر سلامتی چاہتے ہو تو اس صندوق کو اپنے یہاں سے نکال دو تمہاری تباہی کا باعث اس صندوق کی اہانت و بے ادبی ہے۔ ان کو بھی یقین ہو گیا آخر انہوں نے ایک بیل گاڑی پر اس صندوق کو رکھا اور دو شریر و سرکش بیل جوت کر ان کو چھوڑ دیا، فرشتے اس کو بنی اسرائیل کے سامنے ان کے بادشاہ طالوت کے پاس لے آئے۔ چنانچہ ان ہی تبرکات کی وجہ سے طالوت کو باذن اللہ فتح حاصل ہوئی اور اسی صندوق کا آنا طالوت کی بادشاہی کی نشانی بنا جس کی خبر آیت شریفہ میں بنی اسرائیل کے نبی حضرت اشموئیل علیہ السلام نے دی۔ (تفسیر خازن، مدارک، ابن جریر، خزائن العرفان، ص ۷۴)

ثابت ہوا کہ محبوبان خدا کے تبرکات و ملبوسات کا اعزاز و احترام خیر و برکات کا باعث

(☆) یہ تصویریں قدرتی تھیں، کسی انسان کی بنائی ہوئی نہ تھیں۔ انسان کو جان دار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق و مالک مصور حقیقی ہے جو چاہے بنائے۔

اوران کی بے حرمتی و بے ادبی بربادی کا باعث ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ جب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات کی عظمت کا یہ حال ہے تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تبرکات کی عظمت وشان کا کیا حال ہوگا جن کے امتی ہونے کی آرزو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھی، بلاشبہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو وہ آپ کے تبرکات کی تعظیم اسی طرح کرتے جس طرح ان کی امت ان کے تبرکات کی تعظیم کرتی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا (یوسف: ۹۳)	کہ میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

چنانچہ جب اس قمیص کو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے پر ڈالا تو فوراً ان کی آنکھیں روشن و درست ہو گئیں اور بینائی واپس آ گئی۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ اور کرامت تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مبارک میں اتنی برکتیں اور شفا ہے تو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لباس مبارک اور ان اشیاء مبارکہ میں کس قدر برکتیں اور شفا ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ لگی رہی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لباس مبارک کو اور ان اشیاء کو جنہیں حضور کے جسم مقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے، بہت ہی بابرکت نافع اور دافع البلاء والامراض سمجھتے تھے اور ان کی بہت ہی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور کسی تبرک کا اپنے پاس ہونا، اس کو دنیا و مافیہا سے بہتر خیال کرتے تھے۔ اس پر اتنی احادیث صحیحہ شاہد ہیں جن کی یہاں اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں مگر چند احادیث بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

ام المومنین حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، آپ اس وقت غسل فرما رہے تھے۔

فَنَضَجَ فِیْ وَجِهِهَا قَالَ فَلَمْ يَزَلْ مَآءَ الشَّبَابُ فِیْ وَجْهِهَا حَتّٰى كَبُرَتْ وَعَجُزَتْ

(الاستیعاب، ص ۷۵۶)

تو آپ نے ان کے چہرہ پر پانی چھڑکا۔ راوی فرماتے ہیں کہ ان کا چہرہ ایسا پر رونق اور خوشنما ہو گیا کہ بڑھاپے میں بھی جوانی کی رونق اور آب و تاب ان کے چہرہ سے زائل نہ ہوئی۔

دست مبارک کا اثر پہنچانے کے لیے پانی صرف ایک واسطہ تھا کیونکہ پانی پونچھ دیا گیا ہوگا یا سوکھ گیا ہوگا مگر اس کے معدوم ہونے پر بھی اثر دست مبارک معدوم نہ ہو سکا بلکہ سالہا سال ان کے چہرے میں باقی رہا۔ ضعیفی کے آثار کے چہرے پر نمایاں ہونا فطرتی بات ہے۔ رطوبات خشک ہونے کی وجہ سے پیرانہ سالی میں جس قسم کی شکل بنتی ہے وہ محتاج بیان نہیں، آنکھیں اندر کو گھس جاتی ہیں، رخسار کی ہڈیاں ابھر آتی ہیں، پوست ڈھیلا ہو کر جھریاں پڑ جاتی ہیں، غرض کتنا ہی خوبصورت انسان کیوں نہ ہو ضعیفی کے آثار نمایاں ہونے پر اس کی خوبصورتی اور جوانی قائم نہیں رہتی مگر دست مبارک کا اثر کیسا اثر تھا جو ان طبعی آثار کو روک کر جوانی کے آثار قائم کرتا رہا۔

اگرچہ ڈاکٹروں، حکیموں نے بہت سی دوائیں تجویز کی ہیں کہ بڑھاپے میں چہرے کی ہیئت نہ بدلے اور چہرہ پر رونق رہے مگر یہ ممکن نہیں کہ جوانی کی آب و تاب ان سے باقی رہ سکے۔ یہ خصوصیت اور برکت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں ہی تھی جس سے بڑھاپے میں بھی جوانی کی آب و تاب باقی رہی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَآءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ

کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ منورہ کے بچے اپنے

بِاٰنِیَتِهِمْ فِیْهَا الْمَآءُ فَمَا یُؤْتٰی بِاٰنَآءٍ اِلَّا غَمَسَ یَدَهٗ فِیْهَا فَرُبَمَا جَآءَهٗ فِی الْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَیَغْمِسُ یَدَهٗ فِیْهَا (مسلم شریف:۶۰۴۲)

برتن جس میں پانی ہوتا لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے آپ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ بعض وقت سردی ہوتی تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی طرح کرتے۔

وہ بچے اس پانی کو لے کر گھروں میں جاتے اور وہ پانی تبرک سمجھ کر پیا جاتا۔

دیکھیے اس پانی میں کوئی دوا تو شریک نہیں کی جاتی تھی، صرف ہاتھ مبارک کے لگنے سے وہ جمیع بیماریوں کے لیے ایک مجرب نسخہ بن جاتا تھا، اسی لیے طالبان شفائے امراض جسمانی و روحانی اس آب حیات کے حصول کے لیے جوق در جوق حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی شان رحمۃ للعالمینی سے کسی کو محروم نہ فرماتے بلکہ تکلیف گوارا فرما کر ٹھنڈے پانی میں سردی کے موسم میں بھی ہاتھ مبارک ڈال دیتے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دست رحمت کی تاثیر کے اعتقاد کو جائز رکھتے تھے ورنہ ان کو روک دیتے۔ نہیں بلکہ عملی طریقہ سے اس کی ترغیب فرماتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ بھی لوگوں کے اعتقاد بڑھانے کے لیے اس سے شفا عنایت فرما دیتا تھا، اب یہ خیال کرنا کہ اس قسم کی باتوں پر اعتقاد رکھنا شرک ہے بدعت ہے کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وضو فرماتے تو وضو کے پانی کے حصول کے لیے حاضرین میں لڑائی تک کی نوبت پہنچنے لگتی اور پھر جس کو حاصل ہوجاتا وہ تبرک سمجھ کر اپنے چہرے پر مل لیتا۔

(بخاری، ج ۱، ص ۳۱، ج ۱، ص ۳۷۹)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ چرمی سرخ قبا میں تھے۔

وَرَاَیْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَیْتُ النَّاسَ

میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وضو کا پانی لیا اور

يَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ (بخاری شریف:۳۷۶)

لوگ اس پانی کو لینے کے لیے دوڑ رہے تھے جس کو اس میں سے کچھ ملتا وہ اسے اپنے (مونھ اور ہاتھوں) پر ملتا اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ دوسرے کے ہاتھوں کی تری لے کر مل لیتا۔

قریش مکہ نے عروہ بن مسعود کو جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا، وہ آئے اور حالات دیکھ کر واپس ہوئے اور جا کر قریش سے یوں کہنے لگے۔

یَا قَوْمُ! وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُّ عَلٰى قَيْصَرَ وَ كِسْرٰى وَ النَّجَاشِيْ وَاللّٰهِ اِنْ رَاَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهٗ اَصْحَابُهٗ مَا يُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مُحَمَّدًا وَاللّٰهِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهٗ وَ جِلْدَهٗ وَاِذَا اَمَرَهُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وُضُوْءِهٖ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهٗ وَمَا يُحِدُّوْنَ اِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَّهٗ وَاِنَّهٗ قَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوْهَا (بخاری شریف:۲۷۳۱)

اے قوم! خدا کی قسم بیشک میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں، خدا کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جب وہ تھوکتے اور رینٹ کھنکار پھینکتے ہیں تو وہ ان کے اصحاب میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہوتا ہے جس کو وہ اپنے منہ اور جسم پر مل لیتے ہیں اور جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں تو وہ سب کے سب تعمیل کے لیے دوڑتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے

وضو کے پانی کے حاصل کرنے کے لیے
یوں گرتے پڑتے ہیں کہ گویا ابھی لڑ پڑیں
گے۔ اور جب وہ کلام کرتے ہیں تو سب
کے سب خاموش ہو جاتے ہیں اور تعظیماً
ان کی طرف نظر تک نہیں اٹھاتے انہوں
نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے، میری
رائے یہ ہے کہ تم اس کو قبول کرلو۔

اس حدیث میں چند امور قابل غور ہیں۔

اولاً مستعمل پانی عقلاً و عادۃً اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو لے کر اپنے جسم پر یا موںھ پر مل لیا جائے اور جہاں تک تھوک، بلغم اور رینٹ وغیرہ کا تعلق ہے ان کی نسبت تو یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی سلیم الطبع ان کو اپنے منہ پر ملے۔

ثانیاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو فرمانا اکثر بوقت نماز مجمع عام میں ہوا کرتا تھا تا کہ لوگوں کو تعلیم ہو جائے اور وہ بھی روزانہ چند بار ہوا کرتا تھا۔

ثالثاً وضو کے وقت تمام وہ حرکات جن کا اس حدیث میں ذکر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو وقوع میں آتیں اور آپ خود ان کا مشاہدہ فرماتے مگر کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم لوگ یہ کیسی نا شائستہ اور خلاف سلیم الطبع حرکات کرتے ہو۔

رابعاً باوجود اس کے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نہایت مودب و مہذب تھے مگر روزانہ وضو کے وقت وضو کے مستعمل پانی اور تھوک وغیرہ کے حصول میں اس قدر بھیڑ بھاڑ اور گھس پیٹ کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا کہ کہیں جنگ و جدال نہ ہو جائے اور پھر وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر سکوت اور رضا مندی؟ کس قدر حیرت انگیز ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک اس مستعمل پانی اور تھوک مبارک کی بڑی قدر و

منزلت تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ پانی جسم اقدس تک پہنچ کر سراسر برکت و نور ہو گیا ہے اور اس پانی سے برکت و شفا و نورانیت حاصل کرنی چاہیے اور وہ فضلات مبارکہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کے متصل ہونے کی فضیلت حاصل ہو گئی ہے، اپنے چہروں پر مل کر دارین میں سرخ روئی حاصل کریں۔ اس لیے وہ پروانوں کی طرح ان پر نثار ہوتے اور ان کے حصول کی بہت کوشش کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے جذبات محبت کا احترام فرماتے تا کہ ان کی جرأت بڑھے اور دل کھول کر ایسے کام کریں جو ان کی روحانی ترقی کا باعث ہوں اور آپ کا مقصود اصلی بھی یہی تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو کس کی مجال تھی کہ حضور نبوی میں ایسی حرکات کر سکتا۔

اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو عقلاً و شرعاً ہم سے بدرجہا افضل ہیں، جب آپ کے فضلات مبارکہ کو اپنے سے افضل بلکہ باعث حصول فضیلت و برکت سمجھتے تھے تو ہم کون ہیں جو حضور پر نور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسری اور برابری کا دعویٰ کر سکیں۔ اگر ان روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کہاں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات مبارکہ بھی ہم سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ شریف تھا۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى يُسْتَشْفٰى بِهَا (مسلم: ۵۴۰۹)

وہ فرماتی ہیں کہ اس جبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنا کرتے تھے ہم اسے دھو کر بغرض شفا بیماروں کو پلاتے ہیں اور شفا ہو جاتی ہے۔

امام ابن مامون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا۔

فَكُنَّا نَجْعَلُ فِيْهَا الْمَآءَ لِلْمَرْضٰى فَيَسْتَشْفُوْنَ بِهَا (شفاء شریف)

ہم اس میں پانی ڈال کر بہ غرض شفا بیماروں کو پلاتے تو شفا ہو جاتی۔

حضرت محمد بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص مبارک کا ایک ٹکڑا ہمارے پاس تھا۔

نَغْسِلُهَا لِلْمَرِيْضِ يَسْتَشْفِيْ بِهَا — ہم اسے دھو کر بغرض شفا بیماروں کو پلاتے تو اسے شفا ہو جاتی۔

(ابن عدی:۶:۱۶۴۶، اصابہ:۹:۳۶۳۹)

حضرت خداش بن ابی خداش رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جو انہوں نے حضور سے لیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی کبھی حضرت خداش کے ہاں تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے، اسے آب زمزم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ ترجمہ حضرت خداش:۱:۲۲۳۱، کنز العمال:۳۵۹۰۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ باوجود یکہ اس قسم کے امور میں بہت ہی محتاط تھے لیکن حضرت خداش رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر اس پیالے کو حاصل کر کے اس میں پانی ڈال کر سر اور چہرے کو مشرف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس پیالے کی برکت کے وہ بھی قائل تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ پیالہ کئی مرتبہ دھویا گیا اور استعمال کیا گیا، مگر ان کا اعتقاد تھا کہ ایک بار بھی دست مبارک کا لگ جانا ہمیشہ کی برکت کا باعث ہے۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عریض وعمدہ پیالہ دیکھا جو چوب نضار کا بنا ہوا تھا اور اس پر لوہے کا ایک حلقہ بنا ہوا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنوائیں مگر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنایا ہو اسے تبدیل نہ کرنا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ویسے ہی رہنے دیا۔

اور فرمایا

لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْقَدَحِ اَكْثَرَ مِنْ كَذَا وَكَذَا — کہ میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارہا پانی پلایا ہے۔

(بخاری شریف:۸:۵۶۳۸)

وہی پیالہ حضرت نضر بن انس کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم کو خریدا گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پیالے کو بصرے میں دیکھا اور اس میں پانی پیا ہے۔
(شرح شمائل للبیجوری بحوالہ شرح مناوی)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو خالد بن سفیان بن نبیح ہزلی کے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ میں جب قتل کر کے واپس خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اپنا عصاء مبارک عطا فرما کر فرمایا۔

تَخَصَّرْ بِهٰذِهٖ فِي الْجَنَّةِ   اس کے ساتھ جنت میں چلے جانا۔

وہ عصاء مبارک حضرت عبداللہ کے پاس رہا، جب ان کی وفات کا وقت آیا تو وصیت کی کہ اس عصاء کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔
(زرقانی علی المواہب، ج ۲، ۱۲۶ و حیوۃ الحیوان، بیہقی: ج ۴، ص ۱۴۱، ابونعیم: ۴۴۵)

حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک چھوٹا سا عصا مبارک تھا، جب وہ فوت ہوئے تو ان کی وصیت کے مطابق وہ ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ (بیہقی، ج ۷، ص ۲۷۹، ابن عساکر، ج ۹، ص ۳۷۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بھی پہنی ہے جس پر تین سطروں میں ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا، اوپر کی سطر میں اللہ درمیان میں رسول اور نیچے کی سطر میں محمد تھا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
(بخاری: ۵۸۷۸)

جب بادشاہوں کو خطوط بھیجتے تو اس انگوٹھی سے مہر لگاتے (بخاری: ۵۸۷۵) اور ایسی انگوٹھی بھی آپ نے پہنی ہے جس میں نگینہ تھا۔ (بخاری: ۵۸۷۰، مسلم: ۵۴۸۷)

حضرت عبداللہ بن حازم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا جسے وہ جمعہ اور عیدین، اور جب لڑائی میں فتح پاتے تو بطور تبرک پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنایا تھا۔ (اصابہ: ۴٦٦۰)

حضرت ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاف تھا۔

جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے دادا موصوف کو کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اسے اپنے چہرے پر ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر امام بخاری: ۱۱۰۲)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چادر میں نے اپنے ہاتھوں سے بنی ہے اور آپ کے لیے لائی ہوں، آپ نے قبول فرمائی پھر اسے بطور تہ بند باندھ کر ہماری طرف تشریف لائے۔ صحابہ میں سے ایک نے دیکھ کر فرمایا کیا اچھی چادر ہے یا رسول اللہ مجھے پہنا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا، چنانچہ کچھ دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس سے اٹھ کر چلے گئے پھر واپس آئے تو چادر لپیٹی ہوئی آپ کے پاس تھی۔ وہ آپ نے اس سائل صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا تو نے چادر کا سوال کر کے اچھا نہیں کیا حالانکہ تجھے معلوم تھا کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے اور اس وقت حضور کو اس کی ضرورت تھی۔

فَقَالَ الرَّجُلُ وَاللهِ مَا سَأَلْتُهَا اِلَّا لِتَكُوْنَ كَفَنِىْ يَوْمَ اَمُوْتُ قَالَ سَهْلُ فَكَانَتْ كَفَنَهٗ

(بخاری شریف: ۱۲۷۷)

اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے صرف اس لیے سوال کیا کہ میرے مرنے پر یہ چادر (جو آپ کے جسم سے لگ چکی ہے) میرا کفن بنے۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ وہی چادر مبارک اس کا کفن بنی۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَآءً مُلَبَّدًا وَّاِزَارًا غَلِيْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ هٰذَيْنِ

(بخاری: ۳۱۰۸، مسلم: ۵۴۴۲)

کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک کملی جس میں کثرت سے پیوند تھے اور ایک موٹا تہبند نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔

حضرت ابوعبدالرحمن اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احمد بن فضلویہ زاہد بڑے غازی اور بڑے تیرانداز تھے، ان کے پاس ایک کمان تھی جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں میں پکڑا تھا، وہ فرماتے تھے۔

مَا مَسَسْتُ الْقَوْسَ بِيَدِیْ اِلَّا عَلٰی طَهَارَةٍ مُّنْذُ بَلَغَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ الْقَوْسَ بِيَدِهٖ

جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کمان کو ہاتھ میں لیا ہے، میں نے کبھی اس کو بے وضو نہیں چھوا۔

(شفاء شریف، ج۲، ص ۴۴، سبل الہدی: ج۱۱، ۴۵۱)

اس عظیم الشان مجاہد کی عقیدت ومحبت کا اندازہ کیجئے کہ اس کمان کو بغیر طہارت کے کبھی نہ چھوا جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا تھا اور اسی ادب واحترام کا نتیجہ تھا کہ وہ اس فن میں مشہور اور نیک نام ہوئے، اگر اس زمانے کے نام نہاد موحدین اس وقت میں ہوتے تو ان کو کافر بنانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے۔

اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے کہ انہوں نے ایک معمولی کمان کی اتنی تعظیم کی کہ قرآن شریف کے برابر کر دیا لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تو قرآن شریف کی شان میں نازل ہوا ہے انہوں نے اس کو کمان کی شان قرار دیا اور عملاً بھی ثابت کیا کہ بغیر طہارت کے کبھی کمان کو نہیں چھوا، ایک بدعت سیئہ کو واجب بنانا ضرور حد کفر تک پہنچا دیتا ہے غرضکہ کسی نہ کسی طریقہ سے ان کو کافر وبدعتی ضرور بناتے۔

مگر اس زمانہ خیر القرون کے علمائے کرام نے ان کے اس فعل کی وہ قدر کی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں کہ بلا انکار بلکہ بطور تحسین کتب احادیث میں بیان فرمایا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کی قدر کریں اور ان کے اس فعل سے ادب وتعظیم سیکھیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عصاء مبارک تھا، جہجاہ نے غصے کی حالت میں حضرت عثمان سے لے کر اس کو گھٹنے پر رکھ کر زور سے توڑنا چاہا، ہر طرف سے شور ہوا ارے یہ کیا کرتا ہے مگر اس نے نہ سنا اور توڑ ہی ڈالا، اس کے ساتھ ہی اس کے

گھٹنے میں ایک پھوڑا پیدا ہوا جس کو اکلہ کہتے ہیں جو جسم میں سرایت کر جاتا ہے، تھوڑے عرصہ میں پاؤں کاٹنے کی ضرورت پیش آئی اور ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ اس کی تکلیف سے وہ مر گیا۔ (شفا شریف، ج ۱ ص ۶۳۸)

اس سے ظاہر ہے کہ عصاء میں کوئی زہریلا مادہ تو تھا ہی نہیں جس کا اثر اس کے پاؤں میں ہو گیا بلکہ یہ اس بے ادبی کا نتیجہ تھا جو اس مبارک عصاء کے ساتھ کی گئی تھی، یہ یاد رکھیے کہ بے ادبی کرنے والے کی تباہی ضرور ہوتی ہے اور کبھی عبرت کے لیے ظاہراً بھی وہ تباہ کیا جاتا ہے، اب یہاں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب ان کے تبرکات کی بے ادبی تباہی کا موجب ہے تو خود ان کی بے ادبی کے نتائج کیا ہوں گے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر کے اگلے حصے میں بالوں کا ایک گچھا تھا۔

اِذَا قَعَدَ وَاَرْسَلَهَا اَصَابَتِ الْاَرْضَ فَقِيْلَ لَهٗ اَلَا تَحْلِقُهَا فَقَالَ لَمْ اَكُنْ بِالَّذِىْ اَحْلِقُهَا وَقَدْ مَسَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ

جب وہ بیٹھتے اور اس کو چھوڑ دیتے تو وہ زمین سے جا لگتا انہیں کہا گیا کہ تم ان کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ فرمایا میں انہیں ہرگز نہیں منڈواؤں گا کیونکہ ان پر حضور کا ہاتھ مبارک لگا ہوا ہے۔

(کنز العمال: ۲۳۱۹۸، شفا شریف، ج ۲، ص ۴۴، سبل الہدیٰ، ج ۱۱ ص ۴۵۱)

صحابہ کرام جانتے تھے کہ جس چیز کو دست اقدس یا جسم شریف لگ گیا اس میں برکت ضرور آ گئی ہے۔ پھر کوئی اس برکت کو اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا اور کوئی مسلمانوں کی خیر خواہی کے لحاظ سے اس عالم میں چھوڑ جاتا، اگر حضرت ابو محذورہ وہ متبرک بال کٹوا دیتے تو دست بدست تقسیم ہو جاتے اور وہ تبرک ان کے پاس نہ رہتا، اس لیے انہوں نے کٹوانا تو درکنار مانگ بھی کبھی نہ نکالی کہ کہیں اس حالت میں جو دست مبارک کے لگنے کے وقت تھی فرق نہ آئے۔ سبحان اللہ کیا احتیاط اور کیا عقیدہ ہے۔ دراصل یہ سارے کرشمے عشق و محبت

کے ہیں ان مقدس حضرات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشق تھا جو ہر وقت ایک نئی شکل میں ظہور کرتا تھا۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں

دیں سراپا سوختن اندر طلب   انتہا یش عشق و آغازش ادب
زندگی را شرع و آئین است عشق   اصل تہذیب است دین، دین است عشق
دیں نہ گردد پختہ بے آداب عشق   دیں بگیر از صحبت ارباب عشق

حضرت اسمٰعیل بن یعقوب تیمی فرماتے ہیں کہ ابن منکدر مسجد نبوی کے صحن میں ایک جگہ پر لوٹتے اور لیٹتے، ان سے اس بات کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ (وفاء الوفاء)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا

وَاضِعًا یَدَہٗ عَلٰی مَقْعَدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَھَا عَلٰی وَجْھِہٖ (شفاء شریف، ج ۲، ص ۴۴، سبل الھدیٰ، ج ۱۱، ص ۴۵۱)

کہ منبر اقدس میں جو جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹھنے کی تھی وہاں اپنے ہاتھوں کو ملتے، پھر اپنے مونھ پر پھیر لیتے۔

مقام غور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی نے لوگوں کے سامنے یہ کام کیا، اس سے ظاہر ہے کہ ان کو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ ہمارے اعتقاد میں یہ بات داخل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مقدس تو کیا کپڑے بھی جس مقام پر لگ گئے ہوں وہ مقام متبرک ہو جاتا ہے اور اس مقام سے برکت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا ہاتھ اس مقام پر لگا کر اپنے جسم میں جو مقام اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے یعنی منہ اس پر پھیر لیا جائے۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت گنہ گار تھا، جس نے دو سو برس تک اللہ کی نافرمانی کی۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کو ایسی جگہ میں پھینک دیا جہاں نجاست ڈالی جاتی تھی،

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آئی کہ اس شخص کو وہاں سے اٹھا کر لاؤ اور اس پر نماز پڑھو اور دفن کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی اے اللہ بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ وہ شخص دوسو برس تک تیری نافرمانی کرتا رہا ارشاد ہوا کہ یہ سچ ہے،لیکن اس کی عادت تھی۔

كُلَّمَا نَشَرَ التَّوْرَاةَ وَ نَظَرَ اِلٰى اسْمِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَهٗ وَوَضَعَهٗ عَلٰى عَيْنَيْهِ وَ صَلّٰى عَلَيْهِ فَشَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ وَ غَفَرْتُ ذُنُوْبَهٗ وَزَوَّجْتُهٗ سَبْعِيْنَ حَوْرَآءَ

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، ج ۴،ص ۴۲، وسیرت حلبیہ، ج ۱،ص ۸۰)

کہ جب وہ تورات شریف کھولتا اور میرے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام مبارک کو دیکھتا تو اس کو چوم کر آنکھوں پر رکھ لیتا اور ان پر درود پڑھتا اس لیے میں نے اس کو بخش دیا اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام مبارک کے مقام پر بوسہ دینے کی برکت سے دوسوسال کا گنہ گار جنتی اور مقبول بارگاہ ایزدی ہو گیا۔

حدیث سابق سے ثابت ہے کہ جس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ملبوس خاص لگا تھا اس سے برکت حاصل کی گئی اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام مبارک جس مقام پر لکھا تھا اس سے برکت حاصل کی گئی اور ادب کی راہ سے اس کو بوسہ دے کر آنکھوں میں رکھا، حالانکہ ذات مبارکہ سے حروف مکتوبہ کو کوئی تعلق ہے تو صرف اس قدر کہ وہ آپ کی ذات مبارک پر دلالت کرنے والے ہیں حالانکہ دال اور مدلول میں کوئی ذاتی مناسبت نہیں ہوتی باوجود اس کے اس نام مکتوب سے پوری برکت حاصل ہوئی۔

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منبر شریف کے تین درجے تھے۔آپ سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے اور درمیانی درجے پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے۔آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر اپنے عہد خلافت میں بہ پاس ادب درمیانی درجے پر بیٹھتے اور پاؤں سب سے نیچے درجے پر رکھتے۔حضرت فاروق اعظم اپنی خلافت میں سب سے نیچے کے درجے پر

بیٹھتے اور پاؤں زمین پر رکھتے۔

حضرت عثمان غنی کا عہد آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دیئے، آپ اوپر کے تین درجوں کو چھوڑ کر زیادت کے پہلے درجے پر کھڑے ہوئے۔

(کشف الغمہ، وفاء الوفاء)

حضرت اسعد بن زرارہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی جس کے پائے ساگوان کی لکڑی کے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ جب وفات شریف ہوئی تو آپ کو اسی پر رکھا گیا، آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر کو بھی اسی پر رکھا گیا، پھر لوگ بطور تبرک اپنے مردوں کو اسی پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنوامیہ کے عہد میں میراث عائشہ صدیقہ میں فروخت ہوئی۔ عبداللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خریدا تھا۔ (زرقانی علی المواہب، ج ۵، ص ۹۶، سبل الہدی، ج ۷، ص ۳۵۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن زید عراقی فرماتے ہیں کہ ہم ربذہ میں حضرت سلمہ بن الاکوع صحابی کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا اور فرمایا کہ میں نے اس ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی ہے، پس ہم نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

(ابن عساکر، ۲۶۲۰۰، طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۲۲۹)

شیخ الشیوخ حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مروی است کہ بعضے از متروکات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش عمر بن عبدالعزیز بود و آنرا در خانہ مضبوط نگاہ می داشت و ہر روز یکبارے می رفت و آہارا زیارت می کردد گاہ بود کہ چوں بعضے از اشراف پیش وے می آمد ند ایشاں را دراں خانہ می برد، و آہارا بایشاں می نمود و گفت میراث من اکرم اللہ

مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متروکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھیں اور انہوں نے ان کو ایک کمرہ میں محفوظ کر رکھا تھا اور ہر روز ایک بار ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اشراف میں سے اگر کوئی ان کی ملاقات کو آتا تو اس کو بھی ان کی زیارت

واعزکم بہ وگویند درخانہ سریرے وبالشے از ازادیم کہ حشو آں لیف خرما ویک جفت موزہ وقطیفہ وآسیا دستی وکنانہ کہ وراں چند تیر بود وگویند کہ دراں قطیفہ اثر وسخ سر مبارک وے بود و مردے زحمتے عظیم داشت وشفانمی یافت ازعمر بن عبدالعزیز التماس نمودند کہ بعضے ازاں وسخ بشویند وبا سعوط در بینی بیمار چکانیدند بیمار شفا یافت (مدارج النبوت)

کرایا کرتے اور فرماتے کہ میری میراث تو یہی ہے اللہ ان تبرکات کی برکت سے تمہیں بھی عزت دے، کہتے ہیں کہ اس کمرے میں ایک چارپائی، چمڑے کا تکیہ، جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک جوڑا موزہ، لحاف، چکی اور ایک ترکش جس میں چند تیر تھے، لحاف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا، ایک شخص کو سخت بیماری لاحق تھی جس سے شفا نہ ہوتی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں التماس کی گئی کہ آپ کی اجازت سے اس چکنائی میں سے کچھ دھوکر بیمار کی ناک میں ٹپکا دیا گیا، وہ تندرست ہو گیا۔

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان تمام مقامات اور ان تمام اشیاء کی تعظیم وتکریم کرنا جن کو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعظیم وتکریم ہے اور بہت ہی خیر وبرکت کا باعث ہے یہاں تک کہ

وَ اَوَّلُ اَرْضٍ مَسَّ جِلْدَ الْمُصْطَفٰی تُرَابُهَا اَنْ تُعَظَّمَ عَرَصَاتُهَا وَ تُنَمَّ نَفَحَاتُهَا وَ تُقَبَّلَ رُبُوْعُهَا وَ جُدُرَاتُهَا (شفاء شریف، ج ۲، ص ۴۶)

جس سرزمین کی مٹی کو حضور کے جسم مقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے لازم ہے کہ اس کے میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے اور اس کی ہواؤں کو بھی سونگھا جائے

اوراس کے درودیوار کو بوسہ دیا جائے۔

غرض یہ کہ حبیب اورحبیب کے مقامات، ملبوسات، تبرکات کی تعظیم وتکریم کرنی چاہیے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک نے اس شخص کو تیس درے مارنے کا حکم دیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے، آپ نے فرمایا جس سرزمین میں افضل الخلائق آرام فرما ہیں تو کہتا ہے کہ اس سرزمین کی مٹی خراب ہے تو اس لائق تھا کہ تیری گردن اڑادی جائے۔(شفا شریف، ج ۲،ص ۱۲۸)

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم　　اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا

عقیدت مند آنکھ جب خاک مدینہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھتی ہے تو طیبہ وبطحا کا ذرہ ذرہ آفتاب جہاں تاب بن کر چمکتا ہے

خاک طیبہ از دو عالم خوش تر است　　وے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

فوائد

(۱) یہ کہ پگڑی کے نیچے ٹوپی رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

(۲) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس مبارک بہت بابرکت، بلاؤں اور مرضوں کو دور کرنے والا ہے۔

(۳) یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کے ساتھ جو چیز بھی لگی وہ بہت ہی بابرکت اور قابل تعظیم ہوگئی، لہٰذا دیار حبیب کا ذرہ ذرہ بہت ہی بابرکت اور قابل تعظیم ہے کہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے فوائد ثابت ہوتے ہیں، اگر بہ نظر ایمان دیکھا جائے۔

خاتمہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپائے مقدس کو لفظی جامہ پہنا کر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ الفاظ معذور ہیں، کائنات اپنی وسعتوں کے ساتھ محدود ہے اور آپ کے فضائل و برکات اور خصائص و کمالات غیر محدود ہیں، قلم اور زبان حقیقی خدوخال پیش کرنے سے عاجز ہے تاہم اپنی طاقت و وسعت کے لحاظ سے آپ کے سراپائے مقدس کا نقشہ اپنے شکستہ الفاظ کے جامہ میں پیش کیا ہے۔ مقصود اظہار علم و فضل نہیں ہے کیونکہ من آنم کہ من دانم بلکہ صرف اور صرف بارگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ عقیدت کی پیش کش ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اس موضوع پر عاشقان جمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکثرت تصانیف پیش کی ہیں اور مجموعی حیثیت سے آپ کی صورت و سیرت کا کوئی گوشہ باقی نہیں رہا جو احاطہ تحریر میں نہ آ چکا ہو مگر ان تصانیف سے عوام پورا پورا استفادہ نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ تبحر علمی سے بھرپور ہیں اس لیے اس گناہ گار نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپائے اقدس کو الفاظ کا جامہ پہنا کر نہایت آسان صورت میں پیش کیا ہے تاکہ عوام حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپائے اقدس پڑھ کر حضور کی عزت و عظمت، عقیدت و محبت اور ایمان و عرفان کی دولت سے مالا مال ہوں اور ان گستاخوں کو جو سید الانبیاء حبیب رب کبریا رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ حضور ہماری طرح کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے تھے اور ان کے اعضاء مبارکہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ ہماری طرح تھے جواب دے سکیں کہ

اے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرنے والو

کیا تم بھی سر کے بالوں سے لے کر پاؤں تک ایسے ہی ہو جیسا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپائے اقدس تھا؟ کیا تمہارے سراپا میں بھی وہی خصائص اور برکتیں ہیں جو حضور پرنور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سراپائے مقدس میں تھیں؟

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو انصاف سے کہو کہ تمہارا ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرنا گستاخی و بے ادبی اور بے دینی ہے یا نہیں؟

اگر ہے تو اس ناپاک عقیدہ (کہ حضور ہمارے ہی جیسے بشر ہیں) سے باز آؤ اور توبہ کرو اور کہو کہ حضور مجسم نور ہیں اور بے مثل بشر ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کی ذات اقدس حسن و جمال کا پیکر تھی اور آپ کا ایک ایک عضو قدرت خداوندی کا مظہر تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا بے مثل و بے نظیر بنایا تھا کہ ایسا بے مثل و بے نظیر نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو کہتا ہے کہ ایمان ہیں یہ اور ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

طالب دعا

محمد شفیع الخطیب الاوکاڑوی

کراچی

تاریخی قطعات

از نتیجہ فکر

لسان الحسان استاذ الشعراء حضرت علامہ مولانا شاہ ضیاء القادری بدایوانی مدظلہ العالی

کتاب بے عدیل، ذکر جمیل، تالیف لطیف حضرت مولانا المحترم، عالم اکمل، فاضل افضل، واعظ بے بدل، صاحب اوصاف وسیع مولانا قاری محمد شفیع صاحب اوکاڑوی مدظلہ العالی

وہ قاری محمد شفیع زماں — جو ہیں عالم و واعظ محترم
ہے وعظ آپ کا بے عدیل و نظیر — ہیں آپ اہل سنت میں عالی ہمم
ہے تبلیغ و تصنیف شغل حیات — ہیں اہل زبان نیز اہل قلم
ہے تقریر میں جتنا کیف و سرور — وہی طرز خامہ ہے بے کیف و کم
لکھا آپ نے ہے جو ذکر جمیل — ہے بے شبہ ذکر جمیل الشیم
ضیا سال تالیف ذکر جمیل — ہے ذکر رسول امام امم

دیگر — ۱۳۷۹ھ

زہے شوکت و شان ذکر جمیل — ہیں اوصاف محبوب خلد نظر
ہے تفسیر قرآن و شرح حدیث — صفات حبیب خدا سر بسر
ہیں جو معجزات و فضائل رقم — ہیں گویا سراپائے خیر البشر
رہیں شاد و خرم محمد شفیع — شرف ان کو دے خالق بحر و بر
ضیا کہیے سال کتاب مبیں — ہے ذکر جمیل ملائک سپہر

دیگر — ۱۳۷۹ھ

آں محمد شفیع فاضل عصر — کرد چوں سیرت نبی تکمیل
ہاتف غیب ضیاء سالش گفت — ذکر اللہ ذکر جمیل

دیگر

تذکرۂ مصطفیٰ اہل خرد سے ہو کیا ہیں شہ کون و مکاں صاحب ذکر رفیع
کیجئے رقم برمحل ہو کے چمن سے جدا سال طباعت ضیا ذکر محمد شفیع

☆☆☆

ازنتیجہ فکر

ناصرالاسلام حضرت الحاج مولانا سید محمد عبدالسلام صاحب قادری باندوی

صدر انجمن امانت الاسلام، کراچی

فاضل جلیل، مؤلف ذکر جمیل، بلبل بوستان نبوی مولانا محمد شفیع صاحب اوکاڑوی، زادہ اللہ علماً وفضلاً وقدراً ومنزلاً کی کتاب ذکر جمیل پڑھ کر فقیر کا غنچہ دل شگفتہ ہو گیا۔ سبحان اللہ محبوب ذوالجلال کے حسن و جمال، فضائل وکمالات کا کیا خوب بیان ہے۔

فقیر کے تین قطعات تاریخی ہدیہ ناظرین ہیں۔

رحمۃ للعالمیں ہیں خرمن اسرار رب مظہر انوار قدرت مخزن اسرار رب
اے سلام اس کی حسیں تاریخ ہے ذکر جمیل صیغہ راز الٰہی گلشن اسرار رب

☆☆☆

ہے نبی نور جمال لم یزل ان کا یہ ذکر جمیل اور بے بدل
اے سلام اس میں بہار خلد کی تاریخ ہے ہے یہ دل کش باغ صناع ازل

☆☆☆

خدا جمیل، جمال نبی اسے محبوب خوشا نصیب کہ ذکر جمیل ہے کیا خوب
کہا سلام سن عیسوی و ہجری نے نوائے بلبل مرغوب، گوشۂ مرغوب

☆☆☆

حضرت علامہ مولانا شاہ پیر امیر احمد صاحب واعظ انصاری

دامت برکاتہم العالیہ کا

''ذکر جمیل'' کے متعلق اظہار خیال

حضرت علامہ مولانا محمد شفیع صاحب خطیب اوکاڑوی مدظلہ نے اپنی تازہ ترین تصنیف کتاب ''الذکر الجمیل فی حلیۃ الحبیب الخلیل'' ازراہ کرم مجھ ناچیز کو عنایت فرمائی۔ اس کا میں نے بغور مطالعہ کیا۔ مولانا محمد شفیع صاحب چونکہ زمانہ حاضرہ کے بے مثل خطیب، یکتائے زمانہ عالم اور ادیب ہیں اور اپنے ساحرانہ انداز خطابت اور ادیبانہ فضیلت سے عوام و خواص میں بے حد مقبول و مشہور ہیں اس لیے آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ کتاب کے سرورق پر موصوف کا نام نامی اسم گرامی ثبت ہونا ہی کتاب کی عظمت و مقبولیت کی دلیل ہے۔ لیکن ازراہ نیاز مندی اس مبارک کتاب کے متعلق مختصراً لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مولانا صاحب موصوف نے کتاب ذکر جمیل لکھ کر ماشاء اللہ بہت بڑا دینی اور زبردست تبلیغی کارنامہ انجام دیا ہے۔ سید الموجودات، اشرف البریات، نور من نور اللہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال، عادات و خصائل اور آپ کے معجزات باکمال کو ایسی خوبصورتی اور بالغ نظری کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے کہ دل پھڑک گیا۔ جزاک اللہ و بارک اللہ ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

بعض اختلافی مسائل پر بھی بڑی خوبی کے ساتھ عالمانہ اور فاضلانہ بحث کر کے ہر عقدہ کو بڑے پیارے انداز میں حل فرما دیا ہے اور مخالفین کے باطل عقائد اور پرانے اعتراضات کے قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے مدلل و مسکت جوابات دے کر بہت سے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرما دی ہے مجھے یقین ہے کہ یہ پرزور دلائل بعض

سادہ لوح مسلمانوں کی تمام غلط فہمیوں کو بدرجہ احسن دور کردیں گے۔

مولانا صاحب موصوف نے کتاب ذکر جمیل لکھ کر مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اس تصنیفی وتالیفی کارنامہ سے صاحب موصوف کی ذات گرامی کو اسلامی تاریخ میں مبلغ اسلام اور مصلح قوم کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل، عمر وصحت میں برکت فرمائے۔آمین یارب العالمین بحرمۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نیازکیش خیراندیش

پیرامیر احمد واعظ انصاری جودھپوری

۱۲ اگست ۱۹۶۱ عیسوی

ماخذ

شمار	کتاب	مصنف
1	قرآن کریم	کلام اللہ تعالیٰ جل جلالہ
2	تفسیر ابن جریر	امام ابو جعفر محمد جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ (م 310ھ)
3	تفسیر بیضاوی	قاضی ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر شافعی (م 685ھ)
4	تفسیر کبیر	امام محمد فخر الدین محمد بن محمد رازی رحمۃ اللہ علیہ (م 606ھ)
5	تفسیر خازن	علامہ علاء الدین علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ (م 725ھ)
6	تفسیر مدارک التنزیل	علامہ حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ (م 701ھ)
7	تفسیر معالم التنزیل	امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی رحمۃ اللہ علیہ (م 516ھ)
8	تفسیر ابو السعود	علامہ ابو السعود بن محمد العمادی رحمۃ اللہ علیہ (م 982ھ)
9	تفسیر جلالین	امام حافظ جلال الدین سیوطی (م 911ھ)
10	تفسیر درمنشور	امام حافظ جلال الدین سیوطی (م 1505ء)
11	تفسیر الاتقان	امام حافظ جلال الدین سیوطی (م 911ھ)
12	تفسیر جمل	علامہ سید سلیمان بن عمر جمل رحمۃ اللہ علیہ (م 1204ھ)
13	تفسیر روح البیان	علامہ اسمٰعیل حقی البروسوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1137ھ)
14	تفسیر روح المعانی	علامہ سید محمود الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م 1270ھ)
15	تفسیر مظہری	علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (م 1225ھ)
16	تفسیر عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1823ء)
17	التفسیرات الاحمدیہ	علامہ ابو سعید ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ (م 1130ھ)
18	تفسیر مواہب الرحمٰن	علامہ سید امیر علی
19	تفسیر خزائن العرفان	صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م 1367ھ)
20	تفسیر حقانی	مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1335ھ)
21	تفسیر مفردات	امام ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی (م 502ھ)

22	بخاری شریف	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م 256ھ)
23	الادب المفرد	امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م 870ء)
24	مسلم شریف	امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ (م 261ھ)
25	ترمذی شریف	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م 279ھ)
26	شمائل ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م 279ھ)
27	ابوداؤد شریف	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ (م 275ھ)
28	نسائی شریف	امام نسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ (م 303ھ)
29	ابن ماجہ شریف	امام ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ (م 273ھ)
30	مسند احمد	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م 241ھ)
31	مشکوٰۃ شریف	علامہ محمد ابن عبداللہ خطیب التبریزی رحمۃ اللہ علیہ (م 741ھ)
32	المستدرک	حضرت امام ابومحمد بن عبداللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ (م 405ھ)
33	المصنف	امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ (م 211ھ)
34	المصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ (م 235ھ)
35	المعجم الکبیر طبرانی	حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد اللخمی رحمۃ اللہ علیہ (م 360ھ)
36	مسند الدارمی	امام ابومحمد عبداللہ الدارمی رحمۃ اللہ علیہ (م 255ھ)
37	سنن دارقطنی	امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (م 385ھ)
38	مسند البزار	حافظ ابوبکر احمد بن عمرو البزار رحمۃ اللہ علیہ (م 292ھ)
39	مسند ابویعلی	امام ابویعلی موصلی قاضی احمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ (م 307ھ)
40	صحیح ابن حبان	امام ابوحاتم محمد بن حبان التمیمی رحمۃ اللہ علیہ (م 354ھ)
41	السنن الکبریٰ للبیہقی	امام حافظ ابوبکر احمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م 458ھ)
42	طحاوی شریف	امام ابوجعفر احمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (م 321ھ)
43	الترغیب والترہیب	ابوالقاسم اسمٰعیل الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (م 535ھ)
44	دلائل النبوۃ	امام حافظ ابوبکر احمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م 458ھ)
45	فیض القدیر	علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1031ھ)

46	حلیۃ الاولیاء	حضرت امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (م 430ھ)
47	دلائل النبوت	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1038ء)
48	شفا شریف	امام قاضی عیاض بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ (م 544ھ)
49	شرح شفا	امام ملاعلی قاری بن سلطان رحمۃ اللہ علیہ (م 1014ھ)
50	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	امام ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م 1605ء)
51	جمع الوسائل	امام ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م 1014ھ)
52	خصائص کبریٰ	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
53	شرح الصدور	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 1505ء)
54	فتح الباری شرح بخاری	امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ)
55	عمدۃ القاری شرح بخاری	امام بدرالدین محمود بن احمد عینی رحمۃ اللہ علیہ (م 855ھ)
56	المواہب اللدنیہ	امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 923ھ)
57	زرقانی علی المواہب	علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی زرقانی (م 1122ھ)
58	کنز العمال	علامہ علاء الدین علی متقی رحمۃ اللہ علیہ (م 957ھ)
59	الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی جامع الصغیر	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
60	انباہ الاذکیاء	امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی (م 911ھ)
61	الحاوی للفتاوِی	حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
62	تاریخ الخلفاء	حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)
63	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	امام یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر (م 463ھ)
64	وفاء الوفاء	امام سید نورالدین علی الشافعی السمہودی (م 911ھ)
65	فتوح الغیب	حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ (م 561ھ)
66	قصیدہ غوثیہ	حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ (م 1166ء)
67	بہجۃ الاسرار	امام نورالدین شطنوفی رحمۃ اللہ علیہ (م 713ھ)
68	کشف الغمہ	حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ (م 973ھ)

69	زادالمعاد	علامہ محمد بن ابوبکر ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م1350ھ)
70	جلاء الافہام	علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م765ھ)
71	طبقات کبیر	امام عبداللہ محمد ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ (م230ھ)
72	سیرت ابن ہشام	علامہ ابو محمد بن عبدالملک ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ (م828ء)
73	سبل الہدیٰ والرشاد	ابوعبداللہ محمد بن یوسف الصالحی رحمۃ اللہ علیہ (م942ھ)
74	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م852ھ)
75	اسد الغابہ	شیخ ابوالحسن عزالدین علی بن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ (م630ھ)
76	تاریخ مدینۃ دمشق	امام ابوالقاسم علی ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (م571ھ)
77	تاریخ الخمیس	قاضی حسین بن محمد الدیار بکری رحمۃ اللہ علیہ (م966ھ)
78	الرسالۃ القشیریہ	امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن رحمۃ اللہ علیہ (م465ھ)
79	نسیم الریاض	علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ (م1069ھ)
80	حیوۃ الحیوان	علامہ کمال الدین محمد الدمیری رحمۃ اللہ علیہ (م808ھ)
81	تاریخ بغداد	علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م463ھ)
82	سیرت حلبیہ	علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ (م1044ھ)
83	مکتوبات شریف	امام ربانی مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی (م1034ھ)
84	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ	حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م1052ھ)
85	مدارج النبوت	حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م1642ء)
86	جذب القلوب	حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م1052ھ)
87	زبدۃ الآثار	حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م1642ھ)
88	دلائل الخیرات	علامہ امام محمد بن سلیمان جزولی رحمۃ اللہ علیہ (م1465ء)
89	شواہد النبوت	حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ (م1492ء)
90	نفحات الانس	حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ (م898ھ)
91	قصیدہ بردہ شریف	امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (م1294ء)
92	شرح قصیدہ بردہ	علامہ شمس الدین محمد بن ابراہیم البیجوری (م863ھ)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م 150ھ)	قصیدۃ النعمان	93
حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (م 1273ء)	مثنوی شریف	94
شیخ شرف الدین مصلح بن عبداللہ شیرازی (م 691ھ)	کلیات سعدی	95
علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (م 1252ھ)	ردالمحتار شرح درمختار	96
محمد نذیر عرشی نقش بندی	مفتاح العلوم شرح مثنوی	97
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1762ء)	انفاس العارفین	98
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1176ھ)	فیوض الحرمین	99
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1176ھ)	درالثمین	100
حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م 1823ء)	بستان المحدثین	101
علامہ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1350ھ)	حجۃ اللہ علی العالمین	102
اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (م 1340ھ)	نفی الفی	103
اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (م 1921ء)	خالص الاعتقاد	104
اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (م 1340ھ)	حدایق بخشش	105
اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (م 1921ء)	لمعۃ الضحیٰ	106
حضرت صدرالشریعۃ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ (م 1367ھ)	بہار شریعت	107
حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (م 1406ھ)	ماہنامہ السعید (حیات النبی نمبر)	108
مولانا محمد انوار اللہ خاں فاروقی رحمۃ اللہ علیہ (م 1336ھ)	مقاصد الاسلام	109
علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ (م 1938ء)	کلیاتِ اقبال	110
مولانا نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ	سیرت رسول عربی	111
مفتی محمد عبدالحیٔ لکھنوی (م 1304ھ)	مجموعۃ الفتاویٰ	112
جناب محمد انور شاہ کشمیری (م 1352ھ)	فیض الباری	113
جناب محمد قاسم نانوتوی (م 1295ھ)	آب حیات	114
جناب محمد قاسم نانوتوی (م 1880ء)	تحذیر الناس	115
جناب محمد قاسم نانوتوی (م 1295ھ)	فیوض قاسمیہ	116

117	قصائد قاسمی	جناب محمد قاسم نانوتوی (م1880ء)
118	حفظ الایمان	جناب اشرفعلی تھانوی (م1362ھ)
119	جمال الاولیاء	جناب اشرفعلی تھانوی (م1943ء)
120	نشر الطیب	جناب اشرفعلی تھانوی (م1362ھ)
121	امداد المشتاق	جناب اشرفعلی تھانوی (م1943ء)
122	الشہاب الثاقب	جناب حسین احمد ٹانڈوی مدنی (م1957ء)
123	ہب النسیم	جناب نبیہ حسن
124	المہند	علماء دیو بند